کاروانِ زندگی

حصّہ چہارم

مصنّف کی سرگذشتِ حیات (آپ بیتی) کا چوتھا حصّہ، جس میں ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۰ء کے آخر تک کے اہم واقعات و حالات، تحریکات و سرگرمیاں۔ ملّتِ اسلامی ہندی کے وجود اور اُس کے مِلّی تشخّص کے بقا و تحفّظ کے لئے پیدا ہونے والے خطرات، اُن کے مقابلہ کے لئے دینی جماعتوں اور باحمیت اہلِ فکر کی کوششوں کی رُوداد، اُن کے دلوں کی دھڑکنوں اور دماغوں کی خلشوں کی تصویر، بیرونی ممالک کے سفروں اور علمی و ادبی مجالس کی شرکت کی روداد، بابری مسجد کے قضیہ کے نتیجہ میں ہولناک فرقہ وارانہ فسادات کی جھلکیاں، اس اہم تاریخی دور کا (جس پر یہ حصّہ مشتمل ہے) ایک ایسا واقعاتی و تحلیلی جائزہ جس سے اس دور کے ہندوستان کا کوئی مؤرخ بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

www.abulhasanalinadwi.org

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ)

بار اوّل

۱۴۱۱ھ ــــ ۱۹۹۱ء

کتابت ــــــــــــــــ ظہیر احمد کاکوروی

طباعت ــــــــــــــــ

صفحات ــــــــــــــــ ۴۴۰

قیمت ــــــــــــــــ پچاس روپئے ۵۰/-

باہتمام

محمد غیاث الدین ندوی

طابع وناشر

مکتبۂ اسلام ۱۷۲/۵۴، محمد علی لین۔ گوئن روڈ۔ لکھنؤ

www.abulhasanalinadwi.org

فہرست عناوین

"کاروانِ زندگی حصۂ چہارم"

پیش لفظ و عرض حال ۹

صدر محمد ضیاء الحق مرحوم کی شہادت ۱۷

نعتیہ شاعری کے موضوع پر ایک سیمنار ۱۹

فرقہ وارانہ تحریکوں کا زور اور ہندو مسلمانوں میں دشمنی و مقابلہ کے جذبات سے شہری فضا میں کشیدگی ۲۶

کتاب "المرتضیٰ" کی تالیف اور لکھنؤ میں اس کی رسم اجراء کا جلسہ ۲۸

حجاز مقدس کا دورہ ۳۴

عرب امارت (ریاستہائے خلیج) کا سفر ۴۱

"بیداری کی لہر پر ایک نظر" کے عنوان پر ایک اہم محاضرہ ۴۷

"جمود کو توڑنے والی تحریکیں خود جمود کا شکار" ۴۹

حیدرآباد میں "پیام انسانیت" کی کانفرنس ۵۲

۲۹ر دسمبر ۱۹۸۸ء کو "پیام انسانیت" کانفرنس کی پہلی نشست ۵۳

اس اجتماع میں راقم کا بیان ۵۵

ہندو تحریکوں کے قائدین کی طرف سے قدردانی کا اظہار ۶۱

جلسۂ عام ۶۲

چند اہم اور خصوصی تعلق والی شخصیتوں کی وفات ۶۵

www.abulhasanalinadwi.org

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا اجلاس نہم منعقدہ کانپور	۷۲
کل ہند دینی تعلیمی کنونشن	۷۸
ترکی اور انگلستان کا سفر	۹۰
استنبول کی ایک اہم تقریر "ترکی کی مجاہد ملّتِ اسلامی"	۹۵
آکسفورڈ اور لندن میں چند دن	۱۰۴
مقالہ "انسانیت کے محسنِ اعظمؐ اور شریف اور متمدّن دنیا کا اخلاقی فرض"	۱۰۶
رابطۂ ادبِ اسلامی کا حیدرآباد میں مذاکرہ "تحریکِ آزادی و اصلاحِ عوام میں ادبِ اسلامی کا حصّہ" کے عنوان سے	۱۱۴
شیخ عبداللہ ابراہیم الانصاری مرحوم کی وفات	۱۲۶
ملک کی غیر معتدل اور پُر از اشتعال و منافرت فضا پر تأثّرات و بیانات	۱۲۸
دھماکہ خیز صورتِ حال پر قابو پانے کی ضرورت	۱۳۰
قیامِ امن کے لئے عوامی ضمیر کی بیداری کی ضرورت	۱۳۵
امن قائم رکھنے میں حکومت کا فرض	۱۳۸
بھاگلپور کا غیر معمولی اور لرزہ خیز فساد	۱۳۹
پولیس کے خلاف الزامات	۱۴۱
پی، ایس، ایف کی تعیناتی	۱۴۲
اصل نشانہ	۱۴۳
انتقامی کارروائیاں	۱۴۵
شلانیاس، رام جنم بھومی کی زلزلہ انگیز تحریک اور بھاگلپور کے قیامت خیز فساد کے اثرات	۱۴۷
سیاسی تبدیلی ایک صحت مندانہ علامت	۱۵۱

www.abulhasanalinadwi.org

اسباب تلاش کرنے اور سبق لینے کی ضرورت	۱۵۳
چند حقائق کی طرف اشارے	۱۵۴
اقلیتوں کی آزادی اور ان کے حقوق کا تحفظ	۱۵۴
یکجہتی اور اعتماد کی فضا پیدا کرنے کی ضرورت	۱۵۶
عوامی مُہم کی ضرورت	۱۵۸
نفرت پھیلانے والی جماعتوں اور سرگرمیوں پر پابندی	۱۵۹
سوئے ہوئے فتنوں کو جگانا درست نہیں	۱۵۹
انتظامیہ کی اصلاح	۱۶۰
مستقل کامیابی کی راہ	۱۶۱
عظیم خانگی حادثہ	۱۶۲
عزیز بھائی سید احمد الحسنی کی وفات	۱۶۴
حجاز مقدّس کا سفر	۱۶۷
موجودہ دنیا کی سب سے بڑی ضرورت ایک مثالی اسلامی معاشرہ اور ماحول ہے	۱۷۱
مولانا آزاد پر ایک اہم تقریر	۱۷۵
مولانا عبد الماجد دریابادی پر سیمینار	۱۸۰
بھاگلپور کے فساد کا ذہن پر اثر اور "پیام انسانیت" کا ایک اہم اور تاریخی کنونشن منعقدہ ۷ / مارچ دہلی	۱۸۱
دہلی میں "پیام انسانیت" کا تاریخی کنونشن	۱۹۴
مدراس کا سفر اور شنکر اچاریہ جی سے ملاقات	۱۹۹
پروفیسر مشیر الحق وائس چانسلر کشمیر یونیورسٹی کی شہادت کا افسوسناک واقعہ	۲۰۴

www.abulhasanalinadwi.org

وزیر اعظم صاحب سے مسلم پرسنل لا بورڈ کے وفد کی ملاقات ۲۰۷
میر واعظ مولوی محمد فاروق صاحب کی شہادت کا المناک واقعہ ۲۱۳
بمبئی، بنگلور کا سفر، بنگلور میں "مجمع الفقہ الاسلامی (الہند) (فقہ اسلامی اکیڈمی ہند) کے تیسرے
عمومی سیمنار میں شرکت ۲۱۷
"پیام انسانیت" کا ایک اہم جلسہ ۲۲۶
غیرت و رحمتِ الٰہی کائنات کے بگاڑ کو پسند نہیں کرتی ۲۲۷
لکھنؤ میں فرقہ وارانہ اتحاد و اعتماد، اور صلح و آشتی کی تحریک کا ایک اہم اجتماع ۲۳۱
روس کا عظیم انقلاب ۲۴۵
پاکستان کے نسلی و علاقائی فسادات ۲۵۰
منیٰ کا سنگین حادثہ اور ایران کا عظیم زلزلہ ۲۵۲
ایک نادر اور زرّیں موقع جو ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے ۲۵۶
مجاہد ملّت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی پر دہلی میں سیمنار اور اس میں راقم کا مقالہ ۲۵۷
بعض نئی مطبوعات اور ان پر مسرّت و تشکّر ۲۶۴
عالمِ عربی کا تازہ المیہ۔ اور اس کا دینی، اخلاقی، اصولی و دعوتی نقطۂ نظر سے مطالعہ و جائزہ ۲۷۱
زندگی کے چند مشغول و مغموم دن ۲۸۱
بابری مسجد کے سلسلہ میں ۲۸۵
ایک ضروری سفر کا التوا ۲۸۸
حجاز مقدّس کا سفر اور رابطہ کی مؤتمر میں شرکت ۲۹۱
مکۂ معظمہ کا قیام اور رابطہ کی مؤتمر ۲۹۴

www.abulhasanalinadwi.org

چند محترم و ممتاز پاکستانی عمائد و احباب سے ملاقات ۳۰۳

مولوی عبد اللہ عباس ندوی کے یہاں احباب کا ایک اجتماع ۳۰۵

مدینہ منورہ کی روانگی اور قیام ۳۰۶

حالاتِ حاضرہ کے پیشِ نظر عرب ممالک کو ضروری مشورے اور گذارشات ۳۱۰

حجاز سے واپسی پر مصروفیات، عراق کے کویت پر حملہ کے سلسلہ میں ایک جلسہ "رابطۂ ادبِ اسلامی" کی طرف سے "حمد و مناجات" پر ایک تاریخی سیمنار ۳۱۵

رائے بریلی میں "حمد و مناجات" کے عنوان سے "رابطۂ ادبِ اسلامی" کا تاریخی سیمنار ۳۱۷

کڑا مانک پور کا سفر اور ایک جلسۂ سیرت میں خطاب ۳۲۶

بابری مسجد و رام جنم بھومی کے قضیہ میں ملاقاتیں، مشورے اور جدّ و جہد ۳۳۵

دہلی میں علماء کا اجتماع اور فریقین کے مذہبی پیشواؤں کی باہمی گفتگو ۳۴۳

رائے پور و سہارنپور کا سفر ۳۴۹

ہندو مذہبی پیشواؤں سے گفتگو اور وزیر اعظم سے ملاقات ۳۵۲

لکھنؤ واپسی ۳۵۴

اعتراف و احساس ۳۵۹

پارلیمنٹ کا ہنگامی اجلاس اور وی پی سنگھ جی کی شکست ۳۶۴

دو متقابل تصویریں ۳۶۶

بابری مسجد اور رام جنم بھومی کے تنازعہ کے سلسلہ میں ایک انکشاف ۳۶۹

بے یقینی کی فضا اور شدید انتظار ۳۷۰

چندر شیکھر کی کامیابی اور ان کے بیانات ۳۷۲

www.abulhasanalinadwi.org

یوپی کے وزیر اعلا کا دوبارہ انتخاب	۳۷۲
فرقہ وارانہ فسادات، تشدّد، کھلی ہوئی جارحیت اور عمومی خوف وہراس	۳۷۴
ایک مشورہ اور تجویز	۳۷۷
دہلی کا مسلم پرسنل لا بورڈ کا جلسہ اور اس کی تجویز	۳۷۹
فسادات میں اضافہ اور ترقی	۳۸۲
لکھنؤ میں اردو اکیڈمی کا جلسۂ دعوتِ امن و اتّحاد	۳۸۳
بعض دوسری مصروفیات	۳۸۶
مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندوی کی وفات اور ندوہ میں جلسۂ تعزیت	۳۸۹
پیامِ انسانیت کے نام سے آنکھ کے آپریشن کا ایک مشترک کیمپ	۳۹۳
موجودہ حالات میں ہندوستانی مسلمانوں کے لئے راہِ عمل	۳۹۴
ملک کے غیر معمولی حالات میں ہندوستانی مسلمانوں کو مشورہ	۳۹۵
روسی ترکستان کے ایک مؤقّر وفد کی آمد دارالعلوم میں قیام اور اس کے تأثّرات	۳۹۹
ایک غلط بیانی کی تصحیح اور وزیر اعظم کے نام خط کے اہم مندرجات	۴۰۳
اشاریہ (انڈکس) مرتبہ از محمد غیاث الدین ندوی	۴۰۹

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ و عرض حال

الحمد للہ نحمدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ

"کاروانِ زندگی" کی چوتھی جلد ناظرین کی خدمت میں پیش ہے، تیسری جلد کے بعد جو اس مجبوری کی بنا پر مرتّب کی گئی تھی کہ اس کے عربی ایڈیشن پر جو دو جلدوں کے ترجمہ پر مشتمل تھا، ۲ کا نشان لگ گیا تھا، اس لئے اس کے محترم عربی ناشر نے اس کی جلد دوم کا تقاضہ کیا، تاکہ کتاب کے عرب قارئین کتاب کو نامکمل نہ سمجھیں، اس کے لئے پہلے اُردو میں مواد جمع کیا گیا (کہ اصلاً کتاب اُردو ہی میں لکھی گئی تھی) اس سے قدرتی طور پر کتاب کا تیسرا حصہ وجود میں آگیا، اور وہ ۱۹۸۸ء میں ہندوستان و پاکستان میں طبع ہو کر کتاب کے شائقین کے ہاتھوں میں پہونچ گیا، چوتھی جلد کی ترتیب کے بارے میں مصنّف کو سخت تردّد تھا، اور تیسری ہی جلد پر اس سلسلہ کو ختم کر دینے کا رجحان غالب تھا، مُحبّین و شائقین کے خطوط کے باوجود بھی جو چوتھی جلد کا تقاضہ کر رہے تھے، طبیعت اس سلسلہ کو جاری رکھنے پر آمادہ نہ تھی، لیکن اپنے ملک

www.abulhasanalinadwi.org

(ہندوستان) میں خاص طور پر اور بیرونی دنیا اور عالم اسلام میں عام طور پر بعض ایسے اہم واقعات، تبدیلیاں، ملک وملّت دونوں کے نقطۂ نظر سے ایسے مسائل اور آزمائشیں پیش آئیں، بعض اہم سفر اور اندرون وبیرون ملک میں ایسے اہم اجتماعات ومجالس منعقد ہوئیں اور ان میں اظہارِ خیال کا موقعہ ملا، جن کی اگر روئیداد قلم بند نہ کی جاتی اور اُن کو "رواں دواں" اخبارات کے حوالہ کر کے چھوڑ دیا جاتا تو ملکی وملّی تاریخ کا بہت سا اہم حصّہ آنے والے مؤرّخوں کی دسترس سے باہر ہو جاتا اور ملک وملّت کے لئے آئندہ کام کرنے والے، پیش آنے والے واقعات کے پسِ منظر، مسائل ومصائب کے اس ردِّ عمل اور ان ذہنی تأثّرات سے ناآشنا رہتے جو اس عرصہ میں ملکی وملّی پیمانہ پر خاص طور پر ہندوستان کے باشعور طبقہ کے دماغوں اور مزاجوں میں موج زن وسرگرم عمل تھے۔

تاریخ کے ذخیرہ پر ناقدانہ اور حقیقت پسندانہ نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں زیادہ تر تاریخ کی کتابیں "سرکار دربار" کے گرد گھومتی تھیں، ان میں زیادہ تر حکّام ووزراء کے عزل ونصب یا بڑی جنگوں اور عظیم حوادث کی روئیداد ہوتی، اس کے بعد بھی زیادہ تر تاریخ کی کتابیں ایک لگے بندھے نظام کے ماتحت واقعات نویسی پر اکتفا کرتی ہیں، اور ان کو اس لحاظ سے "عُرفی" و "اصطلاحی" تاریخ کہنا زیادہ مناسب ہوگا، ان کے مطالعہ سے اس عہد اور ماحول کے لوگوں کے دلوں کی دھڑکنیں، دماغوں کی خلشیں، اور روحوں کے اضطرابات معلوم نہیں

www.abulhasanalinadwi.org

کیے جا سکتے، ان مسائل اور مصائب اور محسوس کیے جانے والے خطرات سے بھی آگاہی نہیں ہو سکتی، جنھوں سے اس عہد اور ملک کے باشعور اور صاحبِ ضمیر طبقہ کی نیند حرام کر رکھی تھی، اور اس کو مسلسل اضطراب میں مبتلا کر دیا تھا، نہ اس کی روئیداد مل سکتی ہے کہ انھوں نے اس صورتِ حال کا کس طرح مقابلہ کیا، اور اس میں کیا اور کس طرح کی تبدیلی لانے کی کوشش کی، یہ "عرفی تاریخیں" (اپنی فنّی اور موضوعی قدر و قیمت کے باوجود) اس دور کی ذہنی و فکری، اخلاقی و نفسیاتی اور شعوری و جذباتی عکّاسی سے قاصر ہیں، نہ ان کے مصنّفین نے اس کا دعویٰ کیا ہے، اور نہ وہ اس کو اپنے فرائض میں سمجھتے تھے، دلوں کی یہ دھڑکنیں، دماغوں کی یہ خلشیں، روح کی بے تابیاں، اس صورتِ حال کا مقابلہ یا مداوا کرنے کے لئے کیا طریق کار اختیار کیے جا رہے تھے، اور کیا جدّوجہد کی جا رہی تھی، اس سب کا اگر کچھ اندازہ ہو سکتا ہے تو اس طرح کہ اس عہد کی معتبر تاریخوں کے ساتھ بزرگانِ دین کے ملفوظات بھی پڑھے جائیں، ان کی مجالس کے موضوعِ گفتگو، اور ان کے تأثّرات بھی معلوم کیے جائیں، اگر اس عہد کے لکھے ہوئے روزنامچے اور آپ بیتیاں بھی مل سکیں (جو نادرالوجود ہیں) تو ان کا بھی مطالعہ کیا جائے، بزرگانِ دین، اس زمانہ اور ماحول کے حسّاس و دردمند، اور جری و دلیر اہلِ فکر و اہلِ قلم کی باہمی خط و کتابت اور ان کے مراسلات پر بھی نظر ڈالی جائے، اسی طرح حسّاس اور صادق البیان سیّاحوں

www.abulhasanalinadwi.org

کے سفرنامے بھی پڑھے جائیں جن میں صرف قابلِ دید مقامات کی سیر و سیاحت اور اپنے اعزاز و استقبال کی روئیداد نہ ہو، اس عہد، ملک یا شہر کی تصویر کشی اور وہاں کے رہنے والوں کی ترجمانی بھی ہو، اس سب کو ملا کر اس عہد یا ماحول کا صحیح تخیّل اور اس کی تصویر سامنے آ سکتی ہے، جو گذر گیا ہے، اور جس میں زندگی اپنی تمام خصوصیات، اطمینان و بے چینی، پسندیدگی و ناپسندیدگی، اور اتفاق و محاذ آرائی کے ساتھ موجود تھی، اور اس سب کو سمجھے اور اس کے ساتھ انصاف کئے بغیر کسی عہد یا ماحول کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی، اور نہ اس کے سمجھنے کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔

"کاروانِ زندگی" کی گزشتہ تینوں جلدیں اور یہ چوتھی جلد جو اب ناظرین کے ہاتھوں میں ہے، کسی حد تک اس ضرورت کو پورا کرتی ہے، یا اس مقصد کی تکمیل میں مدد کر سکتی ہے کہ اس سے ہندوستان کے عام طور پر اور اس کے ہمسایہ ملکوں اور کسی قدر عالمِ اسلام کے اہم مرکزوں کی جیتی جاگتی، بولتی چالتی اور دھڑکتے ہوئے دل، پریشان دماغ اور مضطرب روح کے ساتھ ملّتِ اسلامیہ ہندیہ کی تصویر سامنے آتی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ملّت کے لئے اس ملک میں کیا فکر انگیز اور جواب طلب مسائل اور اس کے ملّی تشخّص کے تحفّظ کی راہ میں کیا موانع اور خطرات پیدا ہو گئے تھے، اور اس نے اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے کس طرح ہاتھ پاؤں

www.abulhasanalinadwi.org

مارے، اس ملک کا اخلاقی زوال، معاشرتی وسماجی بحران اور کردارکشی" کس حد تک پہونچ گئی تھی، اس سلسلہ میں ملّتِ اسلامی نے (جس کا فریضہ محض اپنا محاسبہ ہی نہیں "احتسابِ کائنات" بھی ہے) اپنی ذمّہ داری کہاں تک محسوس کی، سوچنے والے کس طرح سوچتے تھے، اور کوشش کرنے والے کیا کوشش کرتے تھے، ملک میں کس پیمانہ اور کس درجہ کے فرقہ وارانہ فسادات ہوئے، اور اس اقلیّت نے جو اس کا خاص نشانہ تھی، اس کی کیا قیمت ادا کی، اور اس کے سدّباب کے لئے کیا کوششیں کیں، وہ کیا واقعات پیش آئے، جن کے نتیجہ میں اس فرقہ کی مساجد اور مراکز خطرہ میں پڑ گئے، اور اس کو روکنے کے لئے جو کوشش کی گئی، اس میں کیا غلطیاں ہوئیں جن سے غیر مسلم اکثریت کے دل میں وہ دینی حمیّت اور مذہبی جوش پیدا ہو گیا، جو اس سے پہلے کبھی پیدا نہیں ہوا تھا، اور اپنے مذہب سے نیا اور طاقتور رابطہ پیدا ہو گیا، جو روز بروز کمزور ہوتا چلا جا رہا تھا، اور جس کے پیدا کرنے کی کوشش میں اس کے بڑے بڑے مذہبی رہنما بھی ناکام رہے، اور وہ اس کے قومی وقار کا مسئلہ بن گیا، اس سلسلہ میں وہ کیا مخلصانہ اور حقیقت پسندانہ مشورے تھے، جو حکومت کو دیئے گئے، اور خود حکومت کا اس سلسلہ میں کیا رویّہ تھا، پھر اس ملک میں کس طرح اچانک حکومت اور انتظامیہ کی تبدیلی پیش آئی، اس کے کیا اہم اسباب تھے، اس تبدیلی کے

www.abulhasanalinadwi.org

سلسلہ میں مسلمانوں کا موقف کیا ہونا چاہیئے تھا، ان کے اہلِ فکر نے ایک طرف نئی حکومت کو کیا مشورے دیئے، دوسری طرف مسلمانوں کو کیا رویّہ اختیار کرنے اور اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کا مشورہ دیا۔

پھر ملک کے ان سیاسی و انتظامی حالات اور مسلمانوں کے لئے نئے مسائل و خطرات کی موجودگی میں جو حسّاس اور دردمند خادمینِ ملّت کو مشغول و منہمک رکھنے کے لئے کافی تھے، ان کو اپنی علمی، فکری، دعوتی اور تنظیمی کوششوں کو جاری رکھنے کی کہاں تک توفیق ہوئی، ملک کے حالات و مسائل سے قریبی تعلق رکھنے کے ساتھ کس طرح بیرونی ممالک کے سفر اور وہاں کی مجالس میں شرکت کے لئے وقت نکالا گیا، اور اسلام کی نشأۃِ ثانیہ، ادب اور قلم کو صحیح راہ پر لگانے، ممالک غیر میں اسلام کی ترجمانی اور اس کے تعارف کے لئے کیا جدّوجہد کی گئی، اس سب کے ساتھ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر پیش آنے والے متعدد واقعات کی نشان دہی اور ان اہم شخصیتوں کے دنیا سے ارتحال کا تذکرہ بھی ہے، جو اپنے اپنے ملک یا اپنے اپنے حلقہ میں دینی و ملّی نقطۂ نظر سے قدر و قیمت رکھتی تھیں، یا جن سے مصنف کا ذاتی او رخاندانی تعلق تھا۔

اس طرح یہ کتاب جو کوئی بڑی علمی و ادبی یا تحقیقی و تصنیفی

www.abulhasanalinadwi.org

قدر و قیمت نہیں رکھتی، بیسویں صدی عیسوی کے کم سے کم نصف ثانی میں سانس لینے والے اہم ملک (ہندوستان) اور عظیم ملّت (مسلمانوں) کے حالات، جذبات واحساسات، واقعات اور واقعات کے ردِّ عمل اور جیسا کہ کہا گیا کہ "دلوں کی دھڑکنوں اور دماغوں کی خلشوں" کے سمجھنے میں مدد دے گی، اور آئندہ کے مسلمان مؤرّخ، یا انصاف پسند ہندوستانی مؤرخ کو بہت سے وہ معلومات ومواد فراہم کرے گی، جس کا بہت تھوڑا سا حصہ اخبارات ومضامین میں آسکا، اور جو آیا بھی اس کا ذخیرہ بہت کم محفوظ رہ سکا، اسی طرح سچے محبّ وطن اور مخلص ملّی کارکن ان واقعات سے جو ان جلدوں میں آگئے ہیں بہت کچھ سبق لے سکتے ہیں، اور بہت سی غلطیوں سے بچ سکتے ہیں، اور ان سے وہ حقیقت پسندی، اعتدال وتوازن، وسیع النظری اور وسیع القلبی پیدا کی جا سکتی ہے، جو اس ملک وملّت دونوں کی بڑی ضرورت ہے، خدا کرے کتاب کے اس سلسلہ سے جو بڑی جرءت کر کے اپنی اور اپنے ہیچ میرزی، بے بضاعتی، بے عملی، اور بے حاصلی کے احساس کے ساتھ مرتّب ہوا ہے، کسی درجہ میں نفع پہونچے اور یہ سعی بے حاصل ہو کر نہ رہ جائے[1]۔

---

[1] ناظرین اس چوتھی جلد اور اس کی سابقہ جلدوں میں یہ فرق محسوس کریں گے کہ پہلی تینوں جلدوں میں واقعات ومواد الگ الگ باب کے ماتحت پیش کئے گئے ہیں لیکن یہ جلد چونکہ ایک ڈائری کی طرح ہے، جس میں واقعات موضوعی ترتیب (باقی ص۱۶ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

ابوالحسن علی ندوی

۲۰ رجمادی الثانیہ ۱۴۱۱ھ
۸ر جنوری ۱۹۹۱ء

دائرہ شاہ علم اللہؒ
رائے بریلی

(باقی ص۱۵ کا) کے بجائے زمانی ترتیب کے ساتھ تسلسل سے پیش کر دیئے گئے ہیں، اس لئے الگ الگ باب کے ماتحت ان کو درج نہیں کیا گیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صدر محمد ضیاء الحق مرحوم کی شہادت

۱۷ر اگست ۱۹۸۸ء کی رات کو عالمی ریڈیو نے عام طور پر اور پاکستانی ریڈیو نے خاص طور پر مسلم صدر اور عظیم رہنما جنرل محمد ضیاء الحق صدر حکومتِ پاکستان کی شہادت کی خبر نشر کی، جو ایک ایسے پاکستانی طیارہ کے حادثہ میں پیش آئی، جس میں صدر پاکستان کے علاوہ پاکستانی افواج کے متعدد اعلیٰ حکّام اور پاکستان میں متعیّن امریکی سفیر بھی سوار تھے، میرے رفقاء اور عزیزوں نے میری صحت اور اس خبر سے ذہن و اعصاب پر جو اثر پڑ سکتا ہے اس کی رعایت کر کے رات بھر اس پریشان کن اور تکلیف دہ خبر کو مجھ سے چھپائے رکھا، یہ جانتے ہوئے کہ صدر شہید کی میرے دل میں کتنی قدر و منزلت ہے، اور اسلامی نظامِ حکومت کے اِجرا اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے اور اسلامی قوانین کو نافذ کرتے اور ملک کے امن و امان اور عزّت و وقار کی پاسداری کے لئے اُن کے صدارت و قیادت کے مرکزی عہدہ پر باقی رہنے کو میں کتنا ضروری سمجھتا ہوں، اس خبر صاعقہ اثر سے مجھے سخت تکلیف ہوگی۔

معمول کے مطابق اگلے دن جب بیدار ہوا تو ایک قریبی عزیز نے یہ المناک خبر

www.abulhasanalinadwi.org

سنائی جس سے میں بے چین و بے قرار ہو گیا، اور شدتِ احساس میں دل و دماغ نے اس خسارہ کے ہر پہلو پر غور و فکر شروع کر دیا، اور ہر زاویہ سے اس کا اندازہ لگانے لگا، ان دنوں یہی دھڑکا لگا رہا کہ یہ حادثہ کہیں صدر شہید مرحوم کے ہم وطنوں یا وہاں کی کسی خفیہ جماعت کے ہاتھوں پیش آیا ہو، یا کسی سیاسی سازش یا گروہی تخریب کاری کا نتیجہ نہ ہو، اس لئے کہ اگر ایسا ہوا تو یہ آخری درجہ کی احسان ناشناسی، اور اللہ تعالےٰ کی ایک عظیم نعمت کی کھلی ناشکری ہوگی، اور ایک ایسے زرّیں موقعہ کو ضائع کرنے کے مرادف ہوگا، جو شاذ و نادر ہی ہاتھ آتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تخریب کاری و احسان فراموشی کے ایسے اقدامات بسا اوقات پورے ملک کو کسی ایسی آزمائش میں ڈال دیتے ہیں کہ لمبی مدّت تک وہ اس میں پڑا رہتا ہے "ھل من جدید، ھل من جدید" کے نعرہ، عُجلت پسندی اور احسان فراموشی اور ناعاقبت اندیشی کی یہ ایک ایسی داستان ہے، جو اسلامی تاریخ میں بار بار دُہرائی گئی ہے، اور عالمِ اسلام کے متعدد ملکوں میں اس کا مشاہدہ کیا گیا ہے۔

راقم نے اپنے مقالہ کو جو شہید مرحوم کی وفات پر سپردِ قلم ہوا تھا، اس خطرہ اور امکان کا اظہار کیا تھا، جو واقعہ بن کر سامنے آگیا کہ خطرہ ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کے ناقدین و مخالفین یہ شعر پڑھتے ہوئے نہ سُنے جائیں کہ ؎

اچھے وہی ہیں آج جو سوتے ہیں زیرِ گل
افسوس ہے انھیں کے ہزاروں گلے ہوئے [۱]

---

[۱] مرحوم کی وفات پر پاکستانی رسائل و اخبارات میں جو مضامین نکلے وہ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

نعتیہ شاعری کے موضوع پر ایک علمی سیمنار

۲۵، ۲۶، ۲۷ صفر ۱۴۰۹ھ (مطابق ۷، ۸، ۹ اکتوبر ۱۹۸۸ء) کی تاریخوں میں عالمی رابطۂ ادب اسلامی کی ہندوستانی شاخ نے شہر اورنگ آباد میں واقع مدرسہ کاشف العلوم میں نعتیہ شاعری کے موضوع پر ایک عالمی علمی سیمنار منعقد کیا، موضوع کی اہمیت، دلوں پر اس کی تاثیر، اس سے لوگوں کی عقیدت و احترام اخبارات و ذرائع ابلاغ کے بھرپور اہتمام، پُرسکون فضا اور سکینت و وقار کے ماحول، اور اچھی خاصی تعداد میں ہندو بیرون ہند سے ممتاز علماء، ادباء، شعراء اور داعیانِ اسلام کی شرکت کے اعتبار سے یہ سیمنار اپنی نوعیت کا منفرد و نادر سیمنار ثابت ہوا۔

اس سیمنار کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے راقم نے اپنے افتتاحیہ کلمات میں کہا کہ :-

> "آج کا یہ اجتماع ایک اہم خصوصیت کا حامل ہے کہ اس اجتماع کی نسبت اس ذات والا صفات کی طرف ہے جس ذات گرامی نے نوعِ انسانی، نسل انسانی، اور وجود انسانی کے علاوہ ادب، شاعری، تمدّن، فلسفہ ہر ایک کو زیر بارِ منّت کیا ہے، عقائد و نفسیات کی دنیا میں "نسبت" کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، کعبۃ اللہ کو اللہ تعالیٰ سے نسبت ہے، اس کا ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ کعبۃ اللہ کی جانب ابرہہ نے ہاتھیوں کا لشکر لے کر بڑھنے کی جرأت کی تھی تو وہ خود اور اس کے ہاتھیوں

www.abulhasanalinadwi.org

کا لشکر اللہ تعالیٰ کے جلال کا شکار ہو گیا، اسی طرح نہ جانے دنیا میں کتنے مکتوب چاک کئے گئے ہوں گے، لیکن حضور اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جو مکتوب شاہ ایران کو بھیجا تھا، اس نے اسے چاک کیا تو آپ نے فرمایا کہ "اس کی سلطنت بھی اسی طرح پارہ پارہ ہو جائے گی' اور ایسا ہی ہوا۔"

اس جلسہ میں میں نے اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا کہ :۔

"اس ملک میں اسلام کی بقا بڑی حد تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبوب شخصیت و ذات گرامی سے مسلمانوں کے گہرے ربط و تعلق کے طفیل میں ہے۔

اس ملک کی مٹی کو "اَكَّالَۃُ الْاُمَمِ" (قوموں کو نگل جانے والی) کہا گیا ہے' اس میں نہ جانے کتنے مذاہب و ادیان، تہذیب و کلچر نمک کی طرح پگھل گئے لیکن اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو تیز و تند آندھیوں اور بے رحم طغیانیوں کے باوجود اپنے تشخّص، قوت اور اعلیٰ خد و خال کے ساتھ باقی ہے' اور اس کی بقا کا واحد راز دینی جذبۂ اسلامی شعور اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے گہرے تعلق اور محبت کا نتیجہ ہے' یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شخصیت سے ربط و محبت اور مضبوط اور پائیدار بنانے میں ہندوستان کے ادباء، شعراء نے اہم اور بنیادی کردار ادا کیا ہے۔"

www.abulhasanalinadwi.org

افتتاحی جلسہ میں ڈاکٹر علی رضا عدنان نحوی نے بھی خطاب فرمایا جو ریاض سے اس مجلس مذاکرہ میں شرکت کے لئے آئے تھے، انھوں نے اسلام کی طرف انتساب پر اور فلسطین، افغانستان اور اس جیسے عالم اسلام کے دیگر مسائل و مشکلات کے سلسلہ میں اسلامی رائے عامہ کو بیدار کرنے پر زور دیا، ان کے بعد ان کے رفیق اور رابطہ کے عرب رکن استاذ محمد حسن بریغش نے بھی اپنے کلمات سے نوازا جس میں اس بات کی صراحت کی کہ عام طور پر عرب ادباء و شعراء نے نغمیہ شاعری سے کوئی دل چسپی نہیں لی، بلکہ اس کی قدر و قیمت کو گھٹانے اور کم کرنے کی کوشش کی ہے اس لئے عموماً عرب ادباء علمانیت (سکولرزم) و لادینیت کے علمبرداروں کے گروہ سے منسلک ہیں، جبکہ نغمیہ شاعری اثر و تاثیر کے تمام عناصر کی حامل ہے بلکہ دلوں پر اپنے اثر اور تاثیر کے لحاظ سے وہ ادب کے تمام مناہج و اصناف سخن سے بلند و بالا ہے، پھر انھوں نے استاذ احمد محرم کے شاہ نامۂ اسلام (الالیاذۃ الاسلامیہ) کی تعریف کی جسے انھوں نے استاذ محب الدین خطیب کی درخواست پر "مجد الاسلام" کے نام سے لکھا تھا۔

اس کے بعد مولوی ریاض الدین فاروقی ندوی مہتمم مدرسہ کاشف العلوم نے الحاج غلام محمد پٹنی (محمد بھائی) صدر مجلس استقبالیہ کی طرف سے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا، اس کے بعد رابطۂ ادب اسلامی ہند کے جنرل سکریٹری مولوی سید محمد رابع حسنی ندوی نے اپنی رپورٹ میں اب تک کی کارگزاریوں پر مختصر روشنی ڈالی، اور مادی بے سرو سامانی کے باوجود گذشتہ تین سال میں رابطہ نے جو پیش قدمی کی ہے، اس کا تذکرہ کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

اس محبوب اور معزز موقعہ کے لئے راقم نے جو مقالہ تیار کیا تھا۔ اس کا موضوع تھا "فارسی و اردو زبان کی نعتیہ شاعری میں سیرت نبوی کی کچھ روشن جھلکیاں" اس مقالہ میں نعتیہ شاعری میں جہاں انسانیت پر اسلام کے احسانات گنائے گئے ہیں، اور عقیدہ و اخلاق، تہذیب و تمدن، علوم و فنون اور انسانی دنیا کے ذہن پر بعثت نبوی نے جو عمیق و وسیع نقوش و تاثرات چھوڑے ہیں، ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کی نعتیہ شاعری، ان شعراء کے گہوارۂ اسلام اور مبعثِ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوری و مہجوری کی وجہ سے زیادہ مؤثر و عمیق جذبات کی حامل اور دل آویز و ایمان افروز ہے۔

اخیر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا کہ بہت سے نعت گو شعراء کے قدم اس راہ میں ڈگمگا گئے ہیں۔ اور جادۂ اعتدال اور بعض اوقات جادۂ شریعت سے بھی تجاوز کر گئے ہیں، عقیدۂ توحید اور تعلیمات شریعت کی صحیح معرفت رکھنے والوں اور اسلام کے مزاج دانوں نے اس پر محتاط طریقہ پر تنقید کی اور اُسے بیرونی اثرات، معاصر و ہمسایہ غلو پسند فلسفوں اور عقیدہ و عقیدت کے غیر محتاط لٹریچر کا اثر بتایا۔ اور اس نعتیہ شاعری کی جو توحید خالص پر مبنی ہو اور حدود شریعت سے متجاوز نہ ہو، اس کی تعریف کی، راقم نے اس کے بعض نمونے بھی اردو کے نعتیہ کلام سے پیش کئے۔

مسلمانوں کے دلوں میں اس موضوع کے قدر و قیمت کا اندازہ سیمنار میں شرکت کرنے والے مندوبین کی بھاری تعداد سے بھی لگایا جا سکتا ہے، اس سیمنار میں شرکت کے لئے ایک مؤقر وفد پروفیسر مولانا محمد اشرف سلیمانی کی قیادت میں

www.abulhasanalinadwi.org

پاکستان سے آکر شریک ہوا، مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی پشاور یونیورسٹی کے سابق صدر شعبۂ عربی، اور علامہ سید سلیمان ندویؒ کے خلیفہ ومجاز ہیں، جو اپنے مرض ومجبوری اور چلنے پھرنے سے یکسر معذوری، معمولی نقل وحرکت کے لئے بھی اپنے رفقاء کی مدد کی محتاجی کے باوجود ایک طویل وبامشقت سفر کی صعوبتیں وزحمتیں برداشت کرکے تشریف لائے، یہ سب کچھ موصوف نے صرف موضوع کے اعزاز واکرام، سیمنار کے احترام اور منتظمین کی محبت کے جذبات کی قدر افزائی میں کیا، اسی طرح ممتاز حجازی فاضل اور اسلامیات کے مشہور مقالہ نگار استاذ احمد محمد جمال اور عزیز گرامی محمد محمود حافظ ندوی مکہ مکرمہ سے رابطۂ عالم اسلامی کے نمائندہ بن کر تشریف لائے، ڈاکٹر علی رضا عدنان نحوی اور پروفیسر محمد حسن بریغش نے ریاض سے زحمت فرمائی، اسی طرح ہندوستان کے دور دراز وقرب وجوار کے شہروں اور دینی مدارس سے مختلف وفود نے شرکت کی، اس سیمنار کے لئے جو مقالے تیار کئے گئے تھے، ان کی تعداد پینتالیس ۴۵ سے بھی زائد تھی۔

یہ ایک بہت ہی عطر بیز وسحر انگیز موقعہ تھا، ہر جگہ اس کا چرچا رہا، جس نے بھی اسے دیکھا یا اس کے بارے میں سنا اس کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہوگیا، ایک مقامی اخبار کے نمائندہ نے تو یہاں تک لکھا کہ "سیمنار کے دنوں میں پورے شہر پر سکینت وطمانیت کا ایک شامیانہ چھایا رہا۔"

اس سیمنار کے انعقاد اور اس میں بھاری تعداد میں علماء وفضلاء کی شرکت سے شہر وعلاقہ کی مختلف تنظیموں اور مدارس دینیہ نے ایک زرّیں موقعہ سمجھ کر فائدہ اٹھایا، باہر سے آئے ہوئے علماء وفضلاء سے استفادہ کی غرض سے

مختلف جگہوں پر دینی جلسے و اجتماعات کا اہتمام ہوا، مختلف مقامات کے یہ جلسے و اجتماعات اور مندوبین کی ایک جگہ سے دوسری جگہ کی منتقلی و نقل و حرکت نے پورے شہر کو اسلامی جشن و جلوس کے رنگ میں رنگ دیا تھا، پھر جگہ کی خوش گواری و خوش نمائی جمعہ کے دن سیمنار کے آغاز اور سیمنار کے تاریخی محل وقوع نے اس میں چار چاند لگا دیئے، یہ سیمنار اس عظیم و تاریخی جامع مسجد کے جوار میں منعقد ہوا جسے مسلم حکمراں عنبر نے تعمیر کیا تھا، اور عظیم مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ نے اس کی آرائش و زیبائش کی تھی، اور اپنی زندگی کی پچاس بہاریں وہیں گزاری تھیں، اسی کے پڑوس میں وفات بھی پائی اور اس کے نواحی محلہ خلد آباد میں آسودۂ خاک ہوئے، پھر توان کے بعد ہندوستان کی اسلامی حکومت کمزور سے کمزور ہوتی چلی گئی، اسی لئے بعض دانشور اُسے "غرناطۂ[1] ہند" سے تعبیر کرتے ہیں، محبوب ربّ العالمین و محسنِ کائنات محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تذکرہ نے اس کی قدر و قیمت کو اور بلند کر دیا۔

شہر اورنگ آباد کے (جسے اللہ تعالےٰ نے قدرتی حسن و جمال اور خوشنما تعمیری و تاریخی یادگاروں سے مالا مال کیا ہے) باشندوں نے پورے تین (۳) دن رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر و تذکرہ میں گزارے، ذکرِ حبیب کی مُشک بار ہوا نے شہر کے گوشہ گوشہ کو معطّر کیا، وفود کے اس کارواں نے دولت آباد کے اس تاریخی شہر کی بھی سیر کی جس نے علاء الدین خلجی کے عہد میں مسلمانوں کے لشکر اور دیوگیر کے ہندو افواج کے مابین اس فیصلہ کن معرکہ کو دیکھا ہے، جس میں لشکر اسلام کو اپنی قلّت کے

---

[1] اسلامی عربی اندلس (اسپین) میں اسلامی حکومت کا آخری پایۂ تخت اور مسلمانوں کی پناہ گاہ جس کے سقوط کے بعد وہاں کا اسلامی عہد ختم ہوا۔

www.abulhasanalinadwi.org

باوجود حیرت انگیز کامیابی نصیب ہوئی تھی، اس کے بعد خُلد آباد کی بھی زیارت کی جہاں شہنشاہ اورنگ زیب کا مزار ہے، جس کے متعلق مولانا ظفر علی خاں نے بجا طور پر کہا ہے ؎

ایک آنے والی اسلامی حکومت کے تصوّر میں
لحد میں بھی کھُلی ہے اس کی چشم انتظار اب تک

اس کے بعد مہمانوں نے الورا (ELLORA) کے مختلف تاریخی غاروں کو بھی دیکھا، جو اپنی حیرت انگیز سنگ تراشی، تراشے ہوئے مجسّموں کی کثرت اور بہت سے تاریخی آثار کی بنا پر مشہور و معروف ہیں، اور جو جاہلی عہد کی اصنام پرستی اور ظالمانہ بیگار کے دور کی یادگار ہے، اور اس عظیم و وسیع فرق و امتیاز کی یاد دلاتے ہیں جو بُت پرست مذاہب و تہذیبوں اور توحید خالص پر مبنی اس دین اسلام کے مابین موجود ہے، جو بُت پرستی اور اس کے تمام مظاہر و اشکال کا منکر ہے اور انسان اور انسانیت کے احترام کی دعوت دیتا ہے، اور جس کے احسانات و اثرات اصلاحات و تعمیرات کے وہ اَنمِٹ نشانات موجود ہیں جو مسلمانوں نے اس بُت پرستی کے گڑھ اور اس کے نمائندہ شہر میں اپنی آمد اور عرصہ دراز تک حکومت و قیادت کے اثر سے چھوڑے تھے، اس سیمینار کے لئے اس اسلامی شہر کا انتخاب، اس کی عظیم اسلامی و تاریخی حیثیت اور اورنگ زیب جیسے غیرت مند مسلم شہنشاہ (جسے بعض دیدہ ور مؤرخوں نے چھٹا خلیفۂ راشد شمار کیا ہے[1]) کے حکومت کے پایۂ تخت ہونے کا شرف و اعزاز

[1] مثلاً عظیم عرب ادیب و مؤرخ استاذ علی طنطاوی، ملاحظہ ہو انکا مضمون "تحت الآن فی الھند" اور دوسری تحریریں۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور اس کی فطری و قدرتی حسن و جمال کی وجہ سے بھی بڑا مناسب انتخاب تھا، بے شک جگہ کی خوشگواری اور زیبائی کا اثر دلوں پر ضرور پڑتا ہے، بسا اوقات اچھی اور خوشگوار جگہ محبوب یادکو تازہ کر دیتی ہے، جیسے کہ ایک عرب شاعر کا کہنا ہے ؎

وَلَمَّا نَزَلْنَا مَنْزِلًا طَلَّهُ النَّدى ... أَنِيقًا وَبُسْتَانًا مِنَ النَّوْرِ حَالِيًا

أَجَدَّ لَنَا طِيبُ الْمَكَانِ وَحُسْنُهُ ... مُنًى فَتَمَنَّيْنَا فَكُنْتَ الْأَمَانِيَا

ان چند وجوہات کی بنا پر یہ سیمینار ایک نادر سیمینار تھا جس سے دل و جان کو سکون و اطمینان اور لوگوں کو دینی نفع حاصل ہوا۔

فرقہ وارانہ تحریکوں کا زور اور ہندو مسلمانوں میں دشمنی و مقابلہ کے جذبات سے شہری فضا میں کشیدگی

عام شہری زندگی اور حکومت اور انتظامیہ کے لحاظ سے حالات (نسبتاً) معتدل و پُرسکون (NORMAL) تھے کہ اچانک ان میں تبدیلی پیدا ہوئی، اور اس کا لاوا ایک کر ایسا تیار ہو گیا کہ معمولی جنبش یا سلبی و دہشت پسندی کے ادنیٰ اقدام سے پھٹ سکتا تھا، اور جس کے نتیجہ میں فرقہ وارانہ فسادات، انسانی قتل عام، عبادت گاہوں و مقامات مقدسہ کی اہانت اور عزت و آبرو کی پامالی لازمی ہے، خاص طور پر یہ رجحان اتر پردیش کے شمالی و مغربی اضلاع میں بہت بڑھ گیا تھا، جہاں بابری مسجد (جیسا کہ مسلمانوں کا خیال و یقین ہے) اور رام جنم بھومی (ہندوؤں کے خیال و اعلان کے مطابق)

www.abulhasanalinadwi.org

کا قضیہ اُبھر کر سامنے آگیا، مسلمان اس کو مسجد ہی سمجھتے ہیں، جس کی تعمیر اوّل روز ہی سے مسجد کی حیثیت سے ہوئی ہے، اتر پردیش کے ہائی کورٹ میں یہ قضیہ زیر سماعت ہے اور مسلمانوں کے پاس اپنے دعوی کے لئے قوی دلائل اور دستاویزی ثبوت موجود ہیں، یہ قضیہ اچانک اپنے محدود قانونی و انتظامی حدود سے آگے نکل کر مسلم قوم و ہندو قوم کا نزاعی قضیہ اور "وقار کا مسئلہ" بن گیا، اس کا ایک سبب حد سے بڑھی ہوئی وہ جذباتیت ہے جو شروع سے اب تک دونوں متنازع گروہوں، اور پارٹیوں کے قائدین اور لیڈروں اور پُرجوش مقرّرین کا مزاج بن گیا ہے، جس کے نتیجہ میں مسجد و مندر کے معاملہ میں رسہ کشی شروع ہوئی اور شیوسینا، (R. S. S.) ہندو پریشد جیسی ہندو فرقہ پرست پارٹیوں کے لیڈروں کو ہندوؤں کے جذبات اور مذہب و عبادت گاہوں کے بارے میں ان کی غیرت اور مسلمانوں کے خلاف دلوں میں دبی ہوئی دشمنی کو بھڑکانے کا موقعہ ملا، جس سے پورا ملک کوہ آتش فشاں بن گیا۔

بعض قائدین کی کوتاہ اندیشی اور مقرّرین کی پُرجوش تقریروں نے ہندوؤں کے اس دینی شعور اور مذہبی حمیّت و غیرت کو متحرک کر دیا جو بہت کچھ کمزور ہوچکی تھی، اور تیزی کے ساتھ زوال کی طرف جارہی تھی، ان کے اس خفتہ و افسردہ مذہبی جذبہ میں نئی زندگی اور اپنے مذہب کے احیاء کی آرزو جاگ اٹھی جس کی دلوں پر سے گرفت عرصہ سے ڈھیلی پڑچکی تھی، اب دوبارہ ان کا رشتہ اپنے مذہب، روایات اور بھولی بسری تاریخ سے تازہ ہوگیا، اور اُن کی ساری توجہ اپنے دیومالا پر مرکوز ہوگئی، جسے وہ بھول چکے تھے، یا بُھلا چکے تھے، اس کے لئے انھوں نے ملک کے ذرائع ابلاغ، بھڑکیلی تقریروں

www.abulhasanalinadwi.org

اور انگریزی و ہندی اخبارات کے شعلہ بار مقالات سے کام لیا اور فضا کو گرم اور اشتعال پذیر بنا دیا، ملک کی اس فضا میں مسلمانوں کے لئے پُرامن زندگی گزارنا مشکل ہو گیا، جبکہ مسلمان ملک کو بچانے کے لئے قائدانہ رول ادا کر سکتے تھے، اس طرح اب مسلمان دانشوروں اور اہلِ قلم کے لئے یہ بھی مشکل ہو گیا کہ اکثریت کے تعلیم یافتہ حضرات کے ذہن کو اسلام کے علمی معروضی و منصفانہ مطالعہ کے لئے تیار اور آمادہ کر سکیں۔

بعض مسلمان دانشوروں نے اس خطرہ سے لوگوں کو آگاہ بھی کیا، اور اس کے خطرناک نتائج کی نشاندہی بھی کی، اس کے عواقب و انجام کی طرف اشارہ کرنے کی توفیق راقم کو بھی ہوئی لیکن جذباتیت ہمیشہ سوجھ بوجھ پر غالب رہی ہے، اور مسلمان عرصہ سے ہوش کے بجائے جوش ہی سے کام لینے کے عادی ہو چکے ہیں، اس سلسلہ میں حکومت کی خاموشی اور مسئلہ کو حل کرنے میں غیر معمولی تاخیر اور سستی نے بھی جلتے میں تیل کا کام کیا، یہ مسلمانوں کے حق میں ایک ناقابلِ تلافی خسارہ و نقصان ہے، اور اس ملک میں جہاں مسلمانوں نے ایک ہزار سال حکومت کی ہے، اور اب بھی ملک مسلمانوں کا محتاج ہے، دعوتی و اصلاحی کام اور خیر سگالی کے پیغام کے لئے سدِّ راہ ہے، اس مسئلہ پر اب ٹھنڈے دل سے اور دور اندیشی کے ساتھ غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے اور حالات کا حقیقت پسندانہ، دانشمندانہ اور جرءت مندانہ طریقہ پر جائزہ لینا ضروری ہے، شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی سبیل نکالے۔

کتاب "المرتضیٰ" کی تالیف اور لکھنؤ میں اس کی رسم اجراء کا جلسہ

تاریخ کی مظلوم شخصیتوں میں سے جن کے حقوق نہ صرف یہ کہ ادا نہیں ہوئے،

www.abulhasanalinadwi.org

بلکہ ان کے حق میں شدید بے انصافی روا رکھی گئی، سیدنا علی بن ابی طالبؓ کی بلند و محبوب شخصیت بھی ہے، مخصوص حالات، خاص قسم کے عقائد اور چند نفسیاتی اسباب کی بنا پر ان کی سیرت پر بہت گہرے اور دبیز پردے پڑ گئے ہیں، اربابِ بحث وتحقیق تو الگ رہے خود وہ لوگ جو اُن کی عظمت کے گُن گاتے ہیں، اور ان کے نام پر اپنے عقائد کی عمارت تعمیر کئے ہوئے ہیں، انھوں نے بھی اکثر اوقات ان کی سیرت کا مطالعہ معروضی وتحقیقی انداز میں نہیں کیا، اور اس کو پورے ماحول اور ان کے عہد کے تقاضوں اور دشواریوں کو سامنے رکھ کر امانت اور غیر جانب داری کے ساتھ پیش نہیں کیا۔ وہ معاشرہ جس میں وہ پیدا ہوئے اور پروان چڑھے اس کا تجزیہ نہیں کیا گیا، ضرورت تھی کہ دیکھا جاتا کہ وہ کیا اصول تھے، جن کے وہ سختی سے پابند رہے، وہ کیا اقدار تھے جن کو وہ تا زندگی حرزِ جان بنائے رہے، جو مشکلات سامنے آئیں اُن کا کس اصول پسندی اور دینی واخلاقی معیار بلند سے مقابلہ کیا، اور ان سے عہدہ برآ ہوئے، انتظامی وسیاسی امور میں اُن کا بنیادی فکر کیا تھا، جس میں وہ کسی لچک یا سمجھوتہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے، یہ وہ پہلو ہیں جن کو پیش نظر رکھے، اور اُن کا تجزیہ کئے بغیر اُن کی سیرت کا مطالعہ ناقص اور غلط فہمیوں اور کوتاہ اندیشیوں بلکہ ناانصافی کا موجب ہوگا۔

اِدھر کچھ دنوں سے اسلامیات کے کتابی ذخیرہ میں راقم کو ایک شدید کمی کا احساس ہونے لگا تھا، اور یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوتی تھی کہ سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی مکمل سوانح حیات جو (بقدر امکان) اُن کے اہم اور مرکزی خصائص وکمالات پر روشنی ڈالتی ہو، موجود نہیں ہے، ضرورت ایسی کتاب کی

www.abulhasanalinadwi.org

باقی ہے، جس میں وسیع پیمانہ پر مختلف گوشوں کا انصاف کے ساتھ جائزہ لیا گیا ہو اور لگے بندھے حدود سے نکل کر جدید تحقیقی اسلوب سے قلم اٹھایا گیا ہو، صرف انھیں مواد و معلومات پر انحصار نہ رکھا گیا ہو، جو سوانح نگاروں نے اپنی کتابوں میں فراہم کر دیئے ہیں، مصنف کی ہمّت بلند اور نگاہ وسیع ہو، ایک ایسی اولوالعزم، نادرۂ روزگار عبقری شخصیت پر قلم اٹھانا آسان نہیں جس کی اصلی شخصیت افراط و تفریط اور اختلافات کے پردوں کے پیچھے پوشیدہ ہو اور جس کو ہر فریق نے اپنی خاص عینک سے اپنے افکار و نظریات اور روایت یا عقائد کے آئینہ میں دیکھا ہو، یہاں تک کہ پوری زندگی چند متضاد خیالات و تصوّرات کا مجموعہ بن گئی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نام تو ایک ہے مگر شخصیتیں متعدد بلکہ متضاد ہیں، اور اصل شخصیت اور اس کی عبقریّت اب بھی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔

راقم نے اس سخت آزمائش کے علمی سفر میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اپنی سعادت سمجھ کر اور اس کے اجر کی امید میں قدم رکھا، اور اس مہم کو سر کرنے کا ارادہ کر لیا، اور جب ارادہ کر لیا تو دل و دماغ پر یہی فکر چھا گئی، بلکہ اعصاب پر اس طرح مسلّط ہوئی کہ کچھ اور لکھنے یا کسی اور موضوع پر سوچنے کا یارا نہ رہا، اس کی تالیف میں عربی زبان کو ترجیح دی گئی، اور یہ کتاب اصلاً عربی میں مکمل ہوئی، راقم نے پہلے تاریخی مآخذ و مراجع کی چھان بین شروع کی، کار آمد اقتباسات جمع کئے اور جب اس مہم سے فارغ ہوا تو ۱۱ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ (یکم مارچ ۱۹۸۸ء) سے املا کرانا شروع کر دیا، اور ۱۴ شوال ۱۴۰۸ھ (۳۱ مئی ۱۹۸۸ء) کو کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔

www.abulhasanalinadwi.org

بہر حال ان خصوصیات کی بنا پر یہ کتاب عہد اسلامی کے طویل زمانوں اور وسیع گوشوں کے جائزہ پر مشتمل ایک تاریخی دستاویز اور نسل انسانی کے ایک عظیم فرد اور تربیت گاہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک منتخب ترین تربیت یافتہ کی سیرت کو پیش کرنے کی ایک عاجزانہ لیکن مخلصانہ کوشش ہے۔

کتاب کی اہم خصوصیات میں سے یہ ہے کہ خلفائے راشدین کی ترتیب زمانی میں اللہ تعالےٰ کے حکیمانہ فیصلہ اور ان عظیم دینی وملّی مصالح پر روشنی ڈالی گئی ہے، جو اس میں مضمر تھے، اور یہ کہ ان میں سے ہر ایک نے صحیح موقعہ ومحل اور اُمّت کی ضرورت کے مطابق عہدۂ خلافت کو سنبھالا اور اس مرحلۂ زمانی کی مطلوب وموزوں شخصیت وہی تھی، پھر ان اسرار کی بھی نشاندہی کی گئی کہ اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت اور کوششوں کو ہمیشہ کے لئے اس خاندانی اور نسلی حکومت کی راہ ہموار کرنے کی تہمت سے بچایا ہے، جو ماضی میں اکثر دعوتوں، اصلاحی تحریکوں اور حکمراں خاندانوں کا طرّۂ امتیاز رہا ہے، اور جو ماضی میں تاریخ کے باشعور اور جری اہلِ فکر اور نقّادوں کی تنقید کا نشانہ بنا ہے، اس کے بعد وہ قطعی وبدیہی دلائل پیش کئے گئے ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا علی کرّم اللہ وجہہ نے کس درجہ خلفائے ثلاثہ کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے مصالح ومفاد کی خاطر بے نظیر اخلاص وتعاون کا ثبوت دیا، اس کے لئے ریاضی کی طرح دو اور دو چار والے قطعی نتائج پیش کئے، جن میں شک وشبہ اور بحث ومباحثہ کی کوئی گنجائش نہیں، ان کے بعد ان کی نسل سے اٹھنے والے امت کے نادرۂ روزگار بزرگوں کی کوششوں کا تذکرہ کیا کہ انھوں نے مسلمانوں کی قیادت اور مختلف ممالک میں اسلام کے

www.abulhasanalinadwi.org

نشر واشاعت، معاشرہ کی دینی واخلاقی تربیت، تزکیۂ نفوس اور دعوت الی اللہ کے کیسے کیسے کارنامے انجام دیئے اور مختلف ممالک میں مختلف موقعوں پر جہاد و آزادی کی تحریکوں کی بہادرانہ قیادت کا شاندار کردار ادا کیا۔

یہ وہ خاص مباحث اور پہلو ہیں، جن میں یہ کتاب ایک امتیاز رکھتی ہے، اس میں تاریخی دستاویزوں (وثائق تاریخیہ) پر اعتماد کیا گیا ہے، اور خلافت اور مختلف مواقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سیاسی موقف اور اقدامات کی نشاندہی کی گئی ہے، اور یہ کہ ان کی تربیت و مقام کے اعتبار سے بھی اُن کے لئے مناسب اور ضروری تھا، اور اسی طرح ان کے صاحبزادگان عالی تبار حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے بارے میں مخالفین کے اعتراضات و تنقیدات کا جواب دیا گیا ہے، انھوں نے اپنے اپنے وقت پر صلح و جنگ کے بارے میں جو فیصلے کئے ان کو حق بجانب ثابت کیا گیا، اور واقعۂ کربلا اور اس کے اسباب پر مؤرخانہ روشنی ڈالی گئی، اور یزید کے بارے میں مستند ائمہ اسلام اور بلند پایہ علمائے کرام کے آراء و تأثرات بیان کئے گئے ہیں۔

عزیزگرامی ڈاکٹر مولوی عبداللہ عباس ندوی (سابق استاد جامعۃ ام القریٰ مکہ مکرمہ وحال معتمد تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے مصنف کی درخواست پر کتاب کو عربی سے اردو میں خوش اسلوبی سے منتقل کیا، اور مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماءؒ نے بہت ہی کم مدت میں اور اعلیٰ طباعت کے ساتھ چھاپا، کتاب بڑے سائز میں ۴۷۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

مسلم انٹلکچول فورم کے جنرل سکریٹری عزیزی ڈاکٹر محمد یونس نگرامی[1] نے کتاب کی

---

[1] فرزند صدیق فاضل مرحوم مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی سابق استاد تفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء و ریڈر لکھنؤ یونیورسٹی و چیئرمین اردو اکیڈمی۔ اترپردیش۔

www.abulhasanalinadwi.org

رسم اجراء کے لئے ایک جلسہ منعقد کرنے اور علمی و معروضی انداز میں کتاب کے مشتملات پر روشنی ڈالنے اور اس کی اہمیت کو واضح کرنے کی غرض سے کتاب کی رسم اجرا منعقد کرنے کی راقم سے اجازت مانگی، پہلی مرتبہ راقم نے اپنی عادت کے برخلاف اس درخواست کو صرف اس امید پر قبول کرلیا کہ شاید یہ بامقصد و باوقار تقریب سنجیدہ و باذوق قارئین اور شیعہ سنی دونوں فرقوں کے انصاف پسند حضرات میں سے ایک بڑی تعداد کی توجہ کو بلند سطح سے اور سنجیدہ انداز پر کتاب کی طرف مبذول کرنے میں مفید و موثر ثابت ہو۔

یہ اجتماع ۶ رنومبر ۱۹۸۸ء کو گنگا پرشاد میموریل ہال لکھنؤ میں مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی امیر شریعت بہار و اڑیسہ، وجنرل سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت میں منعقد کیا گیا، صدر محترم نے کتاب کا غلاف کھولا، اور حاضرین جلسہ کے سامنے مؤلف کو کتاب پیش کی، جیسا کہ رسم اجرا کی تقریبوں میں معمول ہے۔

اس تقریب میں علماء کرام، مؤلفین و محققین، یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور ملک کے مختلف اسلامی مراکز و اداروں کے متعدد باوقار نمائندوں نے شرکت کی، ہال اپنی وسعت کے باوجود ایسا بھر چکا تھا کہ عرصہ سے دیکھنے میں نہیں آیا تھا، اس اجتماع کو مندرجہ ذیل حضرات نے مخاطب کیا۔

عزت مآب جناب ضیاء الرحمن صاحب انصاری، وزیر مرکزی حکومت ہند۔

مؤرخ کبیر پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی سابق صدر شعبۂ تاریخ، و وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

پروفیسر ضیاء الحسن صاحب فاروقی صدر ذاکر حسین انسٹیٹیوٹ جامعہ ملیہ دہلی

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا ضیاء الدین اصلاحی، ناظم دار المصنفین اعظم گڑھ۔
جناب خواجہ احمد صاحب فاروقی سابق پروفیسر صدر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی دہلی

بعض حلقوں میں کتاب کا استقبال اور ردِّ عمل مصنّف کی توقع اور کتاب کی قدر و قیمت کے خلاف ہوا، مؤلف کتاب کو ایسے خطوط اور تنقیدی تبصرے بھی ملے جن میں سخت و تیز و تند لہجہ استعمال کیا گیا، اور چبھتی ہوئی طنزیہ زبان میں کتاب اور مؤلف کتاب کو نشانۂ تنقید و تضحیک بنایا گیا، رسائل کے تبصرے بھی عام طور پر پھیکے اور خانہ پُری کا نمونہ تھے[1]، اس موقع پر مصنّف کو عرب فضلاء و ادباء اور تبصرہ نگاروں کی وسیع النظری اور وسیع القلبی کی یاد تازہ ہوئی جس کا تجربہ اس کو اپنی تصنیفات و تحریرات کے سلسلہ میں بار بار ہوا۔

عام انسانی کوششوں اور علمی و تصنیفی کاموں کی طرح کتاب کا نقش اول بھی خامیوں اور کوتاہیوں سے یکسر خالی نہ تھا، بعض مسامحات کی طرف بعض اہلِ علم نے توجہ دلائی، اور مصنّف نے اس سے فائدہ اٹھایا، کتاب کا دوسرا اور تیسرا ایڈیشن اس کے آئینہ دار ہیں، بعض نئے معلومات اور مواد کا بھی اضافہ کیا گیا جس سے کتاب زیادہ متوازن اور مفید بن گئی۔

حجاز مقدّس کا دورہ

راقم سطور کو رابطۂ عالم اسلامی کی سالانہ مجلس تاسیسی کے اجلاس میں

---

[1] اس کلیہ میں "البلاغ" کراچی کا وہ منصفانہ، حقیقت پسندانہ، اور فراخ دلانہ تبصرہ ایک ممتاز و مستثنیٰ حیثیت رکھتا ہے، جو فاضل گرامی جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی کے قلم سے نکلا، اور رسالہ "البلاغ" رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ کے شمارہ میں شائع ہوا۔

www.abulhasanalinadwi.org

جو ۳ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ (۱۲ نومبر ۱۹۸۸ء) سے شروع ہو رہا تھا، رابطہ کے محترم سکریٹری جنرل کی طرف سے شرکت کا دعوت نامہ ملا، اس اجلاس کی اہمیت کے پیش نظر غیر معتدل صحت، علمی و تصنیفی مشغولیات اور دیگر پریشانیوں کے باوجود سفر کا ارادہ کر لیا گیا اور تار کے ذریعہ اس کی منظوری کی اطلاع دے دی گئی، اس سفر میں عزیز القدر مولوی سید محمد رابع حسنی ندوی کی رفاقت رہی جن کی معیت کو اس طرح کے اسفار میں عموماً ترجیح دیتا ہوں، اس لئے کہ ان سے بڑی مدد اور مناسب مشورہ ملتا ہے، یہ یقین تھا کہ مجلس کی پہلی نشست میں بلکہ شروع سے اخیر تک اس میں ہماری شرکت رہے گی، لیکن فضائی بحران کی وجہ سے جو ان دنوں چل رہی تھی، وہ جہاز لیٹ ہو گیا جس پر ہمیں لکھنؤ سے دہلی جانا تھا، پھر دہلی سے سعودی جہاز پر جدہ پہونچنا تھا، یہ جہاز ۶ گھنٹے بلکہ اس سے بھی زیادہ لیٹ ہو گیا، جس کی وجہ سے ہمارے سفر کا پروگرام درہم برہم ہو گیا، اور ہم نے یکشنبہ مورخہ ۴ ربیع الثانی (۱۳ نومبر) کو مجبوراً سعودی جہاز سے سفر کیا، جدہ میں ہم نے اپنے قدیم اور مستقل میزبان الحاج محمد نور (عبدالغنی نور ولی کمپنی کے مالک) کے دولت کدہ پر رات گذاری اور دوشنبہ ۵ ربیع الثانی (۱۴ نومبر) کی صبح احرام باندھ کر عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، ادائے مناسک کے بعد دو دن کی تاخیر سے ہم مجلس تاسیسی کے جلسہ میں شریک ہوئے، توقع یہ تھی کہ یہ مجلس پورے ایک ہفتہ جاری رہے گی، لیکن اچانک یہ اطلاع ملی کہ قبل از وقت ہی اختتام پذیر ہو جائے گی، مجلس کے چوتھے دن چہار شنبہ ۶ ربیع الثانی (۱۵ نومبر) کو رابطہ کے جنرل سکریٹری نے اراکین کی طرف سے نمائندگی کا خطاب میرے ذمہ کیا،

www.abulhasanalinadwi.org

جسے میں نے شکر و اعزاز کے احساس و اظہار کے ساتھ انجام دیا۔

اسلامیات کے مشہور مقالہ نگار استاد احمد محمد جمال صاحب نے جو ۱۳۹۳ھ (۱۹۷۳ء) میں افغانستان، ایران، شام، اردن، عراق کے مختلف ممالک کا دورہ کرنے والے وفد رابطہ میں راقم کے شریک سفر تھے، میرے اعزاز و تکریم میں اپنے دولت خانہ کے لان پر عشاء کے وقت ایک ملاقات کا اہتمام کیا، جس میں قدیم و محترم دوست استاد محسن احمد باروم، عراقی مجاہد و زعیم و رکن رابطہ شیخ محمد محمود الصوّاف، و ڈاکٹر صالح اوزجان ترکی (رکن مجلس تاسیسی) استاد محمد محمود الحافظ اور ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی وغیرہم نے شرکت کی، یہ ایک علمی مؤقر اور دوستانہ نشست تھی۔

اس کے بعد راقم نے ۷، ۸، ۹ ربیع الآخر (۱۶، ۱۷، ۱۸ نومبر) تین ۳ دن مکہ معظمہ میں گذارے، ان دنوں میں اللہ تعالیٰ نے حرم شریف میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کی سعادت سے سرفراز فرمایا، انھیں دنوں میں ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے راقم کے اعزاز میں اپنے گھر میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا، جس میں ادباء و علماء کی ایک ممتاز جماعت نے شرکت کی، خاص طور پر ان حضرات نے شرکت کی جن سے ۴۹-۵۰ء کے طویل قیام مکہ کے زمانہ میں تعلقات و روابط پیدا ہوئے تھے، یہاں پہونچتے ہی سب سے پہلے عالم کبیر شیخ عبدالرحمن حبنّکہ نے ہمارا استقبال کیا، اور ایک دن اپنی ملاقات و زیارت سے نوازا، اور اپنی جدید ترین تصانیف بھی پیش کیں، جس سے ان کے والد بزرگوار برکۃ الشام شیخ حسن حبنّکہ کی یاد تازہ ہو گئی۔

www.abulhasanalinadwi.org

۸ ارنومبر ۱۹۸۸ء کی صبح اچانک ہمیں ٹیلیفون سے عزیز فاضل وگرامی مولانا ابوالعرفان خاں صاحب ندوی مرحوم کے حادثۂ انتقال کی خبر ملی، مولانا ندوۃ العلماء کے بڑے ہی لائق استاد اور دارالعلوم کے کلیۃ الشریعۃ کے وکیل (پرنسپل) تھے، یہ المناک خبر ہوش رُبا ثابت ہوئی، اس لئے کہ حادثہ سے ایک دن پہلے ہی ندوۃ العلماء سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم ہوا تھا جس سے ان کی صحت میں بہتری کی خبر ملی تھی، مولانا ندوی ثقافت کے اس دور میں ممتاز نمائندہ تھے، اور تاریخ وادب، عقیدۂ وعلم کلام اور طبقات رجال میں وسیع درک وبصیرت رکھتے تھے، اعتدال وتوازن حقیقت پسندی، اور حالات زمانہ سے باخبری ان کا وصف خاص تھا، مولانا یونیورسٹیوں وعلمی مراکز میں ہونے والے مختلف مجالس (SEMINARS) میں ندوہ کی نمائندگی کے لئے خاص طور پر منتخب کئے جاتے تھے، اور شرکائے اجلاس پر اچھا اثر چھوڑتے تھے، وہ ایک وسیع ومتنوّع معلومات کے حامل اور صاحبِ بصیرت، عالمِ دین کی تصویر پیش کرتے تھے، اللہ تعالےٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کا نعم البدل تو دور کی بات ہے، موجودہ علمی ودرسی انحطاط کے دور میں اُن کا بدل بھی ملنا دشوار نظر آتا ہے۔

۱۰ ارربیع الثانی (۱۹ ارنومبر) کو ہم مدینہ طیبہ روانہ ہوئے اور وہاں اپنے قدیم مستقر بُستان نوروَلی میں ایک ہفتہ قیام کیا، اس دوران ہمیں مسجد نبوی میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، اس مختصر اقامت کے دوران ۱۵، ۱۶ ارربیع الثانی (۲۴، ۲۵ ارنومبر) کو فاضل گرامی ڈاکٹر عبدالباسط بدر استاد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے مکان پر رابطۂ ادب اسلامی کی مجلس اُمناء (TRUSTEES) کی ایک نشست منعقد کی گئی، میزبان ڈاکٹر عبدالباسط بدر کے

علاوہ جناب محمد حسن بُرلغیش، ڈاکٹر عبدالقدوس ابو صالح، ڈاکٹر محمود ابراہیم استاد جامعہ اُردنیہ عمان، ڈاکٹر حسن الامرانی (مغرب اقصیٰ) ڈاکٹر عباس ندوی، اور ہندستان کے ارکان میں سے مولوی محمد رابع حسنی ندوی، مولوی سعید الاعظمی ندوی، مولوی سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نے شرکت کی، جمعرات و جمعہ کو یہ مجلس گھنٹوں چلتی رہی، رابطہ کے مقاصد اور اس کے پیام کو عام اور وسیع کرنے کے لئے مختلف قراردادیں پاس کی گئیں۔

مدینہ طیّبہ میں ہماری سرگرمی و نقل و حرکت صرف مسجد نبویؐ اور شارع ابی ذر میں واقع بستان نورہی تک محدود رہی، جس سے ہمارے اکثر دوستوں اور بہی خواہوں کو ہمارے مدینہ طیبہ میں موجودگی کا علم بھی نہ ہوسکا، اس لئے کہ ہماری یہ حاضری نہ تو جامعہ اسلامیہ کی مجلس اعلیٰ کے جلسوں کے لئے تھی، اور نہ کسی دوسرے علمی و ادبی کام کے لئے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں آنے اور قیام کرنے کی خبر ایک ہفتہ تک کسی کو نہ ہوسکی، اس کلّیہ سے صرف عزّت مآب شیخ صالح الحُصیّن، اور شیخ محمود الحافظ اور شام کے بعض علماء مستثنیٰ تھے، جنھیں ہماری آمد کی خبر کسی طرح ہوگئی، لہٰذا ان حضرات نے ملاقات و زیارت کے شرف سے نوازا۔

سنیچر ۱۷ ربیع الثانی (۲۶ نومبر) کو جدّہ روانہ ہوگئے اور برادر مکرم اشفاق حسین سابق انجینیر ٹیلیفون کے دولت کدہ پر دوپہر کا کھانا کھایا اور تھوڑی دیر آرام کیا، وہ ہمارے ساتھ جدّہ سے مدینہ آئے تھے، پھر مدینہ سے جدّہ تک ساتھ رہے، انہی کی گاڑی پر یہ سفر طے ہوا تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

مغرب کے بعد شیخ عبد اللہ علی بصفر کی منعقد کردہ ایک نشست میں میرا ایک مختصر خطاب ہوا، (موصوف ہی کی کوشش سے گزشتہ سفر میں میرا ایک سیر حاصل بیان جامع منصور شعبی میں ہوا تھا جس کا تذکرہ پیچھے گذر چکا ہے) اس خطاب میں (تنگی وقت اور تھکاوٹ کی وجہ سے) محض سورۂ عصر کی مختصر تفسیر و توضیح سے کام لیا گیا، خسرانِ مبین اور سعادت و فلاح کے جو شرائط اس سورہ میں آئے ہیں ان پر روشنی ڈالی گئی۔

بروز یکشنبہ ۱۸ ربیع الثانی (۲۷ نومبر) کو عزیزیہ کی مسجد الجوہرۃ میں میرا ایک سیر حاصل و طویل بیان اردو میں ہوا، مخاطب ہندوستانی و پاکستانی بھائی تھے، یہ لمبی چوڑی مسجد سامعین سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، ڈائس کی طرف بڑھ رہا تھا کہ ایک صاحب نے ایک پرچی دی جس میں ویڈیو اور ٹیلی ویژن کے مضر اثرات کی طرف اشارہ کرنے کی درخواست تھی، جو آج خطرناک حد تک عام ہے، شریف گھرانوں میں طرح طرح کے حوادث اور نوجوانوں میں اس کے بُرے اثرات کسی پر مخفی نہیں، میرے بیان کا لُبِّ لباب کلام اللہ کی اس آیت کی تشریح تھا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا	مومنو! اسلام میں پورے پورے
فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا	داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے
خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ	نہ چلو وہ تو تمہارا صریح دشمن
عَدُوٌّ مُبِينٌ ○ (سورۂ بقرہ-۲۰۸)	ہے۔

یہ آیتِ کریمہ پڑھنے کے بعد راقم نے کہا کہ لہو و لعب اور تمتّع و تفریح کے

www.abulhasanalinadwi.org

سازوسامان کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جن کا تعلق کھیل مقابلوں اور مظاہروں سے حد سے بڑھی ہوئی دلچسپی اور محویت وانہماک سے ہے[1]، دوسری قسم لطف وتفریح کی گفتگو ہے جس میں پڑ کر لوگ فرائض وواجبات اور ذکر اللہ سے غافل ہوجاتے ہیں، اس میں کہانی قصے اور فحش روایات آتے ہیں، یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں لہو ولعب، کہانی قصے دونوں کو یکجا کردیا ہے اور اس کو "لہو الحدیث" سے تعبیر فرمایا ہے، قرآن کا ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ یہ آیت آج کے جدید ترین اسالیب وآلاتِ تسلّی وتفریح پر بھی منطبق ہوتی ہے، خصوصاً ویڈیو وٹیلی ویژن پر تو پوری طرح منطبق ہوتی ہے، اس لئے کہ یہ بیک وقت لہو بھی ہے، اور حدیث بھی، تطبیق کی تکمیل آیت کریمہ کے اگلے نقطے سے مزید ہوجاتی ہے کہ فرمایا:-

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ	اور کوئی انسان ایسا بھی ہے جو
لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ	اللہ سے غافل کرنے والی باتیں
سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ	خریدتا ہے تاکہ اللہ کی راہ سے
وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ	بے سمجھے بوجھے (دوسروں کو)
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ	گمراہ کرے، اور اس راہ کی ہنسی

[1] افسوس ہے کہ کرکیٹ اور فٹ بال کے میچوں اور ٹورنامنٹ سے سعودی عرب اور خلیج کی ریاستوں کی دلچسپی بڑھتی جارہی ہے اور ان پر گرانقدر وہوش رُبا رقمیں صرف ہوتی ہیں تماشہ دیکھنے والوں کا ہجوم ناقابل قیاس ہے، وقت اور مال کا یہ زیان ہر طرح افسوسناک ہے، معلوم نہیں کتنے آدمیوں کی نمازیں قضا ہوتی ہوں گی، ان ممالک کے علماء اور ذمہ داروں کے سوچنے اور توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

مُّهِيْنٌ ○ اُڑائے ایسے ہی لوگوں کے لئے

(سورۂ لقمان — ۶) ذلت کا عذاب ہے۔

اب دیکھئے کہ اس کے حصول کے لئے رقم خرچ کرتے اور بازار سے خریدنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

بعد میں پتہ چلا کہ یہ بیان توجہ اور دلچسپی سے سنا گیا، اور لوگوں نے اس کا اچھا اثر لیا، اور جگہ جگہ اس کا تذکرہ رہا۔

اس کے بعد ہم نے تھوڑا سا وقت اپنے قدیم کرم فرما و شریف دوست ڈاکٹر سید اشرف الدین صاحب کے ساتھ ان کے گھر میں گزارا، جہاں احباب کا ایک چیدہ و سنجیدہ مجمع تھا، یہاں مختلف دینی اور اخلاقی و معاشرتی موضوع رہے۔

عرب امارات (ریاستہائے خلیج) کا سفر

مُتّحدہ عرب امارات کے مُحِبّین، مُخلصین، و معزز دوستوں کی طرف سے پیہم مُخلصانہ اور بڑے اصرار کی دعوتیں ملتی رہیں، خاص طور پر ابوظبی سے، ان کرم فرماؤں اور داعیوں میں شیخ احمد خلیفہ السویدی پیش پیش تھے، جو صدر مملکت شیخ زائد آل نہیان کے شخصی نمائندہ ہیں، شیخ سویدی، ڈاکٹر تقی الدین ندوی استاد جامعۃ العین کے توسّل سے ہمارے بعض دعوتی رسائل اور تصانیف سے واقف اور قدرداں تھے، وہ کئی مرتبہ ڈاکٹر تقی الدین ندوی کی معرفت دعوت نامے بھیج چکے تھے، اور ہم بعض ذمہ داریوں اور مسلسل مشغولیت کی بنا پر عرب امارات کا اور خاص طور پر ابوظبی کا سفر نہیں کر سکے تھے، لیکن اخیر میں اس مرتبہ اُن کی

www.abulhasanalinadwi.org

دعوت قبول کی، اس کے ساتھ وہاں کے سفر کا ایک جذباتی سبب یہ ہوا کہ شیخ احمد عبدالعزیز المبارک قاضی القضاۃ ابوظبی سے ان کے فرزند کی تعزیت کرنی تھی، جو کچھ عرصہ پہلے پیرس میں شہید کردیئے گئے تھے، موصوف سے ہمارے دینی و برادرانہ و دوستانہ تعلقات تھے، وہ ۱۹۷۵ء میں ہونے والے ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن تعلیمی میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے، اور ندوۃ العلماء کے کتب خانہ کے سنگ بنیاد رکھنے کے موقع پر ایسی والہانہ و رقت انگیز دعا کی تھی، جو آج تک سب کو یاد ہے، لائق و عزیز فرزند کے حادثۂ قتل کا اثر فطری طور پر گہرا اور شدید تھا۔

اسی طرح عزت مآب شیخ سلطان بن محمد قاسمی امیر شارقہ سے ملنے اور ان کو اپنے عہدہ پر دوبارہ فائز ہونے پر مبارکباد پیش کرنے کا بھی اشتیاق و تقاضا تھا، اُن سے بارہا ملاقاتیں ہو چکی تھیں، شیخ سلطان ہمیشہ محبت و اکرام سے ملتے ہیں، جب وہ پہلی مرتبہ ایک سرکاری دورہ پر ہندوستان آئے تھے تو صرف مجھ سے ملنے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کو دیکھنے لکھنؤ تشریف لائے، اس کے علاوہ عالم ربانی، پیکر خلوص و اخلاص فضیلۃ الشیخ عبداللہ علی المحمود رحمۃ اللہ علیہ کے گھرانہ سے ملاقات و زیارت کا بھی شوق تھا، خاص طور پر ڈاکٹر سالم عبداللہ علی المحمود سے، ان کے نام پر کھولے جاتے والی لائبریری کے افتتاح کے موقعہ پر بھی ہم شریک ہوئے تھے، جس کا تذکرہ پیچھے آچکا ہے، اسی طرح شارقہ کے باوجاہت اور غیور مسلمان تاجر شیخ سیف غُریر سے بھی ملنا تھا، جو ہندوستان میں ہم سے ٹیلیفون پر گفتگو کر چکے تھے، شیخ غُریر ندوۃ العلماء کے بڑے قدرداں اور خیر خواہ ہیں اور اس کے مسائل سے بڑی دلچسپی لیتے ہیں، ان کے علاوہ بھی عرب امارات کے دیگر

بہت سے دوستوں اور بھائیوں سے ملنا تھا، خاص طور پر شیخ صالح المحوتی قاضی "زبید" سے۔

دوشنبہ ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ (۲۸ نومبر ۱۹۸۸ء) کو دوپہر کے وقت ہم جدّہ سے ابوظبی کے لئے روانہ ہوئے، اور مغرب کے وقت وہاں پہونچ گئے، مطار پر ہمارے استقبال کے لئے والا مرتبت شیخ احمد خلیفہ السویدی، ڈاکٹر تقی الدین ندوی، شہر کے متعدد اعیان اور حکومت کے اعلیٰ عہدیداران موجود تھے، ہوائی اڈہ سے شراتون ہوٹل پہونچے، جہاں اگلے دن اسی ہوٹل میں وزارۃ الشؤون الاسلامیۃ کے وکیل اور سلطنت کے اعلیٰ اشخاص سے ملاقاتیں ہوئیں، مدیر دیوان مملکت اور شیخ فیصل بن سلطان قاسمی بھی آکر ملے، اسی دوران ابوظبی کے دوست و بہی خواہ حضرات مثلاً ڈاکٹر محمود قبیسہ ندوی اور ندوۃ العلماء کے فضلاء اور فارغ التحصیل حضرات بھی آکے بار بار ملتے رہے، جو یہاں ملازم ہیں۔

اگلے دن المجمع الثقافی میں "ترشید الصحوۃ الاسلامیۃ" کے عنوان پر راقم کا محاضرہ تھا، جو حقیقت میں اس سفر کا حاصل اور اصل قیمت ہے، محاضرہ کا اہم حصہ تھوڑے حذف و اضافہ کے ساتھ آگے پیش کیا جائے گا۔

چہارشنبہ ۲۱ ربیع الثانی (۳۰ نومبر) کو شارقہ روانگی ہوئی، وہاں پہونچتے ہی شیخ سلطان قاسمی سے ملاقات رہی، ناشتہ کا وقت تھا، جہاں عالی مرتبت شیخ قاسمی کے ساتھ ایک مخصوص ملاقات اور نشست رہی، پھر ظہر کی نماز ادا کی، اس کے بعد ابوظبی کے فضلاء و علماء، ائمہ و قضاۃ کی ایک چیدہ اور برگزیدہ جماعت

www.abulhasanalinadwi.org

کے ساتھ دوپہر کا کھانا تناول کیا، پھر وہاں سے ڈاکٹر سالم عبد اللہ علی المحمود کے گھر پہونچے، شارقہ و دبئی کی مدّت قیام میں انھیں کے یہاں قیام رہا۔

اسی دن کُلیّۃ الدراسات الاسلامیہ دبئی میں بھی راقم کا محاضرہ ہوا، اس محاضرہ میں سورۂ کہف کی اس آیت کریمہ کی تفسیر کو شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا گیا۔

اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ	وہ کئی جوان تھے جو اپنے پروردگار
وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ○ وَّرَبَطْنَا	پر ایمان لائے تھے، اور ہم نے ان کو
عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا	اور زیادہ ہدایت دی تھی اور اُن کے
رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	دلوں کو مربوط (یعنی مضبوط) کردیا
لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ	جب وہ (اٹھ) کھڑے ہوئے تو کہنے
اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ○	لگے کہ ہمارا پروردگار آسمانوں اور
(سورۃ الکہف ۱۳-۱۴)	زمین کا مالک ہے ہم اس کے سوا کسی کو
	معبود (سمجھ کر) نہ پکاریں گے (اگر
	(ایسا کیا) تو اس وقت ہم نے بعید از
	عقل بات کہی۔

جس سے تعلیم یافتہ ذہین و حوصلہ مند نوجوان اور شریف متموّل اور سرکاری گھرانے کے پروردہ "صاحبزادگان" سبق حاصل کر سکتے ہیں، اور جس میں ان نوجوانوں کو بیدار و متنبّہ کرنے کا مواد موجود ہے، جن کے سامنے بڑے بڑے پلان اور امیدیں ہیں، اور عیش و تنعّم کے ساز و سامان و ریاست و عزت کے وسائل کے حصول کے اچھے مواقع فراہم ہیں، ان میں ان مومن جوانوں، ان کی بلند ہمتی، بلند نگاہی عزم و حزم،

www.abulhasanalinadwi.org

غلط عقیدہ پر صحیح عقیدہ کو اور دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے اور عزّت وجاہ عیش وعشرت کی زندگی کے مواقع سے بے رُخی وبے رغبتی میں ان کے نقش قدم پر چلنے کی دعوت ہے' اس جلسہ کی صدارت اور محاضرہ کے تعارف کا فریضہ ایک فلسطینی عالم، اسلامی مصنّف اور کُلّیہ کے مدیر شیخ محمود الدّریک نے انجام دیا۔

دُبئی کے بینک اسلامی کے مدیر شیخ سعید لوتاہ نے بھی ہمارے قیام گاہ پر تشریف لاکر ملاقات کی، شیخ لوتاہ بڑے قابل قدر فاضل اسلامی عزّت وحمیّت کے حامل اور اقتصاد اسلامی اور نوجوانوں میں اسلامی تعلیم کے میدان کے بڑے فعّال' محنتی وبے ریا کارکن ہیں، شہرت وجاہ طلبی سے دور رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی تقویت ونصرت فرمائے اور ان کی کوششوں میں برکت عطا فرمائے۔

اگلے دن شیخ سیف الغُریر کے یہاں دوپہر کا کھانا تناول کیا، شیخ غُریر کا شمار دُبئی کے بڑے تجّار و وُجہاء میں سے ہوتا ہے' ان کو ندوۃ العلماء اور ندوی حضرات سے بہت ہی خصوصی تعلق ہے، اور ان کے لئے بڑا اہتمام کرتے ہیں' کھانے میں علماء اعیان اور دوستوں کی ایک اچھی تعداد شریک تھی، جو دبئی کی اچھی نمائندگی کر رہی تھی۔

اسی دن مغرب کے بعد شارقہ کے قاعۃ المحاضرات میں راقم کا محاضرہ تھا، جس میں راقم نے اس تہذیب وتمدن کے بارہ میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا، جو ترقی کے بام عروج پر پہونچ جاتا ہے' اور اقوام وملل' مذاہب وادیان کی زندگی کے حدود کو پار کر جاتا ہے، متحدہ عرب امارات' وسعودی عرب کی چمک دمک اور ٹیپ ٹاپ کے مشاہدہ سے راقم پر اندیشہ وفکر کا عالم طاری تھا، انھیں جذبات

www.abulhasanalinadwi.org

کے دباؤ سے راقم نے رومی و ایرانی تہذیبوں کے مقابلہ میں جو اپنے زمانہ میں نفاست و نزاکت، وسعت و ترقی، اور مصنوعی زندگی کا نمونہ پیش کرنے میں بام عروج کو پہونچ چکی تھیں، پہلے کے عرب مسلمانوں کا اپنے اسلامی و عربی تشخّص پر مضبوطی سے قائم رہتے، اس کی حفاظت کرنے اور معیشت میں سادگی، اور تقشّف اور بہادرانہ زندگی کو اپنانے کا تذکرہ کیا، اور ان اصول و مقاصد کے ماتحت اس تمدن کو چلاتے، زمانہ کا ساتھ دینے اور ملک کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے موجودہ تہذیب کو اسلامی شخصیت کے تابع بنانے کی ضرورت پر زور دیا، اور محاضرہ کو اس آیتِ کریمہ پر ختم کیا جس سے سیدنا حسن بن علیؓ بن ابی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے اپنی اس تقریر کو ختم کیا تھا، جو حضرت معاویہؓ کی فرمائش پر خلافت سے دست بردار ہونے کے وقت اس غرض سے کی تھی کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جو کچھ ہوا سب سنجیدگی و تیقّن سے ہوا، یہ ایک مختصر خطاب تھا جسے اس آیت پر ختم کیا کہ:-

وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ	اور میں نہیں جانتا شاید وہ
لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝	تمھارے لئے آزمائش ہو اور ایک
(سورۂ انبیاء ـ ۱۱۱)	مدت تک (تم اس سے) فائدہ
	(اٹھاتے رہو)

اس محاضرہ کے بعد ہم اپنی قیام گاہ پر لوٹے، اور دہلی واپسی کی تیاریاں شروع کر دیں، ہندوستانی فلائٹ ۱۱ بجے رات کو تھی، عزّت مآب شیخ سلطان بن محمد القاسمی نے ہم سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کیا، اور ہمیں الوداع کہنے کے لئے مطار پر

www.abulhasanalinadwi.org

آنے کی خبر دی، اُن کو اس زحمت سے باز رہنے کی بہتیری کوشش کی لیکن وہ اپنی شرافت نفس اور اپنے ملک کے مہمان کے اعزاز و تکریم کے خاطر مطار پر تشریف لائے، اللہ تعالیٰ اُن کو اس کی جزائے خیر دے اور اُن کے رتبہ و شوکت میں ترقی دے۔

بھائی محمد عثمان حیدرآبادی انجینیر مطار جدّہ ہوائی اڈہ تک ہمارے ساتھ آئے، وہ اس سے قبل جدّہ سے ہماری مدد و سہولت کے لئے ہمارے ساتھ دیئے آئے تھے، اور یہ ان کا ہمارے سعودیہ کے تمام سفروں میں معمول رہا ہے، ہوائی جہاز کے سفر اور کسی غیر ملک میں قیام کے سارے لوازمات و وسائل کے سلسلہ کے انتظامات میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں، اسی طرح شیخ سیف الغُریر اور اُن کے بھائی مروان الغُریر ہمارے ساتھ تشریف لائے، اور سفر کی ممکن سہولیات و آسانیوں سے ہمیں ہم کنار کیا، یہاں تک کہ ہوائی جہاز میں ہم اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے، مقررہ وقت پر ہوائی جہاز نے پرواز کی، اور ہم اگلے دن ۲ر دسمبر کو جمعہ کے دن ہندوستانی وقت کے مطابق ½ ۳ بجے دہلی پہونچے، اسی دن شام کی فلائٹ سے دہلی سے لکھنؤ پہونچے، یہ فلائٹ ۳ گھنٹے لیٹ تھی، جس کی وجہ سے ہم آدھی رات کو اپنے مُستقر پر پہونچے" والحمد للہ اوّلاً و آخراً۔

قارئین کے سامنے ابوظبی کا محاضرہ پیش ہے جس کا عنوان تھا "ترشید الصحوۃ الإسلامیۃ" (اسلامی بیداری کی لہر پر ایک نظر)۔

"بیداری کی لہر پر ایک نظر" کے عنوان پر ایک اہم محاضرہ

ڈاکٹر تقی الدین ندوی نے راقم سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کیا، اور

www.abulhasanalinadwi.org

ابوظبی میں سہ شنبہ ۲۰ ربیع الثانی (۲۹ نومبر) کی شام کو میرے ہونے والے محاضرہ کا عنوان پوچھا، جس کا اعلان پہلے کیا جا چکا تھا، اللہ تعالیٰ نے دل میں یہ بات ڈال دی کہ یہ محاضرہ "اسلامی بیداری کی لہر" کے عنوان پر ہو، اس موضوع کے انتخاب میں توفیق الٰہی شاملِ حال رہی، جو موقع وضرورت کے عین مطابق تھا، یہ محاضرہ راقم کے اہم محاضرات میں سے ہے جو محض توفیق الٰہی کا ایک مظہر اور وقت کی ایک ضرورت ہے۔

محاضرہ المجمع الثقافی کے بڑے ہال میں تھا، یہ وسیع ہال سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا جس میں عزت مآب احمد خلیفہ السویدی معتمد صدر مملکت شیخ زائد آل نہیان، المجمع الثقافی کی مجلسِ اُمناء کے صدر و ذمہ داروں کی جماعت و اسلامی ثقافت ومسائل سے دل چسپی لینے والوں نے شرکت کی، اور بعد میں ابوظبی کے مؤقر اخبار "الاتحاد" نے اس کا خلاصہ شائع کیا۔

اس محاضرہ میں دو اہم ذیلی عنوانات[1]۔

"نازک امانت" اور "بیداری اسلام کی فطرت ہے" کے بعد اسلامی تحریکات میں حصہ لینے والوں کے لئے حسب ذیل پہلوؤں اور گوشوں کی اہمیت وضرورت واضح کی گئی ہے:۔

۱۔ اسلامی عقائد کے ساتھ کامل ہم آہنگی۔

---

[1] یہ پوری تقریر جو کیسٹ سے نقل کی گئی، عربی میں "ترشید الصحوۃ الإسلامیۃ" اور اردو میں "اسلامی بیداری کی لہر پر ایک نظر" کے عنوان سے شائع ہو گئی ہے۔ "مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ" سے منگوا کر مکمل طور پر پڑھی جا سکتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

۲۔ دینیات کے وسیع مطالعہ کی ضرورت۔
۳۔ زمانہ اور مشکلات و مسائلِ زمانہ کا فہم و ادراک۔
۴۔ زندگی کے حقائق سے چشم پوشی کے نتائج۔
۵۔ اوّلین اسلامی معاشرہ کا امتیاز۔
۶۔ جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت۔
۷۔ غیر ضروری مسائل و مشکلات سے اجتناب کی ضرورت۔
۸۔ جاہ و منصب سے بے نیازی۔
۹۔ جرأت و شجاعت اور قربانی کا جذبہ و شوق۔

اس تقریر کا ایک حصہ جو غور و فکر اور عبرت و سبق آموزی کی دعوت دیتا ہے، نقل کیا جاتا ہے:۔

"جمود کو توڑنے والی تحریکیں خود جمود کا شکار"

"تاریخ کا ایک سبق جو بار بار دہرایا جاتا رہا ہے، اور جس سے عبرت حاصل کرنا ضروری ہے، یہ ہے کہ بہت سی بنیادی اصلاحی تحریکیں جو درحقیقت اس مقصد سے اٹھیں کہ عقل و فکر اور زندگی پر طاری جمود کو توڑ دیں، اسلام کے بہتے ہوئے دریا کی سطح پر جم جانے والی کائی کو دور کریں، اور معاشرہ میں رائج ان رسموں، عادتوں اور رواجوں کی زنجیروں کو توڑ دیں، جن کی نہ کوئی دینی حقیقت ہے، اور نہ معقولیت، جو تحریکیں اس لئے وجود میں آئی تھیں کہ اسلامی معاشرہ کی جامد عقلوں کو

جھنجھوڑ دیں، ان کی خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کر دیں، تاکہ نئی نسل اپنے زمانہ کو اور زمانہ کی مشکلات کو سمجھ سکے، زمانہ کے صحیح اور معقول تقاضوں کی تکمیل کر سکے، زمانہ کا ساتھ دے سکے، اور صرف ساتھ ہی نہیں، بلکہ اپنے زمانہ کی قیادت و رہنمائی کر سکے اور اس بات کا علمی ثبوت پیش کر سکے کہ اسلام ہر زمانہ کے سوالات کا جواب فراہم کر سکتا ہے، مشکلات کو حل کر سکتا ہے، وہ ہر چیلنج کا مقابلہ کرنے کی اور ہر دور میں قیادت کی صلاحیت رکھتا ہے، تاریخ کا یہ بڑا عبرت ناک سبق ہے کہ ایسی اصلاحی تحریکیں ــــ اگر ان کو انقلابی نہ کہا جائے ــــ مرورِ زمانہ کے ساتھ خود اسی جمود کا شکار ہو گئیں جس سے نبرد آزمائی کے لئے وجود میں آئی تھیں، اور خود اپنے ابتدائی طریق کار اور لائحۂ عمل کی زنجیروں میں گرفتار نظر آنے لگیں، جو طریق کار ان تحریکات کی ابتداء میں اس وقت کے تقاضوں کے مطابق وضع کیا گیا تھا، اور جو ایک محدود دائرہ کے اندر اصلاحی تحریک کے تقاضوں کو پورا کرتا تھا، ان تحریکوں اور ان سے متعلق افراد نے ان لکیروں کو مضبوطی سے تھام رکھا ہے جو لکیریں ان تحریکوں کے سربراہوں نے ماضی میں بڑے اخلاص اور بڑے فہم و تدبّر کے ساتھ زمانہ کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے بنائی تھیں :-

یحمل ھذا العلم من کل	اس علم کے ہر نسل میں ایسے عادل
خلف عدولہ ینفون	و متقی حامل و وارث ہوں گے،

www.abulhasanalinadwi.org

عنہ تحریف الغالین	جو اس دین سے غلو پسند لوگوں کی
وانتحال المبطلین وتاویل	تحریف، اہلِ باطل کے غلط انتساب
الجاھلین۔[1]	ودعوے اور جاہلوں کی دور از کار
	تاویلات کو دور کرتے رہیں گے۔

لیکن ان جماعتوں اور تحریکوں نے ان لکیروں کو اس مضبوطی سے تھام رکھا ہے، جیسے کوئی کسی نصّ قطعی اور منصوص حکم پر جما ہے جس میں نہ کسی حذف واضافہ کی گنجائش ہو نہ کسی طرح کی لچک یا توسّع کا امکان، جس کی وجہ سے ان دعوتوں اور تحریکات میں کام کرنے والوں کے ذہنوں پر جمود کا سایہ ہوگیا ہے، اور ان میں کبھی کبھی انتہا پسندی بھی آجاتی ہے کہ وہ اپنے طریق کار سے سرِ مُو تجاوز گوارا نہیں کرتے، اور اس پر اس طرح اصرار کرتے نظر آتے ہیں، جیسے وہ بھی کوئی شریعت کی نصّ قطعی ہو، یا مُنزّل مِن اللہ قرآن کی آیت۔

اس کا سبب اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ تحریک قوّتِ نمو کھو چکی ہے، اس میں اتنی قدرت وصلاحیت باقی نہیں کہ ماحول کا از سرِ نو جائزہ لے، روحِ عصر کو پہچانے، نئے تقاضوں کو سمجھے، زمانہ کی نبض پر انگلیاں رکھے، اس کے مرض کی صحیح تشخیص کرے، اور اصلاح ودعوت کے طریق کار اور زندگی کے حقائق اور تقاضوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرے۔

[1] مشکوٰۃ شریف، کتاب العلم، فصل ثانی، رقم الحدیث: ۲۴۸

www.abulhasanalinadwi.org

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کبھی بھی زمانہ سے پیچھے نہیں رہا، اس نے ہمیشہ انسانی معاشرہ کی قیادت کی ہے، اور اپنی تعلیمات اور زمانہ کے تقاضوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی صلاحیت کا ثبوت دیا ہے، ایسے علماء اور قائدین ہر دور میں موجود رہے ہیں، جن میں فکری بالیدگی تھی، بے مثال ذہانت تھی، وہ دینی اصولوں اور شریعت کے اولین مصادر سے احکام کے استنباط اور اجتہاد کی قدرت و صلاحیت رکھتے تھے، انھوں نے حیرت انگیز صلاحیت اور بے مثال عبقریت (GENIUS) کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر زمانہ اور ہر مقام کے چیلنجوں کا مقابلہ کیا، زمانہ کے مطالبات اور امتِ مسلمہ کی ضرورتوں کی تکمیل کی انھوں نے زندگی کے حقائق سے کبھی آنکھیں بند نہیں کیں، وقت کی طلب اور زمانہ کی آواز پر ہمیشہ کان لگائے رہے، یہی وجہ ہے کہ یہ دین ہمیشہ زندگی سے بھرپور اور مقبول و محبوب رہا، انسانی معاشرہ کی قیادت کرتا رہا، اور اسلام کے دائرہ کے اندر صحیح راہ کی طرف رہنمائی کرتا رہا[۱]۔"

حیدرآباد میں "پیامِ انسانیت" کی کانفرنس

حیدرآباد کا یہ اجتماع، ان اجتماعات، ملاقات و ڈائلاگس کی ایک کڑی تھا جو ہندوستان کے مختلف شہروں میں مختلف پیمانے پر "پیامِ انسانیت"

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مقرر کی کتاب "تاریخ دعوت و عزیمت" جلد اول، اور اس کا مقدمہ۔

www.abulhasanalinadwi.org

کے نام پر منعقد ہوتے رہتے ہیں، حاضرین کی شرکت، حسن انتخاب، اور مختلف مذاہب وادیان کی نمائندگی کی حیثیت سے یہ سب سے کامیاب اجتماع ثابت ہوا۔

یہ ممتاز اجتماع دو جلسوں پر مشتمل تھا۔ ایک خصوصی جلسہ جس میں صرف سیاسی قائدین، ملک کے مفکّرین واہلِ قلم، اہلِ صحافت، ادباء، دانشوران، یونیورسٹیوں اور تعلیم گاہوں کے اساتذہ اور قانون داں حضرات نے شرکت کی، اس کے لئے جنھیں خصوصی طور پر دعوت دی گئی تھی اور جن کا انتخاب مختلف مراکزِ عمل سے ہوا تھا، ان میں ذرائع ابلاغ، امن وسلامتی کے مراکز کے ذمہ داران، سوشل کارکن، اور مسلم دشمن تحریکوں کے قائدین تھے، انھیں ایک ایسے موضوع پر ہونے والی گفتگو سننے کا موقعہ دیا گیا جو ملک کے مفاد میں بلکہ ہندوستانی معاشرہ کے مستقبل کے بقا وتحفظ کے مقصد کے لئے کی گئی، اور وہ بھی ایک ایسے شخص کی زبانی جو سیاست سے کوسوں دور اور کسی پارٹی اور تنظیم کی حمایت ومخالفت سے آزاد ہے، اس اجتماع میں چیدہ وبرگزیدہ لوگوں کا ایک طبقہ جمع ہوا، جن میں وکلاء، پولیس افسران، ذرائع ابلاغ وتعلیم وتربیت کے ذمہ دار اور مختلف فرقوں کی پارٹیوں کے صدر، ومختلف مذاہب وادیان کے رہنما موجود تھے، پہلے جلسہ کی صدارت (جو ایک عام اجتماع تھا) جسٹس راما سوامی (آندھرا پردیش ہائی کورٹ کے جج) نے کی۔

۲۹ دسمبر ۱۹۸۶ء کو "پیامِ انسانیت" کانفرنس کی پہلی نشست

یہ مشترک وعام نشست حیدرآباد کے "سرور" (SAROVAR) ہوٹل کے

کانفرنس ہال میں شام کو ۶ بجے منعقد ہوئی، اس میں شرکت کے لئے دانشور طبقہ کے ممتاز لیڈران، شہر حیدرآباد اور اس کے قرب وجوار کے ذمہ دار حضرات کو دعوت نامے بھیجے گئے تھے، اس میں دہلی، لکھنؤ، اورنگ آباد، اندور، بمبئی، ناگپور، نانڈیڑ اور دیگر شہروں کے نمائندوں نے شرکت کی، اس میں صرف انہی حضرات نے شرکت کی جنھیں دعوت نامے بھیجے گئے تھے، کانفرنس ہال کو مختلف زبانوں کے ایسے پوسٹروں سے سجایا گیا تھا جس میں پیار ومحبت اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کے ذریعہ مسائل ومشکلات کے حل کی دعوت تھی، اجتماع کا افتتاح حیدرآباد کے ممتاز وموقر وکیل انکم ٹیکس کے ماہر اور سوشل میدان کے فعّال کارکن سید جمیل الدین صاحب کے خیر مقدمی کلمات سے ہوا، موصوف ہی نے اس کانفرنس کا سارا انتظام کیا تھا، دانشور طبقہ اور مختلف فرقوں کے لوگوں سے ان کے گہرے تعلقات نے اس اجتماع کو کامیاب بنانے میں اہم رول ادا کیا، سید جمیل الدین صاحب نے اپنے خیر مقدمی کلمات میں مہمانوں کو خوش آمدید کہا، اور تحریک "پیام انسانیت" کا مختصر تعارف کرایا، پھر ملک کے ان موجودہ حالات ومسائل کی طرف اشارہ کیا، جنھوں نے راقم کو اس پیام ودعوت کو لے کر اٹھنے اور اسے عام کرنے پر ابھارا، پھر راقم کی تصانیف اور عالمی مجالس میں میری شرکت اور اس تحریک کے قیام کے مقاصد اور اس کی ذمہ داریوں کی طرف بھی اشارہ کیا۔

سید جمیل الدین صاحب کے افتتاحی کلمات کے بعد جناب مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب نے تقریر کی جو ممتاز خادم دین وترجمان قرآن، درس تفسیر میں مشہور ومعروف ہیں، پاریکھ صاحب نے اپنے مختصر کلمات میں قرآن شریف

www.abulhasanalinadwi.org

کی روشنی میں انسان کا موقف ومقام اور حیات انسانی کی قدر وقیمت کے بارے میں انسانوں کی ذمہ داریوں کی تشریح کی۔

اس اجتماع میں راقم کا بیان

ایک داعی وپیام انسانیت کے حامل کی حیثیت سے میرا جو بیان ہوا، اس کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

"ہر انسان کے لئے...... دو[2] گھر ہیں، ایک تو وہ گھر جس میں وہ اور اس کے خاندان کے افراد مقیم ہیں، اور ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا یہ گھر ہر اعتبار سے مامون ومحفوظ ہو کہ پورے امن وسلامتی کے ساتھ اس میں رہ سکے، اور یہ بھی کوشش ہوتی ہے کہ اس کے گھر میں محبت یا بھائی چارگی، امن واطمینان اور باہمی اعتماد واحترام کی فضا بنی رہے، یہ وہ چھوٹا سا گھر ہے جو اس کی پناہ گاہ ہے، اور اس کی سلامتی اس میں رہنے والوں کی فطری ضرورت ہے۔

پہلے گھر کی طرح ہر فرد کا یہاں دوسرا گھر بھی ہے، جو پہلے گھر سے بہت بڑا ہے، یہ دوسرا اور بڑا گھر وہ ملک ہے جس کا وہ باشندہ ہے، ہم اکثر اوقات اس حقیقت کو بھول جاتے ہیں کہ دونوں گھر ہمارے ہی ہیں..... ایک تو چھوٹا گھر چاہے وہ کتنا ہی بڑا اور وسیع رقبۂ زمین پر قائم ہو لیکن وہ اس ملک کے اعتبار سے بہت چھوٹا ہے، جس میں لاتعداد گھرانے اور خاندان رہتے ہیں۔

اسی طرح ہر چھوٹے گھر کا مفاد بڑے گھر کے مفاد سے وابستہ ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس بڑے گھر (ملک) کا مفاد چھوٹے اور شخصی گھر سے اتنا وابستہ نہیں جتنا کہ

www.abulhasanalinadwi.org

چھوٹے گھر کا مفاد بڑے گھر سے وابستہ ہے، جب یہ بڑا گھر اطمینان بخش ہوتا ہے اور اس میں امن وسلامتی کی فضا اور اس میں زندگی بسر کرنے والوں میں اطمینان واعتماد کا ماحول بنا رہتا ہے، ہر ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری کرتا ہے، اور اپنے دوسرے بھائی کے لئے وہی چاہتا ہے جو اپنے لئے چاہتا ہے، تو وہ گھر بہت ہی آرام دہ، سکون بخش ہوتا ہے، اس میں زندگی خوشگوار ہوتی ہے، ہر خطرہ سے اطمینان ہوتا ہے، جب اس بڑے گھر میں اطمینان واعتماد ہو تو چھوٹا گھر بھی امن وسلامتی سے معمور اور ہر خطرہ سے محفوظ ہوتا ہے۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کی مزید وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن یہ حقیقت اکثر اوقات ہمارے ذہن سے غائب ہو جاتی ہے، اور ہم پر اجتماعی فکر کے بجائے ذاتی وشخصی فکر غالب آجاتی ہے، اور ہر شخص صرف اپنے چھوٹے گھر کے خیال وفکر میں ڈوبا رہتا ہے، جس کے سامنے بڑے گھر (ملک) کی کچھ حقیقت باقی نہیں رہتی، ہمارا یہ شخصی گھر چاہے کتنا ہی بڑا ہو لیکن اس بڑے گھر (ملک) کے مقابلہ میں معمولی جھونپڑی یا پرندہ کے گھونسلہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، اسی کو ہم اپنی دنیا سمجھتے ہیں، اور اس کی آرائش وزیبائش اور امن وسلامتی کے لئے ساری کوششیں صرف کرتے ہیں، اور اپنے سارے مفاد ومصالح کو اس چھوٹے گھر میں آباد افراد خاندان سے وابستہ کر لیتے ہیں، اور اس بڑے گھر اور عظیم معاشرہ سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں، اور اس حقیقت کو یکسر بھول جاتے ہیں کہ جب اس گھر کے باہر طوفان آئے گا، تیز وتند ہوائیں چلیں گی، آگ لگے گی اور اس کے شعلے بھڑکیں گے، تو پھر یہ گھر سیلابِ بلا وطوفان اور حوادث سے کبھی نہیں

بچ سکتا، چاہے وہ کتنا ہی مضبوط پتھر کا بنا ہو، اور اس کے بنانے میں فن تعمیر کی باریکیوں کا خیال رکھا گیا ہو، لوہے کا جال بچھا ہو یا اس کی دیواروں کو طلائی مادّوں سے چمکایا گیا ہو، لیکن جب طوفان آئے گا یہ گھر بھی بربادی کا نشانہ بنے گا، ٹھیک اسی طرح اگر اس چھوٹے سے گھر کے افراد امن وسلامتی، باہم اعتماد واحترام کی زندگی گذار رہے ہوں، تُغض، حسد، جنگ وجدال، غلط فہمی اور الزامات کا سیلاب اس گھر کے اس علاقہ کو جہاں یہ گھر آباد ہے، بہالے جائے گا، اس لئے کہ اس علاقہ میں پھیلی ہوئی وبائیں جو غذا اور پانی کو ملوّث کرتی ہیں لازمًا اس گھر کو بھی متاثر کریں گی، اور اس چھوٹے سے گھر کے رہنے والوں کے چین وسکون کو اُڑادیں گی۔

کسی بھی معاشرہ کا بگاڑ اور اخلاقی اصولوں سے نظر اندازی، حرص وطمع، بڑھی ہوئی مال کی محبت، ظلم وزیادتی، ناجائز قبضہ، اور برائیوں کا اثر اس میں ملوّث افراد ہی تک محدود نہیں رہتا، بلکہ اس کے اثرات پورے معاشرہ میں پھیل جاتے ہیں، اور ہر وہ معاشرہ جو اُن جرائم پیشہ افراد کو نظر انداز کرتا ہے وہ خود اُن جرائم میں مبتلا ہو جاتا ہے، ہمیں تاریخ میں بہت سی ایسی تہذیبیں اور ثقافتیں نظر آتی ہیں، جو عرصۂ دراز تک ترقی کے بام عروج پر متمکّن تھیں، لیکن جب اس میں اخلاقی انتشار عام ہوا، حرص وہوس اور مال کی بڑھی ہوئی محبت نے غلبہ پایا، انسانی ناموس وعزّت کو پامال کیا جانے لگا، اور لوگ اپنی نفسانی خواہشات اور ذاتی اغراض کو پورا کرنے میں لگ گئے، دین ومذہب کی تعلیمات اور اخلاقی قدروں کو پس پشت ڈال دیا گیا، اور اُن کی تحقیر وتضحیک کا معاملہ شروع ہو گیا، تو یہ ترقی یافتہ تہذیبیں برباد اور نیست ونابود ہو گئیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

مثلاً روم ٹھیک اُس وقت اپنی برائیوں کی آگ میں جل رہا تھا، جب وہاں کے فلاسفہ، ادباء و شعراء اپنی بحث و نظر، تحقیق و تخلیق میں ہمہ تن مصروف و منہمک تھے، اور نئی نئی تحقیقات، انکشافات و ایجادات، اور علمی کارناموں کا انبار لگا کر معاشرہ کو مسحور و مبہوت کر رہے تھے، لیکن چونکہ اندر سے معاشرہ کو گھن لگ چکا تھا، بگاڑ اور فساد گھروں سے نکل کر بازاروں اور سڑکوں تک پھیل چکا تھا، چھوٹے بڑے ہر طرح کے گھرانے اس میں ملوّث تھے، مختلف طبقات آپس میں برسرِ پیکار تھے، ہر شخص بربادی ظلم و زیادتی کے دہانہ پر کھڑا تھا، انہی وجوہات کی بنا پر جب آتشی آندھی چلی تو اپنی فتوحات عمارات، تہذیب اور معیارِ معیشت میں غیر معمولی ترقی کے باوجود جو ضرب المثل کی حد تک پہونچ گئی تھی، رومن امپائر اس سے بچ نہ سکا، اور نہ اس کا دفاع ہی کرسکا، اور پورا ملک اس آیت کریمہ کا مصداق بن گیا جس میں ظالم قوموں کے انجام و عواقب کا تذکرہ ہے، فرمایا گیا:۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ	اور ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک
بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ	کر ڈالا جو اپنی (فراخی) معیشت
مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ	میں اترا رہے تھے، سو یہ اُن کے
ۢبَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ وَكُنَّا	مکانات ہیں جو اُن کے بعد آباد ہی
نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝	نہیں ہوئے مگر بہت کم اور اُن کے
(سورۂ قصص ـ ۵۸)	پیچھے ہم ہی اُن کے وارث ہوئے۔

بیان جاری رکھتے ہوئے راقم نے مزید کہا کہ آج بھی ہم ہندوستان میں اس حقیقت کو نظر انداز کر کے زندگی گذار رہے ہیں، ہمیں صرف اپنے مفاد کا خیال

www.abulhasanalinadwi.org

رہتا ہے، اور اپنے خاندان ہی کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی ہے، آج کی سب سے بڑی برائی ہر شخص کی اپنی ذاتی مصلحت و مفاد کی بڑھی ہوئی فکر ہے، جسے اللہ والوں نے "نفسی نفسی" سے تعبیر کیا ہے، جس سے انانیت (EGO) نے بڑھ کر تمام اخلاقی قدروں و اصولوں اور قومی و وطنی مفاد و مصالح کی جگہ لے لی ہے، ذاتی مفاد کی ایسی ہوا چلی ہے کہ ہر شخص کو اپنی آمدنی اور اس میں زیادتی کی فکر دامن گیر ہے، چاہے وہ حلال و حرام کسی بھی طریقہ سے آئے، کسی بھی شخص کی اپنے گھر کی آرائش و زیبائش، اس کو خوشنما چمن اور مثالی ماحول میں تبدیل کرنے کی کوششوں میں کامیابی، اس وقت بے کار ہے، جب اِردگرد کا ماحول وبا سے متاثر و متعفن ہو، جزیرے سمندر ہی میں ہوتے ہیں اور صدیوں باقی رہتے ہیں، خشکی میں کسی جزیرہ کا تصوّر نہ صحیح ہے نہ اس کا بقا ممکن، لیکن آج ہم نے اپنے اپنے گھر میں خشکی کے جزیرے بنا رکھے ہیں، اپنے خاندان اور قبائل کے جزیرے بنا رکھے ہیں، یہ خشکی کے جزیرے ایک نہ ایک دن تہہ و بالا ہو جائیں گے۔

حیاتِ انسانی مختلف کڑیوں کی ایک مربوط زنجیر ہے جس میں ہر ایک کا مفاد ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہے، ہم میں سے ہر شخص بیک وقت سائل بھی ہے، اور مسئول بھی، محتاج بھی ہے اور مطلوب بھی، قدیم مشرقی فلسفہ نے انسان کو فطرتاً "حیوان متمدّن" کہا ہے، جو ہر وقت زندگی اور متمدّن معاشرہ کا محتاج رہتا ہے، اور ہر شخص ایک دوسرے سے مربوط اور وابستہ ہے، اور وہ آپس میں خوشی و مسرت اور رنج و غم میں برابر کا شریک و سہیم ہوتا ہے۔

آج کا سب سے بڑا اور اولین فریضہ جو پیامِ انسانیت کا خلاصہ و لُبّ و لُباب

www.abulhasanalinadwi.org

ہے، یہ ہے کہ ہم اپنے اس بڑے گھر کی فکر کریں، یہ بات ہمیں دھوکہ میں نہ ڈالے کہ ہم مطمئن ہیں، امن و سلامتی، اخلاق و اصول کی زندگی گزارتے ہیں، گھر کے باہر کیا ہو رہا ہے، اسے دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اخیر میں راقم نے اس افسوس کا اظہار کیا کہ ہندوستان ایک بڑا ملک ہے جو وسیع و عریض رقبۂ زمین پر محیط ہے، اور جو مختلف تہذیبوں، ثقافتوں، مذاہب و ادیان و فلسفہ و فکر کا مرکز رہا ہے، جہاں مفکرین، سیاست دانوں، مدبّروں کی کوئی کمی نہیں لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ آج ان لاتعداد دانشوروں، ادیبوں، حکیموں، قائدوں، اور اجتماعی کارکنوں میں کوئی بھی انسان اخلاق کی تعمیر کے لئے اس مہم کو لے کر آگے بڑھنے والا نہیں، کسی کو یہ فکر نہیں کہ ملک کدھر جا رہا ہے، پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے، اس سے بڑھ کر بھی بگاڑ کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ آج زندگی بچانے والی دوائیں نقلی آنے لگی ہیں، ایک وزیر صحت کی زبانی سنا کہ ۶۰ فیصد دوائیں نقلی ہوتی ہیں، اسی طرح اقربا پروری، رشوت، لوٹ کھسوٹ، لاپروائی، غبن، حقوق کی پامالی اور اس جیسی معاشرتی بیماریاں جو آج پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں اور جس سے شفا خانے اور صحت کے مراکز (SANITORIUMS) تعلیمی و انسانی ادارے بھی محفوظ نہیں، اس صورت حال میں ملک کی گاڑی کیسے چلے گی، اور زندگی کیسے گذرے گی؟

اس کے بعد راقم نے مسلمانوں کی ذمہ داریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ افسوس تو یہ ہے کہ مسلمان بھی "ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد" کا مصداق بن گئے ہیں، انھوں نے تعمیر انسانیت اور اخلاقی نمونہ پیش کرنے میں اپنا فرض

ادا نہیں کیا، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں بیان فرمایا تھا،
"الرّاحمون یرحمھم اللہ تبارک وتعالیٰ، اِرحموا مَنْ فی الأرض یرحمکم
مَنْ فی السماء" مولانا حالی نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے ؎

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

اخیر میں اس پر اپنا بیان ختم کیا کہ ہم اپنی اس تقصیر پر قیامت کے دن دربار الٰہی میں ضرور پوچھے جائیں گے، مسلمانوں ہی پر اس ملک کو بچانے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس لئے کہ جب یہ کشتی ڈوبے گی تو اس میں سوار تمام مسلم وغیر مسلم ڈوبیں گے، اس سب کے باوجود میں پُر امید ہوں، خدا کی رحمت سے مایوس نہیں، یہ ملک سو گیا ہے، مرا نہیں، سوتے کو جگایا جا سکتا ہے لیکن مردہ کو زندہ کرنے کی کوئی امید نہیں ہوتی لیکن اس نیند کی ایک حد ہونی چاہئے، اور گہری نیند کے بعد جاگنا بھی زندگی کے لئے ضروری ہے۔

آج ہمارا سب سے بڑا فرض سوتے ہوئے معاشرہ کو بیدار کرنا ہے، اسی امید پر ہم اور ہمارے رفقاء معاشرہ کو جگانے کی حقیر کوشش میں لگے ہیں کہ ہماری یہ کمزور ناتواں آواز کسی دل کو لگ جائے۔

ہندو تحریکوں کے قائدین کی طرف سے قدردانی کا اظہار

مسلسل ڈیڑھ دو گھنٹے تک چلنے والے اس اجتماع کے بعد شخصی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا، جس میں بڑے وکلاء اور ممتاز اہلِ قلم، صحافت کے ماہرین اور مختلف

www.abulhasanalinadwi.org

پارٹیوں وتنظیموں کے قائدین جو اکثر اکثریت سے تعلق رکھنے والے تھے، ان میں بابری مسجد کے خلاف برسرپیکار تحریک وشوہندو پریشد کے رہنما اور ہندو مہاسبھا کے قائد بھی تھے، سبھوں نے گہرے تاثر کا اظہار کیا، اور ملک میں معاشرتی حالات کے بگاڑ پر اپنی تشویش ظاہر کی، ہندو مہاسبھا کے ایک رہنما نے راقم سے یہ بھی کہا کہ بے شک آپ کی دعوت قومی یکجہتی اور اخلاقی قدروں کی بحالی اور انسانی عزّت وآبرو کے تحفّظ واحترام پر مبنی ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، یہ ایسی دعوت ہے جسے ملک کے رہنماؤں نے چھوڑ رکھا ہے، حالانکہ آج آپس کی تفرقہ بازی و اختلافات کو مٹانے اور معاشرہ کے مختلف افراد کو آپس میں لڑنے، اور انسانی خون کی ارزانی کو روکنے کے لئے سخت محنت کی ضرورت ہے، بعض قائدین نے اس تحریک کے کارکنوں سے روابط قائم کرنے اور اس کوشش کو آگے بڑھانے کے لئے حصّہ لینے کا ارادہ ظاہر کیا، ان میں سے ایک رہنما نے تو ہندوستانی معاشرہ کے ان بگڑتے ہوئے حالات سے متاثر ہو کر گلوگیر آواز میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔

جلسۂ عام

ان ملاقاتوں کے ایک دن بعد اجلاس عام منعقد ہوا، جس میں مختلف طبقات وفرقوں نے شرکت کی، وسیع عابد میدان میں یہ اجتماعی نشستیں ہوئیں جس میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی بعض ممتاز علماء، اہلِ قلم اور سیاسی لیڈروں نے بھی شرکت کی، حاضرین کی بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جو دور دراز علاقوں سے آئے تھے، جس سے اس دعوت کی طرف لوگوں کی دلچسپی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

خاص طور پر حیدرآباد میں جہاں ہر دور میں سیاسی و طبقاتی و مذہبی کشمکش رہی ہے، اور حال ہی میں قریبی علاقہ میں خونی حوادث پیش آچکے ہیں، جن کی وجہ سے حالات غیر یقینی تھے، لیکن اس کے باوجود انسانی قدروں کی بحالی کی طرف دعوت کو اندازہ سے زیادہ قبولیت ملی۔

اس عام اجتماع کو سب سے پہلے ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی نے خطاب کیا، اور دینی تعلیم اور اخلاقی ڈھانچہ کی تعمیر، نئی نسل کی تہذیب و تنقیت، اس کو مغربی لا اخلاقیت اور سرکش مادّیت کی رو میں بہنے سے روکنے کی ضرورت پر روشنی ڈالی، پھر راقم نے خطاب کیا، اور مثالی انسان کی تعمیر کے میدان میں کوشش کرنے کی دعوت دی، اور اس آیت کریمہ کی تشریح کی:۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ	تو جو امتیں تم سے پہلے ہو گذر چکی
مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوا بَقِيَّةٍ	ہیں، ان میں ایسے ہوشمند کیوں
يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي	نہ ہوئے جو ملک میں خرابی کرنے سے
الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا	روکتے ہاں (ایسے) تھوڑے سے
مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا	(تھے) جن کو ہم نے ان میں سے
مَا اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ	مخلصی بخشی، اور جو ظالم تھے ان ہی
(سورۂ ہود - ۱۱۶)	باتوں کے پیچھے لگے رہے جن میں
	عیش و آرام تھا اور وہ گناہوں
	میں ڈوبے ہوئے تھے۔

اور یہ سب کچھ صرف اخلاقی وعقائدی اقدار کو زندہ کر کے اور اخلاقی

www.abulhasanalinadwi.org

ثقافت وتہذیب کی پیروی کرکے ہی وجود میں آسکتا ہے، اخیر میں یہ عرض کیا گیا کہ انسانی سلوک کی تعیین میں عقیدہ کا بڑا رول رہا ہے، پہلے کے مسلمان لوگوں کے لئے ایسے نمونہ تھے کہ لوگ انھیں دیکھ کر راہ راست پر آجاتے تھے، اگلے مسلمانوں کی سیرت وسلوک ہی سے اسلام دور دراز علاقوں میں پھیلا ہے، اب یہ ضروری ہے کہ مسلمان اپنے سلوک وسیرت کو دینی تعلیمات کے مطابق ایسا استوار لے کہ ان کی طرف انگلیاں اٹھا کر اشارہ کیا جائے کہ یہ مسلمان ہے، جو نہ چوری کرتا ہے نہ دھوکہ دیتا ہے، یہ مسلمان ہے جو نہ جھوٹ بولتا ہے، نہ رشوت لیتا ہے، اور ہر ایک کو مسلمان کے کردار پر اتنا بھروسہ ہو کہ بھاری سی بھاری امانت سونپنے میں تردّد نہ ہو، یہ مسلمان کا حق ہے کہ اپنے دین کی ذمّہ داری کو نبھاتے ہوئے ملک کے بگڑے حالات کی اصلاح کی تحریک اور کوشش کی قیادت سنبھالے۔

اس طرح مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب نے بھی اجتماع کو خطاب کیا، جس میں معاشرہ کی طرف سے فرد پر عائد ذمہ داری اور عام زندگی میں مسلمانوں کے فرائض وواجبات اور مطلوبہ سیرت وکردار پر قرآنی استشہاد کے ساتھ روشنی ڈالی، اور اسلام کے ان اخلاقی تعلیمات کی تشریح کی جو موجودہ مادّی تہذیب کے مقابلہ کے لئے ایک عادل معاشرہ کی داغ بیل ڈالنے کی صلاحیت رکھتا ہے، مولانا نے اس طرف بھی اشارہ کیا کہ مسلمانوں نے اپنے دین اور اس کے اعلیٰ اقدار کی تشریح کرنے میں بڑی کوتاہی کی ہے، اگر یہ نہ ہوتا تو آج انھیں دنیا میں حقارت وناپسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا، ان کے متعلق نظریں اسی وقت بدل سکتی ہیں، جب وہ صحیح طور پر اسلام کی طرف لوٹ آئیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

ان بیانات سے پہلے مولانا محمد رضوان قاسمی نے استقبالیہ کلمات کہے تھے، جس میں اجتماع کے مقاصد، اس موضوع کی اہمیت جس کے لئے یہ اجتماع منعقد کیا گیا ہے، پر روشنی ڈالی، اور تمام حاضرین کا استقبال کیا۔

چند اہم اور خصوصی تعلق والی شخصیتوں کی وفات

فروری ۱۹۸۹ء میں ایسی تین ۳ شخصیتوں کا حادثۂ ارتحال پیش آیا جن سے مصنّف "کاروانِ زندگی" کو مختلف النّوع لیکن طویل و عمیق نیاز مندانہ یا عزیزانہ و محبّانہ تعلق تھا۔

ان میں پہلا حادثہ عالی مرتبت جناب شیخ محمد صالح قزّاز مرحوم کا حادثۂ ارتحال ہے، جنھوں نے ۲۲ رجب ۱۴۰۹ھ۔ ۶ فروری ۱۹۸۹ء کو مکہ معظمہ میں سفرِ آخرت اختیار کیا، اس سے دل و دماغ کو ایک صدمہ ہوا، اور تیس ۳۰ پینتیس ۳۵ سال کی طویل مدت کے تعلقات کی یاد، مشاہدات، تاثرات، ان کی منفرد دینی خدمات، اور ان کی ان خصوصیات و فضائل اور توفیقِ الٰہی اور سعادتوں کی یاد تازہ ہوگئی جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو خصوصی طور پر نوازا تھا۔

مرحوم سے ۱۹۵۰ء۔ ۱۹۵۱ء کے طویل زمانۂ قیام مکہ میں خصوصی روابط پیدا ہوگئے تھے، جن کا تذکرہ "کاروانِ زندگی" کے حصّۂ اول میں قیام مکہ معظمہ کے ضمن میں کئی بار آیا ہے[۱]، انھیں کی دعوت و اطلاع پر رابطۂ عالم اسلامی کے پہلے اجلاس (۱۴ ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ، مئی ۱۹۶۲ء) میں شرکت کی سعادت

---

[۱] ملاحظہ ہو "کاروانِ زندگی" حصّۂ اول ص ۲۷۶-۲۷۷

www.abulhasanalinadwi.org

حاصل ہوئی اور اس کی بنیادی رکنیت کا شرف حاصل ہوا، جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

شیخ محمد صالح قزّاز مکہ معظمہ کے دیندار اور صاحب علم اعیان و رؤساء میں شمار ہوتے تھے، اور صحیح معنی میں اسم با مسمّٰی تھے، ان کے لئے سب سے بڑا افتخار اور سعادت یہ تھی کہ توسیع حرم کا منصوبہ اور کام کی نگرانی اور ذمّہ داری حکومت سعودیہ نے ان کے سپرد کی، اور یہ انھیں کے ہاتھوں انجام پایا، پھر مسجد نبویؐ کی توسیع کا کام بھی انھیں کے سپرد ہوا اور اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں شرف انھیں کو عطا فرمائے۔

رابطہ کے پہلے امین عام (سکریٹری جنرل) شیخ محمد سرور الصبّان نے جب ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ (۱۹۷۱ء) میں اس دنیا سے رحلت کی تو شیخ محمد صالح قزّاز انتخاب اور اکثریت کی تائید سے اُن کی جگہ امین عام منتخب ہوئے اور ذی القعدہ ۱۳۹۶ھ تک وہی اس منصب پر فائز رہے، انھوں نے اپنی مخلصانہ جدّ و جہد اور دن رات کی سرگرمی سے رابطہ کا عالمی پیمانہ پر تعارف کرایا اور اس کے دائرۂ اثر کو بہت وسیع کر دیا، ان کی وفات پر رابطہ میں کام کرنے والے ایک واقف حال کے مضمون سے پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ انھوں نے اس پوری مدّت میں امین عام سکریٹری جنرل (جو اپنے منصب و اعزاز کے لحاظ سے وزیر کا درجہ رکھتا ہے) کا کام کُلّیۃً رضا کارانہ انجام دیا، اور اس کا کوئی معاوضہ یا مشاہرہ قبول نہیں کیا، رابطہ کی ذمہ داری سے سبک دوش ہو جانے کے بعد انھوں نے مجلس تحفیظ القرآن کی نگرانی و ذمہ داری قبول کی جو خود بہت بڑی سعادت تھی۔

www.abulhasanalinadwi.org

شیخ آخری چند برسوں میں اپنے ضعف و پیری اور بعض تجربات کی بنا پر بالکل خانہ نشین اور عزلت گزین ہو گئے تھے، گویا وہ سفر آخرت کی تیاری میں تھے، اور ان کا سارا وقت عبادت و تلاوت اور ضروری سکون و راحت میں گزرتا ہوگا، میں نے جب دریافت کیا، دوستوں اور واقفین حال نے کہا کہ وہ بالکل یکسو اور گوشہ نشین ہیں، میں بھی سُن کر خاموش ہو جاتا، شاید اُن سے آخری طور پر شرفِ نیاز حاصل نہ کرنے کی حسرت ہمیشہ باقی رہتی، کہ نومبر ۱۹۸۸ء میں رابطہ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لئے جب مکہ معظمہ حاضر ہوا تو میں نے اپنے عزیز میزبان ڈاکٹر مولوی عبداللہ عباس ندوی سے باصرار کہا کہ وہ ٹیلیفون پر شیخ کو میری اس خواہش اور تمنّا کی خبر پہونچا دیں، پھر جو کچھ بھی جواب ملے، شیخ کو جب اس کا علم ہوا تو بخوشی آنے کی اجازت دی اور خیر مقدم کیا، ۱۵ ریا ۱۶ ر نومبر (۱۹۸۸ء) کو میں مولوی عبداللہ عباس ندوی اور عزیزی مولوی محمد رابع ندوی کی معیّت میں حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ سراپا انتظار تھے، بڑی بشاشت و انشراح سے ملے، ان کی سماعت یا حافظہ پر کوئی اثر نہیں تھا، فرمایا کہ میں تو کئی مرتبہ تم کو خواب میں دیکھ چکا ہوں، مجھے اپنی اس دیر حاضری اور محرومی پر افسوس ہوا کہ میں نے اس سے پہلے اس کے لئے پوری کوشش اور اصرار کیوں نہیں کیا۔

ان کو مجھ سے ایک ایسا ذاتی تعلق تھا، جو رابطہ کے ارکان میں سے کم کسی سے رہا ہوگا، جب ان کی یاد آتی ہے تو ان کی دوسری عنایات کے ساتھ غارِ ثور کی وہ تاریخی زیارت ضرور یاد آتی ہے جس کا انھوں نے بڑے سلیقہ اور

www.abulhasanalinadwi.org

ذہانت کے ساتھ انتظام کیا تھا، انھوں نے بجائے اپنے دولت خانہ پر ضیافت کرنے کے (جو عام طور پر اس زمانہ کے اہلِ علم اور سربرآوردہ اشخاص کر رہے تھے) دعوت کا نام لئے اور اس کی تقریب کا ذکر کئے بغیر غارِ ثور[1] کی زیارت (جو بلند پہاڑ پر چڑھ کر ہی ممکن تھی) کا انتظام کیا، اور خود اس میں شریک رہے، غار سے اترنے کے بعد جب ہم سب تھکے ہوئے پہاڑ کے دامن میں پہونچے تو دیکھا کہ اُن کے عملہ اور ملازمین نے دسترخوان بچھا رکھا ہے اور پُرتکلف دعوت کا انتظام ہے، اس طرح انھوں نے کام و دہن کی لذّت کے ساتھ روح و قلب کی غذا اور غارِ ثور کی زیارت کی عزّت و سعادت جمع کر دی، اللہ تعالیٰ نے اُن کو حُبّ نبویؐ کی بڑی دولت سے بھی سرفراز فرمایا تھا، نعت نبویؐ اور ام المؤمنین حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کی مدح میں ان کی ایک طویل اور مؤثر نظم بھی ہے، جو وہ کبھی خاص خاص موقعوں سے سناتے تھے۔

اسی مہینہ کا دوسرا حادثہ رفیق قدیم اور محب گرامی مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی مرحوم کا حادثۂ ارتحال ہے جو ۸ رجب ۱۴۰۹ھ (۲۲ر جنوری ۱۹۸۹ء) کو تبلیغی مرکز نظام الدین دہلی میں پیش آیا، میں اس وقت جنوبی ہند کے ایک طویل دورہ پر تھا، بنگلور سے لکھنؤ واپسی کا پروگرام تھا کہ وہاں ہمارے میزبان

---

[1] غارِ ثور مکہ معظمہ سے تین کلومیٹر کے فاصلہ پر مدینہ طیبہ کے قدیم راستہ میں واقع ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رفیقِ سفر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ سفر ہجرت میں تشریف فرما ہوئے تھے، قرآن شریف کی آیت "ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا" اسی کے متعلق ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

الحاج موسیٰ سیٹھ نے اطلاع دی کہ ابھی دہلی سے ٹیلیفون آیا ہے کہ مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی کا اچانک آج صبح انتقال ہوگیا، اور بعد نماز ظہر تدفین ہے' دل و دماغ کو اس اطلاع سے صدمہ پہونچا، اور تقریباً نصف صدی کا تعلق اور سفروں کی ایسی رفاقت جو بہت کم لوگوں کے ساتھ نصیب ہوتی ہے' حافظہ میں تازہ ہوگئی،[1] ہمارا جہاز تقریباً تین بجے دہلی پہونچا، اس کے بعد ہی کے جہاز میں ہمارے لئے لکھنؤ کی سیٹ تھی، مولانا کی نماز جنازہ اور تدفین متصلاً بعد نماز ظہر ہوگئی' اس لئے شرکت کا کوئی امکان نہ تھا، اس لئے اس کی سعادت حاصل نہ ہوسکی۔

حجاز کے زمانۂ قیام (۱۹۴۷ء و ۵۱-۱۹۵۰ء) اور مصر کے طویل ششماہہ قیام (۱۹۵۱ء) پھر خرطوم (سوڈان) دمشق (شام) اور بیت المقدس (فلسطین) میں ان کی ہمہ وقت اور شب و روز کی معیّت و رفاقت یاد آئی، جو بہت کم لوگوں کو بہت کم لوگوں کے ساتھ نصیب ہوتی ہے' ان کی یہ خصوصیت بہت نمایاں ہے کہ وہ سب کشتیاں جلاکر دعوت و تبلیغ کے ہی آستانہ پر پڑگئے، اور یہ شعر ان کے حسبِ حال رہا کہ ؎

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

اسی ماہ فروری میں ۲۰ر فروری ۱۹۸۹ء کو علمی و دعوتی سفر کے رفیق عزیز اور ترجمان بلیغ ڈاکٹر محمد آصف قدوائی مرحوم کا سانحۂ وفات پیش آیا، ہندوستان اور غالباً برّصغیر ہند و پاک میں انگریزی کے ایسے لکھنے والے اور

---

[1] مولانا پر مفصل مضمون "پرانے چراغ" حصّہ سوم میں ملاحظہ ہو۔

www.abulhasanalinadwi.org

دینی و دعوتی کتابوں کے کامیاب مُترجم تھوڑے ہی ہوں گے، وہ راقم کی آٹھ[1] اہم تصنیفات کے مُترجم ہیں، انھوں نے رفیق محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی بھی متعدد اہم کتابوں کا ترجمہ کیا، جن میں مولانا کی اہم اور مقبول کتاب "معارف الحدیث" خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، ان کا اس حیثیت سے سب سے پہلا تعارف میری عزیز و شاید سب سے مشہور کتاب "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" کے انگریزی ترجمہ سے ہوا، جو (ISLAM & THE WORLD) کے نام سے "مجلس تحقیقات و نشریات اسلام" نے شائع کیا، یہ اردو کتاب اصلاً میری عربی کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" کا خود ترجمہ ہے، جو عالم عربی میں راقم کی سب سے مشہور و مقبول کتاب ہے، اور اس کے تقریباً بیس[2] ایڈیشن نکل چکے ہیں، اس کتاب کا ترجمہ آسان نہ تھا، یہ آصف صاحب کے کمال فن کا پہلا نمونہ تھا، اس سے ان کا ہندوستان اور ہندوستان سے باہر تعارف ہوا، ترجمہ ترجمہ نہیں معلوم ہوتا، معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی کی ٹکسال کا ایک ڈھلا ہوا سکّہ ہے۔

ان ناظرین کے لئے جو ان سے قریبی واقفیت نہیں رکھتے اور جن کو اُن سے کبھی ملنے کا اتفاق نہیں ہوا، یہ بات ایک انکشاف اور حیرت انگیز واقعہ ہوگا کہ انھوں نے یہ سارا کام اس معذوری کی حالت میں کیا کہ وہ کروٹ بھی نہیں لے سکتے تھے، اٹھ کر بیٹھنا تو درکنار وہ ایک نقش تصویر تھے[1] ان کی معذوری کی حالت

---

[1] تعلیم سے فراغت کے کچھ ہی دن بعد ان کو ایسا عارضہ لاحق ہوا کہ وہ نقل و حرکت اور اٹھنے بیٹھنے کے قابل نہیں رہے اور تقریباً نصف صدی کی مدّت ایسے ہی گذری (باقی ص ۷۱ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

یہ تھی کہ کوئی بھاری کتاب اپنے سینہ پر رکھ کر اس کا ترجمہ نہیں کر سکتے تھے، وہ اس کی جلد توڑ دیتے اور تھوڑے تھوڑے اوراق سامنے رکھ کر ترجمہ کرتے، میں نے کئی دفعہ کہا کہ آپ کے لئے کسی لکھنے والے (STENO) یا ٹائپسٹ کا انتظام کر دیا جائے، انھوں نے منظور نہیں کیا، اور خود ہی اپنے قلم سے لکھنے کی زحمت گوارہ کی، خود اردو میں ان کی تصنیف شدہ کتاب "مقالات سیرت" ہے جس سے ہماری مجلس تحقیقات ونشریات اسلام" نے ۱۹۵۹ء میں اپنے اشاعتی و دعوتی کام کا آغاز کیا۔

ان کا سب سے بڑا وصف جو امید ہے کہ ان کو آخرت میں مراتب علیا تک پہونچائے گا، وہ ان کا تسلیم ورضا کا وہ معاملہ ہے جو انھوں نے دو چار سال نہیں، ۳۴ سال کی مدتِ علالت میں قائم رکھا، اور کسی نے ان کی زبان سے حرف شکایت نہیں سنا، آخر میں نقل وحرکت کی اس مکمل معذوری ومجبوری کے علاوہ ان کو متعدد اندرونی تکلیفوں سے سابقہ پڑا، اسی میں انھوں نے فرائض کی پابندی، ذکر وفکر، تحریری مشغولیت اور ہومیوپیتھک علاج و معالجہ کی خدمت کو (جس کو انھوں نے اپنے مطالعہ اور اپنے والد صاحب کی مدد سے حاصل کیا تھا) جاری رکھا، یہاں تک کہ وہ وقت آگیا کہ وہ طویل المیعاد مریض خستہ جان اور شکستہ انسان ۲۰ر فروری ۱۹۸۹ء کو اپنی ان سب تکلیفوں سے نجات پاکر اپنے رب ومعبود کے دربار میں پہونچ جائے اور زبان

(باقی صٰ کا) ان کا پی۔ایچ ڈی کا مقالہ جانچنے والوں میں لندن کے نامور پروفیسر لاسکی بھی تھے، جنھوں نے اس کو بڑے تحسینی کلمات کے ساتھ پاس کیا تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

حال وقال سے کہے کہ " اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ط اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَکُوْرٌ "[1] (خدا کا شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کیا، بے شک ہمارا پروردگار بخشنے والا اور قدردان ہے)۔

۲۰ فروری کو بعد نماز عصر اُن کی نماز جنازہ ہوئی جس میں اہلِ علم اہلِ دین اور احباب واعزّہ کی بڑی تعداد شریک ہوئی، رفیق محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے نماز پڑھائی اور اُن کو عیش دوام کے لئے لکھنؤ کے مشہور قبرستان عیش باغ میں سپرد خاک کیا گیا۔[2]

آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کا اجلاس نہم منعقدہ کانپور

کسی جمہوری ملک میں جہاں کی مجلس قانون ساز (پارلیمنٹ) قانون سازی میں، عدالتیں فیصلہ دینے میں اور پریس رائے عامہ بنانے اور جذبات بھڑکانے میں آزاد ہو، اور ایک ایسی غیر مسلم اکثریت پائی جاتی ہو جو مسلم اقلیت کی طرف سے مختلف غلط فہمیوں میں مبتلا اور خاصی حد تک منافرت کا بھی شکار ہو، پھر وہ اس ملّت کی بنیادی خصوصیات اور عقائد سے بڑی حد تک ناواقف اور اس کے قانونِ الٰہی اور شریعتِ آسمانی کے زیر فرمان اور پابند ہونے کی حقیقت سے بھی ناآشنا ہو، اس اقلیت کے دینی اور ملّی تحفّظ اور شریعت الٰہی پر عمل کرنے کی آزادی کے لئے مسلسل جد وجہد کی ضرورت ہوتی ہے، آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ

---

[1] سورۂ فاطر آیت ۳۴ [2] مفصل حالات وکمالات کے لئے ملاحظہ ہو ان پر راقم کا مفصل مضمون "پرانے چراغ" حصّہ سوم میں۔

www.abulhasanalinadwi.org

کی تشکیل و وجود اور قیام و بقا کا یہی مقصد تھا کہ وہ مجلس قانون ساز اور عدالتوں کے فیصلوں، پریس کے رویّہ اور اکثریت کے رجحان اور مطالبات کا جائزہ لیتا رہے، اور ایک طرف وہ صریح اور منصوص اسلامی احکام پر عمل کرنے اور شریعت آسمانی کے مطابق زندگی گذارنے کی آزادی کے باقی رہنے کی آئینی و دستوری طور پر جد وجہد کرتا رہے، دوسری طرف مسلمانوں کو خود قانونِ الٰہی کے اس حصّہ پر عمل کرنے کی دعوت دیتا رہے، جس کا تعلق اجتماعی و معاشرتی زندگی، نکاح و طلاق، اور میراث کے احکام و قوانین سے ہے۔

اس سلسلہ میں اس کی ضرورت تھی کہ مواعظ و خطبات اور رسائل و تحریرات کے علاوہ ہندوستان کے کسی ایک بڑے مرکزی شہر میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا ہمہ گیر اجلاس ہو، جس میں اس کی شاخوں کے نمائندے اور ملک کے مختلف حصّوں کے مسلمان قائدین، ممتاز علماء اور بورڈ کی شاخوں کے ذمہ دار جمع ہوں، راقم سطور کے بورڈ کے صدر منتخب ہونے کے بعد دو اجلاس عام ہوئے، ایک ۶، ۷، ۸ اپریل ۱۹۸۵ء کو کلکتہ میں، دوسرا ۱۵، ۱۶ دسمبر ۱۹۸۶ء میں بمبئی میں، ۸۷ء اور ۸۸ء میں ملک کے غیر معتدل حالات، فسادات اور دوسری مصروفیتوں کی بنا پر کوئی اجلاس عام نہ ہوسکا، اور کسی بڑے شہر سے کوئی موثّر اور وقیع دعوت بھی نہیں ملی، بورڈ کے متعدد ذمہ داروں کی نگاہ میں (جن میں خود بورڈ کے جنرل سکریٹری اور امیر شریعت بہار واڑیسہ مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی بھی شامل تھے) اب لکھنؤ کی باری تھی، لیکن بعض مصالح کی بنا پر اور کسی ممکن الوقوع، ناخوشگوار صورت حال کے اچانک پیش آجانے کے اندیشہ سے

www.abulhasanalinadwi.org

راقم سطور اور رفیق عزیز ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین صاحب قریشی نے لکھنؤ کے بجائے اس کے کانپور میں (جو یوپی کا سب سے بڑا شہر ہے اور مختلف دینی وملی تحریکوں کا مرکز رہا ہے) منعقد ہونے کو ترجیح دی، اور مولانا منّت اللہ صاحب اور بورڈ کے ذمہ داروں نے اس سے اتفاق کیا، ہم لوگوں نے کانپور کے ہم خیال اور فعّال احباب سے رابطہ قائم کیا، جن میں عزیزی محمد اسحاق کانپوری (فرزند الحاج منّت اللہ صاحب مالک اپر انڈیا ٹینری) مولوی مظفر الحق ندوی مالک نیو لائٹ ٹینری اور معید احمد صاحب مالک نادرن ٹینری خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، انھوں نے کانپور کے مستعد قومی کارکن ڈاکٹر نعیم حامد صاحب کو جو کانپور کے مشہور و کامیاب سرجن ہیں، اس کا ذمہ دار بنایا اور وہ صدر مجلس استقبالیہ قرار پائے، اور ۴، ۵ مارچ ۱۹۸۹ء کو وہاں اس کا اجلاس ہونا طے پایا، اور حلیم مسلم ڈگری کالج کے میدان میں اس کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا، یہ اجلاس بعض انتظامی دقّتوں کے باوجود ممتاز علماء، بورڈ کے ارکان اور ملک کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے دانشوروں اور قائدین کی موجودگی اور اہلِ شہر کی دلچسپی کے لحاظ سے خاصہ کامیاب رہا، راقم اور خصوصی مہمانوں کا قیام زیادہ تر نادرن ٹینری جاجمؤ میں رہا، جہاں اس کے مالکان معید احمد صاحب اور ان کے برادران نے ہر طرح سہولتیں مہیّا کیں۔

راقم نے اپنے خطبۂ صدارت میں اسلامی قانون کی بہتری اور قرآنی شرعی تعلیمات کی برتری کے بارے میں متعدّد فضلائے مغرب و ماہرینِ قانون کے اعترافات اور مذہب و اخلاق کی مستند عالمی شہرت کی کتابوں کے اقتباسات

پیش کئے، پھر یورپ کا معاشرہ انتشار و زوال کے جس آخری مرحلہ اور وہاں کی عائلی زندگی، ابتری اور معاشرتی ربط و تعلق کی کمزوری کی جس آخری حد تک پہونچ چکی ہے، اس پر ایک نظر ڈالی، وہاں کی زندگی جس بحران (CRISIS) سے دوچار ہے، خود وہاں کے دانشوروں کے بیان سے اس کی تصویر پیش کی، پھر بتایا کہ ہندوستان جیسے وسیع اور کثیر المذاہب ملک میں مذہبی آزادی اور ملّی تشخّص کا بقا ہر طرح سے مناسب اور ضروری ہے، اور اسی سے ملک کے مختلف فرقے، آبادی کے مختلف النوع عناصر مطمئن ہوں گے، اور ان کی صلاحیتیں اور توانائیاں اپنے مذاہب اور عقائد، اپنے تمدنوں اور تہذیبوں اور اپنے معاشرتی و عائلی اصولوں اور نظاموں کی حفاظت اور دفاع میں صَرف ہونے کے بجائے ملک کی تعمیر و ترقی، اس کی سالمیت کی حفاظت اور اس کے استحکام اور بین الاقوامی عزّت و مقام کے کام پر مرکوز ہوں گی، اسی بنا پر دفعہ ۲۵ دستورِ ہند میں شامل کی گئی جس کا تعلق بنیادی حقوق سے ہے، لیکن دستور میں دفعہ ۴۴ کی شکل میں یکساں مدنی قانون (UNIFORM CIVIL CODE) کی دفعہ کی شمولیت ایک کھلا ہوا تضاد اور دستور سازی کا معمّہ ہے، پھر اس کے محرّکات بیان کئے گئے اور بتایا گیا کہ یکساں مدنی قانون ملک کی آبادی کے مختلف عناصر میں اتحاد پیدا کرنے میں ذرّہ بھر معاون نہیں، یہ بالکل عامیانہ اور سطحی نقطۂ نظر ہے جس کے خلاف کسی شہر کی عدالت میں جاکر چشم دید شہادت حاصل کی جاسکتی ہے کہ اپنے اپنے مذہب کے ایک ہی پرسنل لا کے ماننے والے نہ صرف ایک دوسرے کے خلاف مدّعی اور قانونی چارہ سازی کے طالب، بلکہ اس کی

www.abulhasanalinadwi.org

عزّت وآبرو اور جان ومال کے بھی دشمن ہیں، اس موقعہ پر ایک مشہور برطانوی ماہرِ قانون (E. BODENHEIMER) کا قول نقل کیا کہ :۔

"کسی قانونی نظام سے جس کا منشا زندگی میں یکسانیت پیدا کرنا ہو، لوگوں کے ایک بڑے طبقہ میں یہ تأثر پیدا ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا ہے تو اس قانون کو ٹوٹنے یا اس سے بچنے سے محفوظ رکھنا حکومت کے ذمّہ داروں کے لئے انتہائی مشکل ہوگا۔"[۱]

پھر مسلمانوں کو مخاطب کرکے اس دین کے سرچشمہ اور مآخذ اور اس کے ہم تک پہونچنے کے ذرائع اور ان کی محفوظیت کو بتایا گیا، اور علم وتجربہ اور وحی ونبوت کا اساسی فرق بیان کیا گیا، اور اس پر روشنی ڈالی گئی کہ مذہب کو اپنے مخصوص نظامِ معاشرت وتہذیب سے الگ نہیں کیا جاسکتا، دونوں کا ایسا فطری تعلق اور رابطہ ہے کہ معاشرت مذہب کے بغیر صحیح نہیں رہ سکتی، اور مذہب معاشرت کے بغیر مؤثر اور محفوظ نہیں رہ سکتا، اس کے بعد مسلمانوں کے عائلی قانون میں مداخلت اور سپریم کورٹ کے فیصلہ کی مختصر داستان سنائی گئی، اور اس کے مقابلہ میں ملّت نے اپنے شعور واحساس اور دینی غیرت وحمیّت کا جو ثبوت دیا اور جس طرح مسلم مطلّقہ ایکٹ پارلیمنٹ سے پاس ہوا، اس کا اجمالی ذکر کیا گیا، اور اس میں عجلت اور بعض مخالفتوں کی بنا پر جو خامیاں رہ گئیں ان کی طرف بھی اشارہ کیا گیا اور بتایا گیا کہ ان کو دور کرنے کے لئے جدّ وجہد جاری ہے۔

---

[۱] E. BODENHEIMER, JURISPRUDENCE, HARWARD, p. 212.

www.abulhasanalinadwi.org

پھر اس مجمع کو ایمانی و قرآنی زبان میں خطاب کرتے ہوئے خود مسلمانوں کی عملی زندگی کا محاسبہ کیا گیا، اور ان کی ان معاشرتی خرابیوں اور ہمسایہ قوم سے اخذ کی ہوئی شادی کے رسوم و مطالبات اور غیر اسلامی اور غیر انسانی طرز عمل کی شکایت کی گئی، اور کہا گیا کہ آپ یہاں سے یہ عہد کر کے جائیے کہ اب آپ مکمل طریقہ پر قانون شریعت پر چلیں گے، جہیز اور لڑکی والوں سے مطالبات کی بدعت سے پرہیز کریں گے، ترکہ شرعی طریقہ پر تقسیم کریں گے، نکاح و طلاق شرعی طریقہ پر ہوگا، پھر بتایا گیا کہ امارتِ شرعیہ بہار و اڑیسہ کے واجب الاحترام امیر کی نگرانی میں اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے زیر اہتمام مستند علماء اور ماہرین فقہ کے ذریعہ جدید زبان و اسلوب اور ترتیب کے ساتھ آئینی قانون اور مسائل نکاح و طلاق، حقوق و فرائض کی تدوین کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔[1]

اس حقیقت کا بھی اظہار کیا گیا کہ یہ دیکھا جا رہا ہے کہ عدالتیں پارلیمنٹ کے اس پاس شدہ بل سے تجاہلِ عارفانہ برتتی ہیں، یا اس کو نظر انداز کر کے دفعہ ۱۲۵ ہی کے مطابق فیصلہ کر رہی ہیں، خود وکلاء اور ایڈوکیٹ جو طلاق دینے والے فریق (مرد) کی طرف سے بحث کرتے ہیں، وہ یا تو اس بل سے سرے سے ناواقف ہیں، یا وہ اس کو نافذ العمل ثابت کرنے کے لئے دلائل پیش کرنے، اور کامیاب بحث کرنے میں پہلو تہی کرتے ہیں، اس لئے ملک کے قانون داں طبقہ کو بھی صحیح معلومات فراہم کرنا اور اس کو صحیح صورت حال

---

[1] الحمد للہ کہ یہ کام مکمل ہو گیا اور شوال ۱۴۱۱ھ مئی ۱۹۹۱ء میں ممتاز علماء نے اس پر آخری نظر ڈال لی۔

www.abulhasanalinadwi.org

سے واقف کرنا بھی ضروری ہے اور بورڈ کو اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے

کُل ہند دینی تعلیمی کنونشن

ایک ایسے جمہوری ملک میں جہاں کی اکثریت ملک کی سب سے بڑی اقلیت (مسلمانوں) کے خمیر و مزاج، ان کی بنیادی ضرورتوں، ملّی تشخّص اور اس کے شرائط سے نہ صرف (عام طور پر) ناواقف بلکہ اس سلسلہ میں غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کی شکار ہو، (جس میں خود مسلمانوں کی اپنے اور اپنے دین کے تعارف میں کوتاہی بلکہ مجرمانہ غفلت کو بھی بہت بڑا دخل ہے) اس بات کا ہر وقت اندیشہ پایا جاتا ہے کہ اس ملک کا انتظامیہ یا مجلس قانون ساز اور تعلیمی و تربیتی سیاست پر جو عنصر حاوی اور اس کا ذمہ دار ہے، وہ بالارادہ یا بلا ارادہ (اور غالباً بلا ارادہ زیادہ) ایسے قوانین وضع کرے، یا ایسی شرائط یا پابندیاں عائد کرے جس سے خاص عقیدہ و کردار اور ملّی تشخّص رکھنے والی یہ ملّت نئی مشکلات اور خطرات سے دوچار ہوتی رہے، اور کم سے کم اس کی آئندہ نسل نہ صرف ذہنی اور تہذیبی ارتداد بلکہ دینی و اعتقادی ارتداد کے خطرہ سے بھی محفوظ نہ رہے، خاص طور پر جبکہ پرائمری سے لے کر اسکول اور کالج تک کا سرکاری نصاب، دیومالائی قصّوں اور عقیدۂ توحید اور رسالت سے متضاد مواد پر مشتمل ہے، اور یہ بات صرف "اندیشہائے دور دراز" اور زُود حسی (SENSITIVENESS) پر مبنی نہ ہو، بلکہ وہ واقعات کا منطقی نتیجہ اور ایک بدیہی حقیقت بن جائے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت اور طویل المیعاد مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ

www.abulhasanalinadwi.org

کی صدیوں کی طویل تاریخ، حکومتوں اور معاشروں کی تبدیلی اور انقلابات زمانہ کے باوجود ملّت کی اپنے دین سے وابستگی اور اس کا اعتقادی، علمی نیز فکری اور ثقافتی تسلسل، بے لوث اور صاحب عزم داعیوں اور مبلّغوں کی جدّ و جہد، دینی تعلیم کے امکانات و مواقع، اور ان کے آزاد مراکز (دینی مدارس) کی موجودگی کا نتیجہ ہے جس نے اس اعتقادی تسلسل اور ملّی تشخّص کو ٹوٹنے نہیں دیا، اور ملّتِ اسلامیہ کسی ایسے عمومی اور واضح انحراف اور ان کا دین کسی ایسی بنیادی و ہمہ گیر تحریف کا شکار نہیں ہونے پایا جس کی مثالیں ایک نہیں متعدد مذاہب اور اُن کے پیروؤں اور منتسبین میں تاریخ کے صفحات پر بھی نظر آتی ہیں، اور اُن کے حلقہائے اثر اور مرکزوں میں بھی دیکھنے میں آتی ہیں، اس لئے ہندوستان کے جیسے ملک میں یہ ملّت اسلامیہ کی ایسی بنیادی ضرورت اور شرطِ حیات ہے، جو اس کے زندہ رہنے کے لئے ہوا، پانی اور غذائی اور طبعی ضرورتوں سے کم اہم نہیں، اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کو اپنی آئندہ نسل کو اپنے بنیادی عقائد اور اپنے ملّی تشخّص کے مطابق تعلیم دینے کی آزادی حاصل ہو، اور وہ دینی تعلیم کے آزاد مکاتب و مدارس قائم کرسکے، اور قائم رکھ سکے۔

سب جانتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنے دین سے جو ربط و تعلق ہے اور اسلام کے مبادی و ضروریات سے اُن کو جو کچھ آگاہی و واقفیت حاصل ہے، اور ان کو وقتاً فوقتاً جو دینی رہنمائی ملتی رہتی ہے، نئے پیش آنے والے مسائل کا جو دینی حل اور صحیح طریق کار ان کے سامنے آتا ہے، نیز دین سے ناواقفیت، ہوائے نفس یا ہمسایہ قوموں کے اثر سے ان میں جو دینی انحراف پیدا ہوجاتا ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

اور وہ غیر اسلامی طریق زندگی اختیار کر لیتے ہیں، اس کے خلاف انھیں مرکزوں اور اس کے نمائندوں کی طرف سے آواز اُٹھتی ہے اور اُن کو شریعت اسلامی پر عمل کرنے اور ان بیماریوں اور خارجی حملوں سے بچنے کا سامان فراہم کیا جاتا ہے، اس لئے یہ مسلمانوں کی ایک بنیادی ضرورت اور شرط حیات ہے کہ اُن کی دینی تعلیم کے مرکز (مکاتب اسلامیہ اور مدارس عربیہ) باقی رہیں، اور آزادی سے اپنا کام کرتے رہیں، اور وہ خلوص اور ایثار باقی رہے جو ملّت اسلامیہ کی دینی تعلیم اور دعوت کا کام کرنے والوں اور علوم اسلامیہ کے تسلسل کو باقی رکھنے والے مدارس کا شروع سے شعار رہا ہے، اسی کی بدولت حکومتوں کے انقلابات، حالات کے تغیّر اور سیاسی اور اقتصادی تبدیلیوں اور مشکلات کے باوجود ہندوستان میں داخلۂ اسلام سے لے کر اس وقت تک تعلیم و تبلیغ کا کام بلا انقطاع اور تعطّل ہوتا رہا ہے۔

اس حقیقت کے پیش نظر ایسے قوانین کا وقت پر نوٹس لینا ضروری اور اُن کو ختم کرانے یا اُن سے مستثنیٰ ہونے کی جدوجہد ایک اہم ملّی ضرورت اور وقت کا تقاضہ ہے، جو اُن مکاتب و مدارس کے یا تو تعطّل کا ذریعہ بن جائیں، یا وہاں یہ خدمت انجام دینے والے نہ ملیں، ۱۹۸۹ء کے وسط میں ریاست اُتّرپردیش میں دو قانون ایسے سامنے آئے جن سے یہ خطرہ واضح طریقہ پر سامنے آگیا جن میں سے ایک مکاتب اور مدارس کے لئے (MINIMUM WAGES) کم سے کم اجرت کا قانون اور رجسٹریشن کا مسئلہ جس سے ان اداروں کا وجود خطرہ میں پڑ گیا جو نیز ہائی اسکول

www.abulhasanalinadwi.org

کو اقلیتی حیثیت نہ دینے کا فیصلہ کیا گیا، بڑے عصری تعلیمی اداروں کو بھی اس سے محروم رکھا گیا، دوسرا اہم مسئلہ یہ تھا کہ عربی مدارس کی اقامت گاہوں کو یتیم خانوں کے زمرہ میں شامل کر کے انھیں رجسٹریشن کا پابند کرنے کی کوشش کی گئی، جس کا تعلق وزیر ہیرچین سماج سے تھا۔

اس خطرناک اقدام اور نازک صورت حال کے خلاف مسلم مجلس اور اہل الرائے نے آواز بلند کی، مئی کی آخری تاریخوں میں جمعیۃ العلماء ہند نے لکھنؤ میں ایک جلسہ کیا، جس میں اُس وقت کے چیف منسٹر نرائن دت تیواری صاحب نے حاضرین کو اطمینان دلایا کہ کم اجرت کے قانون کا مکاتب اور مدارس پر اطلاق نہ ہوگا، اور وہ مستثنیٰ قرار دیئے جائیں گے لیکن زیادہ سنجیدگی سے غور کرنے والوں اور پچھلے تجربات سے فائدہ اٹھانے والے اشخاص نے اس زبانی اعلان کو کافی نہیں سمجھا، اور اس کی منسوخی کے لئے زیادہ اطمینان بخش قانونی اور دستوری اقدام کو ضروری سمجھا، اس کے لئے دینی تعلیمی کونسل اُتّرپردیش نے لکھنؤ میں یکم اور ۲ جون ۸۹ء کو کُل ہند پیمانہ پر ایک دینی تعلیمی کنونشن کے انعقاد کا فیصلہ کیا جس میں پورے ملک کے منتخب علماء کرام کے علاوہ تعلیمی اداروں کے ذمہ داروں کو بھی شرکت کی دعوت دی، اس کنونشن کے انعقاد کے لئے (شہر میں وقت پر کوئی مناسب جگہ نہ ملنے کی وجہ سے) دارالعلوم ندوۃ العلماء کا انتخاب کیا گیا اس تحریک اور اس کے نظم و انتظام میں راقم کے رفیق کار اور دینی تعلیمی کونسل اُتّرپردیش کے سکریٹری ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین صاحب قریشی کی سرگرمی

www.abulhasanalinadwi.org

اور محنت کا بڑا حصہ تھا، جنھوں نے اپنے رفقائے کار اور لکھنؤ کے احباب کے ذریعہ دور دور اس کی دعوت پہونچائی اور اس کا وسیع انتظام کیا، اس کنونشن میں جو ۱۲/ جون ۸۹ء کو کتب خانہ علّامہ شبلی نعمانی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے زیریں ہال میں منعقد ہوا، ملک کے مختلف دینی حلقوں اور ملّی تنظیموں کے مؤقر نمائندے شریک ہوئے، جن میں جماعتِ اسلامی کے ذمّہ دار اور نمائندوں میں مولانا افضل حسین صاحب، مولوی سراج الحسن صاحب،.........

.... اور مولوی عبدالغفّار صاحب ندوی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، مولانا قاری سید صدّیق احمد صاحب ناظم مدرسہ عربیہ باندہ باوجود ضعف و علالت کے تھوڑی دیر کے لئے تشریف لائے، شہر اور بیرون شہر کے ملّی مسائل سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب بڑی تعداد میں شریک تھے۔

اس کنونشن کی صدارت مولانا سید منّت اللہ صاحب رحمانی امیر شریعت بہار و اڑیسہ و سکریٹری جنرل آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے فرمائی.....

راقم سطور نے مجلس استقبالیہ کے صدر کے فرائض انجام دیئے اور مطبوعہ خطبۂ استقبالیہ پڑھا، اس میں علم و تعلیم کی اشاعت و عمومیت کی تحریک اور سعی و جہد کا خلوص و ایثار، سادگی و جفاکشی، اور علمی نمونہ و کردار کے ساتھ جو دائمی ربط و تعلق رہا ہے، اور اس کے ملت و معاشرہ میں جو عمیق، نفسیاتی، و اخلاقی اثرات مرتّب ہوتے ہیں، ان کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید اور تاریخ اسلام اور علم و تجربہ سے اس کے شواہد اور دلائل کا ذکر کیا، اور اس حقیقت کا بھی اظہار کیا کہ اس آزاد دینی تعلیم کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ سلاطینِ وقت کے

www.abulhasanalinadwi.org

غلط اور بعض اوقات مخالفِ اسلام اور ماحیِ دین رُجحانات، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر کبھی کبھی دین کی بیخ کنی اور استیصال کی منظم کوششوں کا اثر بھی مسلم معاشرہ پر نہیں پڑ سکا، اور درباریوں اور خوشامدیوں کے ایک مختصر حلقہ میں محدود ہو کر رہ گیا، انگریزی حکومت نے اپنے اقتدار اور تسلّط اور تعلیمی نظام اور سوچے سمجھے منصوبہ کے ذریعہ مسلمانوں کے تعلیمی مراکز کے بقاوحیات کے سرچشموں کو خشک کرنے کی ایسی منظم کوشش کی جس کے بعد ان مدارس اور اس دینی تعلیم کے نظام کا باقی رہ جانا ایک معجزہ سے کم نہیں، اور وہ (تاریخی تجزیہ اور فلسفۂ حیات کی رو سے) محض مسلمانوں کے عزم اور قوت ایمانی اور شروع سے دینی تعلیم کے آزاد رہنے کا نتیجہ تھا، اس سلسلہ میں ذمہ دار انگریزوں اور مصنّفین و مؤرخین کے اقتباسات بھی پیش کئے گئے، آخر میں حاصل کلام کے طور پر کہا گیا :—

"حضرات!

گذشتہ بیان اور معروضات سے یہ ثابت ہو گیا کہ کسی ملک میں دین سے وابستگی اور ملّت کے تشخّص کا بقا دینی تعلیم کے حکومت کی ان پابندیوں سے آزاد رہنے اور ان قوانین سے مستثنیٰ ہوتے میں مضمر ہے، جو ملک کی مادّی ضرورتوں کی تکمیل اور عام نظم و نسق کے شعبوں کے لئے ضروری یا مفید ہو سکتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اگر ذمّہ دارانِ حکومت صحیح معنی میں حقیقت پسند اور مُحبِّ وطن ہوں تو ان کو ہر ایسی کوشش اور ہر ایسے ادارہ کو نہ صرف باقی رہنے کی اجازت دینی چاہیئے، بلکہ اس کی ہمّت افزائی اور قدر دانی کرنی

www.abulhasanalinadwi.org

چاہئے، جو ملک میں علم و خواندگی، اور ثقافت و تہذیب کی اشاعت و ترقی اور اُن کی توسیع میں مدد دے کہ اس وسیع، طویل و عریض، اور کثیر آبادی کے ملک میں اگر کوئی شخص درخت کے نیچے بیٹھ کر جسم و جان کا رشتہ قائم رکھنے والی خوراک اور بقدر ستر پوشی پوشاک پر قناعت کرتے ہوئے تعلیم و تربیت کا کام کرتا ہے تو ہر محبِّ وطن انسان اور علم کے کے ہر قدردان کو اس کا نہ صرف خیر مقدم کرنا چاہئے بلکہ اس کا شکر گذار ہونا اور اس پر فخر کرنا چاہیئے کہ تمام زرِ سرکاری وسائل اور زیادہ سے زیادہ تعلیم گاہوں کے قیام اور ان کے لئے اساتذہ کی فراہمی کے باوجود اس ملک کی آبادی کے بڑے حصہ کو خواندہ و تعلیم یافتہ نہیں بنایا جا سکتا، چہ جائیکہ اخلاق و سیرت کی تعمیر ہو، اور باکردار شہری پیدا ہوں۔

اسی بنا پر ہم حکومت کے ان قوانین و ضوابط کے خلاف احتجاج کرنے پر مجبور ہیں، جو آزاد دینی تعلیم اور آزاد مدارس و مکاتب کے قیام اور ان کے آزادی سے تعلیمی خدمت اور علم و ثقافت کی اشاعت اور مسلمانوں کو اپنے دین سے اس درجہ واقف کرانے کے کام میں خلل انداز ہوں جو ان کے لئے مذہبی طور پر ضروری ہے، اور وہ تعلیم گاہیں یا تو قائم نہ ہو سکیں، یا اگر قائم ہیں تو باقی نہ رہ سکیں، مثلاً کم سے کم تنخواہ و معاوضہ (MINIMUM WAGE) کا قانون، یا مدارس و مکاتب کے لئے اپنے قیام و جواز کے لئے لائسنس لینے کی پابندی، جو حکومت کے دوسرے شعبوں

www.abulhasanalinadwi.org

جن کا نظم ونسق (ADMINISTRATION) یا محنت (LABOUR) سے
تعلق ہے، کے لئے موزوں ہیں، لیکن دینی مدارس ومکاتب کے لئے
جن کا شعار اور طاقت وخصوصیت زمانۂ قدیم سے لے کر اس وقت
تک ایثار وقناعت رہی ہے، اور ہمیشہ رہنا چاہئے، ناموزوں
اور سخت مضرت رساں ہیں، ہم اپنا جمہوری، مذہبی، اخلاقی اور
شہری حق سمجھتے ہیں کہ اس کے خلاف آواز بلند کریں کہ ملک کے
دستور نے ہر اقلیت اور ہر اکائی کو اس کی اجازت دی ہے کہ وہ
اپنی پسند کے مدارس قائم کرے، اور اپنی پسند اور صوابدید کے مطابق
ان کو چلائے، ہم خالص حب الوطنی اور ہندوستان کے لئے اس کو
باعثِ فخر سمجھنے کی بنا پر بھی یہ کہتے ہیں کہ تعلیم وتربیت اور ثقافت
وتہذیب کے پھیلانے میں ایثار وقربانی کی اس روایت کو جو ہندوستان
کی قدیم تاریخ کا بھی طرۂ امتیاز رہا ہے، باقی رہنا چاہئے۔

آخر میں بڑی معذرت کے ساتھ ایک تلخ حقیقت کی طرف بھی
توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ان مدارس ومکاتب کے سرکاری الحاق اور
سرکاری امداد قبول کر لینے کے بعد یہ اندیشہ ہے (جو واقعہ بن کر
سامنے آگیا ہے) کہ ان مدارس کا عوام سے رابطہ بھی ٹوٹ جائے، اور
وہ مقصد بھی حاصل نہ ہو، جس کے لئے سرکاری امداد اور ایڈ قبول
کی گئی ہے کچھ عرصہ پہلے پٹنہ کے ایک جلسہ میں شرکت کے موقعہ پر جو امارتِ
شرعیہ بہار کے قائم کردہ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ کی

www.abulhasanalinadwi.org

یادگار میں اسپتال کے افتتاح کے لئے منعقد کیا گیا تھا، اور جس میں بہار کے چیف منسٹر بھی شریک تھے، ایک عربی مدرسہ کے ذمہ دار نے تقریر میں کہا کہ "کچھ مہینے سے ہم کو سرکاری امدادی رقم نہیں ملی، ہمارے بچے فاقہ کر رہے ہیں" یہ بہار کا حال تھا جہاں اکثر مدارس عربیہ سرکاری امداد قبول کر چکے ہیں، ابھی چند ہی دن پہلے ۱۳ رمئی کے "قومی آواز" (لکھنؤ) میں جھانسی کے ایک دینی مدرسہ کے صدر مدرس یا مہتمم صاحب کا مراسلہ شائع ہوا ہے، اس میں صاف لکھا گیا ہے کہ پانچ مہینے سے ہم کو سرکاری امداد نہیں ملی، اور ہمارے بچے فاقہ کر رہے ہیں، ایسی حالت میں بڑے ٹوٹے کا سودا ہو گا کہ ہمارا رشتہ عوام سے بھی ٹوٹ جائے اور ہم ان کی ہمدردی اور اعانت سے بھی محروم ہو جائیں، اور حکومت کے تغافل یا اس کے نظم و نسق کی طوالت کا بھی شکار ہوں، اس طرح (بہت معذرت کے ساتھ) صرف اس مصرعہ پر اکتفا کروں گا کہ۔ ع

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

میں ایثار و قربانی کی اس دعوت کے ساتھ جو کسی نہ کسی درجہ میں دینی تعلیم کے بقا و ملت کے تشخص کی حفاظت کے لئے ضروری ہے، حقائق اور زندگی کی طبعی و فطری بلکہ شرعی ضروریات سے چشم پوشی نہیں کر سکتا، مدارس و مکاتب کے اساتذہ و منتظمین کے لئے بقدر ضرورت و باعزت معاشی انتظام کی بے شک ضرورت ہے، مدارس کے ذمہ داروں کو اس پر ہمدردانہ غور کرنا اور اس تقاضہ کو اپنے وسائل

www.abulhasanalinadwi.org

اور دائرۂ اختیار میں رہ کر پورا کرنا ضروری ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ اساتذہ اور مدارس و مکاتب کے کارکنوں اور خدمت گذاروں کو کسی نہ کسی درجہ میں ایثار و قناعت سے کام لینے اور ایمان و احتساب (اللہ کے وعدوں پر یقین اور اس کے اجر و ثواب کی امید میں کام کرتے) کے ساتھ اس چراغ کو روشن رکھنے اور اس کی روشنی دور دور اور دیر دیر تک پہونچاتے رہنے کی کوشش و جانفشانی بھی جاری رکھنی چاہیئے کہ اس دین کا ماضی، حال اور مستقبل ایمان و یقین، ایثار و توکّل اور عزم و ہمّت سے وابستہ رہا ہے، اور رہے گا، اور یہی جوہر ہر طرح کے بدلے ہوئے حالات اور تیز و تُند آندھیوں میں بھی اس چراغ کو گل ہونے سے بچاتا رہا ہے اور بچاتا رہے گا۔ بقول اقبالؒ ؎

ہوا ہے گو تُند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

میں مزید اقبالؒ کے ان اشعار پر گذارش کا اختتام کرتا ہوں کہ ؎

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک — اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم
دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامانِ موت — فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

اس اجلاس میں محترم سعید الحسن صاحب وزیر محنت و اوقاف نے چیف منسٹر صاحب کا پیغام پڑھ کر سنایا جس میں اعلان تھا کہ دینی مکاتب و مدارس MINIMUM WAGE ACT سے مستثنیٰ کر دیئے گئے ہیں، حاضرین کے ایک حصّہ میں

www.abulhasanalinadwi.org

پچھلے تجربوں کی روشنی میں اس کا کچھ اچھا استقبال اور ردِّ عمل نہیں ہوا جس کو منتظمین نے پسند نہیں کیا، ذمہ دار مطمئن تھے کہ اس کے لئے بڑی طویل اور مسلسل کوشش کی ضرورت ہوگی، اور اس کو ایک مستقل دفعہ اور قانون کی شکل میں لانے کے لئے جدوجہد کرنی پڑے گی۔

ضابطہ کے اس اجلاس کے علاوہ جو مدعوین اور مندوبین پر مشتمل تھا، دار العلوم ندوۃ العلماء کے وسیع میدان میں رات کو ایک اجلاس عام ہوا، جس میں مختلف اضلاع اور ان کے قصبات اور دیہاتوں کے آئے ہوئے صدہا مسلمان شریک تھے، اس اجلاس میں ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی، سید حامد صاحب نے تجاویز وغیرہ پڑھ کر سنائیں اور عزیزی مولوی سید سلمان حسینی ندوی استاد دار العلوم نے مفصل و مؤثر تقریر کی۔

راقم سطور نے پارۂ اول کی آخری آیتوں میں سے آیت:-

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ اِذْ حَضَرَ	بھلا جس وقت یعقوبؑ وفات
يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ	پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے
لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ	جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا
قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ	کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟
اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ	تو انھوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور
وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ	آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسمٰعیل
وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝	اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے،
(سورۃ البقرۃ ـ ۱۳۳)	جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں۔

تلاوت کرکے اس کا ترجمہ کیا اور سامعین کو توجہ دلائی کہ باوجود اس کے کہ یہ پیغمبر اور پیغمبر زادوں کا گھرانہ تھا، جس میں توحید اور اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کے سوا نہ کوئی اور تعلیم تھی نہ عمل، نہ ماحول اور فضا، پھر بھی عقیدہ وعمل اور توحیدِ خالص کی اہمیت اور فکر، اور اپنی نسل کے اس عقیدہ وعمل سے دائمی وابستگی کے خیال سے کہ۔ ع

عشق است و ہزار بدگمانی

حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں، پوتوں اور نواسوں کو جمع کرکے دریافت کیا کہ عزیزو! میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟ ان فرزندوں اور نبی زادوں نے اس کے جواب میں یقیناً یہ کہا ہوگا کہ ابّا جان، دادا جان، نانا جان آپ نے ابھی تک ہم کو تعلیم ہی کیا دی؟ اور کس چیز کا پابند بنایا؟ یہی توحید خالص اور عبادت الٰہِ واحد، پھر آپ کو ہمارے مستقبل کے بارے میں کیوں شک ہے؟ کہ ہم آپ کی آنکھ بند ہوتے ہی دوسرے راستہ پر پڑ جائیں گے؟ حضرت یعقوبؑ نے (زبان حال سے) یہی کہا ہوگا کہ فرزندو میری پیٹھ قبر سے نہیں لگے گی جب تک دنیا سے یہ اطمینان لے کر نہ جاؤں کہ میرے بعد بھی تم سب خدائے واحد کے پرستار اور دینِ ابراہیمی کے علمبردار رہوگے۔

پھر میں نے سامعین کو مخاطب کرکے پوچھا کہ یہ اطمینان وضمانت نہ ہونے کے باوجود جو حضرت یعقوبؑ کے گھرانہ کو حاصل تھی اور ناسازگار بلکہ مخالف اثرات وخطرات کی موجودگی میں ہم میں آپ میں سے کتنوں کو اس کی فکر اور اہتمام ہے کہ ہماری آئندہ نسل اسلام اور دین محمدیؐ پر قائم اور عقیدۂ توحید پر

www.abulhasanalinadwi.org

اور عبادت الٰہی پر ثابت قدم اور استوار رہے گی؟ اور کتنے ہیں جو اس کے قائم رہنے کے لئے ضروری تعلیم و تربیت، دعوت و نصیحت کا اہتمام اور مکاتب و مدارس کے قیام کی فکر اور انتظام میں مصروف ہیں؟ پھر ان خطرات کی نشاندہی کی گئی جو اس وقت درپیش ہیں، اور اجلاس کے انعقاد کی ضرورت اور غایت اور اس کی مختصر تجاویز پڑھ کر سنائی گئیں، امید ہے کہ یہ کوشش رائگاں نہ گئی ہوگی، اور ریاست کے دور و قریب سے سیکڑوں کی تعداد میں آنے والے مسلمانوں نے دینی تعلیم کی اہمیت اور مکاتب و مدارس کے قیام کی ضرورت محسوس کی ہوگی۔ "وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ"۔

ترکی اور انگلستان کا سفر

۱۲ / ۱۶ / اگست ۱۹۸۹ء کو استنبول (قسطنطنیہ) ترکی میں رابطۂ ادبِ اسلامی کی عالمی کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا، جہاں موسم گرما کی تعطیلات میں سعودی عرب کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور عرب ادباء و اہلِ قلم ایک بڑی تعداد میں (ان سہولتوں کی بنا پر جن کا تذکرہ پیشتر ہو چکا ہے) گرمی کی تعطیل گزارتے ہیں، ان میں ایک اچھی تعداد عالمی رابطۂ ادبِ اسلامی کے عرب ارکان کی بھی ہوتی ہے، اس بنا پر بھی اور اس وجہ سے بھی کہ ترکی میں زندگی اور علم و فکر کے مختلف شعبوں میں اسلامی رجحان بڑھ رہا ہے، وہاں اس سال بھی رابطہ کی کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا، اس کا خاص موضوعِ بحث "بچوں کے لئے اسلامی ادب" قرار دیا گیا، ترکی کے اسلامی رجحان رکھنے والے

www.abulhasanalinadwi.org

ادباء نے اس کا خیر مقدم کیا، اور میزبانی اور انتظام کی ذمہ داری لی، اُن میں ایک اسلامی رجحان رکھنے والے ترکی کے مشہور ناول اور ڈرامہ نگار اور ادبی رسالہ کے ایڈیٹر علی نار خاص طور پر پیش پیش تھے، ہندوستان میں بھی رابطہ کے اہم ارکان اور مختلف یونیورسٹیوں کے شعبۂ عربی کے صدور اور اساتذہ کو (جن میں ایک بڑی تعداد ندوی فضلاء کی ہے) شرکت کی دعوت دی گئی، اور متعدّد یونیورسٹیوں نے ان کو نمائندگی اور سفر کی سہولت بہم پہونچائی، رابطہ کی ہندوستانی شاخ کے اہم ارکان و ذمہ دار مولوی سید محمد رابع حسنی ندوی، مولوی سعید الاعظمی ندوی اور رابطۂ ادب اسلامی ہند کے آفس سکریٹری نور عظیم ندوی کے ماسوا (جو اپنی انتظامی ذمہ داریوں کی وجہ سے اور خصوصی کارکن ہونے کی حیثیت کی بنا پر شریک ہوئے) ڈاکٹر سید ابراہیم ندوی صدر شعبۂ عربی عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد، ڈاکٹر محمد محسن عثمانی ندوی ریڈر شعبۂ مطالعات شرق اوسط، نہرو یونیورسٹی دہلی، ڈاکٹر سید طفیل احمد مدنی ریڈر شعبۂ عربی الٰہ آباد یونیورسٹی اس کانفرنس میں شریک ہوئے۔

عزیزی محمد رابع ندوی کے علاوہ جو ان سفروں میں عام طور پر رفیق سفر و معاون ہوتے ہیں، اور بحیثیت رابطہ کے جنرل سکریٹری، اور نائب صدر ہونے کی حیثیت سے ان کی شرکت ضروری اور قدرتی تھی، راقم کی رفاقت و اعانت کے لئے عزیزی الحاج سید غلام محمد انجینیر حیدر آبادی نے بھی معیّت اختیار کی جو راقم کی صحت و عمر کے پیش نظر اور ان کے خلوص و سعادت کی بنا پر بہت قیمتی تھی، اور اس سے راحت و سہولت حاصل ہوئی، کویت کے راستہ سے جہاں

www.abulhasanalinadwi.org

جہاز تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرا اور عزیزانِ گرامی سید ابراہیم حسنی، سید احمد علی حسنی، اور محبّی مولوی سید بدر الحسن صاحب قاسمی سے ملاقات ہوئی، جہاز نے استنبول کا رُخ کیا، متعدد ترک احباب اور فضلاء اور جو ہندوستانی رفقاء پہلے سے پہونچے ہوئے تھے، وہ ہوائی اڈہ پر استقبال کے لئے آئے، راقم اور اس کے خصوصی رفقاء کے قیام کا انتظام مکہ ہوٹل میں کیا گیا تھا، جہاں کا ماحول پُرسکون اور مشرقی تھا۔

۱۲ر اگست ۱۹۸۹ء کو رابطہ کا افتتاحی اجلاس مکہ ہوٹل ہی کے ہال میں منعقد ہوا، اس اجلاس میں کویت کے سابق وزیر اوقاف اور موجودہ "الجمعیۃ الخیریۃ" کے ڈائرکٹر شیخ یوسف الحجّی، مشہور ادیب و مفکر محمد قطب (برادر سید قطب شہید مرحوم) ریاض لٹریری سوسائٹی کے صدر اور مشہور شاعر عبد اللہ بن ادریس، امام محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض کے پروفیسر ڈاکٹر عبد القدوس ابو صالح (نائب صدر رابطہ)، ام القریٰ یونیورسٹی مکہ مکرمہ کے پروفیسر اور ریسرچ اکیڈمی کے ڈائرکٹر محمود حسن زینی، مدینہ منورہ کے مشہور نعت گو شاعر شیخ ضیاء الدین صابونی، وجدہ یونیورسٹی (مراکش) کے ممتاز استاد و رکنِ رابطہ ڈاکٹر حسن امرانی، جامعۂ اسلامیہ مدینہ منورہ کے اہم استاد ڈاکٹر عبد الباسط بدر، ترکی و عربی دونوں زبانوں کے ادیب و شاعر عثمان ذکی شریک اجلاس تھے، چاٹگام (بنگلہ دیش) سے وہاں کے رابطۂ ادب کی تنظیم کے ذمہ دار مولوی سلطان ذوق صاحب بھی شریک ہوئے۔

اجلاس کا افتتاح ترکی کے ایک طالب علم محمد الفاتح[1] کی تلاوت قرآن سے ہوا،

---

[1] یہ بھی اس اجلاس کے لئے فال نیک تھی کہ فاتح ترکی مجاہد اسلام محمد الفاتح کے ہم نام کی تلاوت قرآن سے اس کا افتتاح ہوا۔

www.abulhasanalinadwi.org

راقم نے صدرِ تنظیم اور صدرِ اجلاس کی حیثیت سے تقریر کی اور ادب کی حقیقت اور اس کے اصل کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ لفظ "ادب" عربی زبان سے فارسی، ترکی اور اردو میں آیا ہے' اس لفظ کے معنی میں قدیم زمانوں سے اخلاق کا مفہوم شامل رہا ہے' اور یہ ہمیشہ حُسن اخلاق، شرافتِ نفس اور بلند انسانی قدروں کے لئے استعمال ہوتا رہا ہے، خود حدیث صحیح کے الفاظ ہیں "إِنَّ اللهَ أَدَّبَنِي وَأَحْسَنَ تَأْدِيبِي"[1] (میرے رب نے میری اخلاقی تربیت کی اور خوب کی) ہمارے علم میں کسی غیر اسلامی اور مغربی زبان میں "ادب" کے لئے کوئی ایسا لفظ مستعمل نہیں ہے جس میں اخلاق اور تہذیب اور اعلیٰ انسانی قدریں شامل ہوں' ادب و اخلاقِ حَسَنَہ کے اس تعلق کو اہلِ ادب کو ہمیشہ عزیز رکھنا چاہئے، خاص طور سے اس دور میں جبکہ ادب خیر و شر اور صلاح و فساد دونوں کے لئے مؤثر ذریعہ کا کام دے رہا ہے' ایسے دور میں ہر گز ہمیں گوارہ نہیں کرنا چاہئے کہ ادب و اخلاق کا رشتہ کسی طرح کمزور ہو۔

استاد محمد قطب نے اپنی تقریر میں اسلامی ادب کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اس وقت ایشیا، یورپ اور افریقہ میں بہت سے انسان ستائے جا رہے ہیں، وہ سخت مصائب کا شکار ہیں، اسلامی ادباء ان مظلوم انسانوں کے مسائل اپنے ادب میں اعلیٰ ادبی معیار اور فن کاری کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں' یہ انسانیت کی اہم خدمت ہوگی، انھوں نے بچّوں کے ادب کی طرف بھی توجہ دلائی، کانفرنس کے بعد کی نشستوں میں بھی بچّوں کے ادب پر مقالے پیش ہوئے'

---

[1] المقاصد الحسنۃ، امام سخاوی ص۲۹-۳۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ- بیروت۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور ہر مقالہ پر بحث ہوئی، ان میں اسلام کی روشنی میں بچوں کے ادب کی نظریاتی اور فنّی حدود اور خصوصیتوں کی تعیین کی گئی تھی۔

راقم کے کلیدی عربی مقالہ کے علاوہ مولوی سعید الاعظمی نے راقم کی تصنیف "قصص النّبیین للأطفال" (۱-۲-۳-۴-۵) کی فنّی اور ادبی خصوصیات پر گفتگو کی، یہ مقالہ عام طور پر پسند کیا گیا، مختلف تجاویز بھی پاس ہوئیں، اُن میں ایک تجویز میں اسلامی ادب اور تعلیمات کی روشنی میں بچّوں کے ادب پر بین الاقوامی مقابلہ کا فیصلہ کیا گیا، اور اعلان کیا گیا کہ بہترین تصنیف پر رابطۂ ادب اسلامی کی طرف سے انعام دیا جائے گا۔

ضابطہ کی ان مجالس کے علاوہ شہر استنبول میں نیز باس فورس کے کنارہ اور بعض اسلام دوست عمائد کے یہاں بھی ضیافت ظاہری و معنوی کی تقریبیں منعقد ہوئیں، عزیزیہ ندوی فاضل اور اُردو سے ترکی زبان میں اسلامی رسائل و کتب کے کامیاب مترجم یوسف کراجہ نے بھی اپنے مکان پر پُرتکلف دعوت کی جو شہر کے ایک دور دراز حصہ میں واقع ہے۔

ایک روز تُرکی کی اسلام پسند جماعت کے ایک مشہور رہنما اور سابق نائب وزیر اعظم نجم الدین اربکان بھی ہوٹل میں ملاقات کے لئے تشریف لائے، آخری دن استنبول سے کوئی ۲۵-۳۰ کلومیٹر دور ایک پُرفضا مقام پر مشاعرہ ہوا جس میں اردو، ترکی، اور عربی زبانوں میں اشعار پیش کئے گئے، ڈاکٹر سید طفیل احمد مدنی نے اپنی نعت سنائی اور راقم کی مختصر اختتامی تقریر اور دعا پر بڑی اچھی دینی فضا اور جذبات کے ساتھ (جس میں ترکی کی گزشتہ تاریخ روایات

www.abulhasanalinadwi.org

اور فضا کو بھی دخل تھا) کانفرنس ختم ہوئی، کانفرنس کے دوران عرب ممالک سے متعلق رابطۂ ادب اسلامی کے دفتر کی رپورٹ استاذ محمد حسن بُریغیش نے، برّصغیر ہند سے متعلق دفتر کے کارگذاری کی رپورٹ مولوی سید محمد رابع ندوی نے، اور جنرل سکریٹریٹ کی رپورٹ ڈاکٹر عبدالباسط بدر نے پیش کی، اور اُن پر بحث ہوئی۔[1]

شرکاء کی ایک تعداد نے ترکی کے اس تاریخی شہر اور مرکزِ خلافتِ اسلامی کے قدیم تاریخی مقامات اور آثار کی بھی سیر کی، اور راقم نے اپنے چند رفقاء کے ساتھ معمول قدیم کے مطابق "میزبانِ عالم ﷺ کے میزبان" (بقول مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ) سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک کی بھی زیارت کی اور فاتحہ پڑھا۔

استنبول کی ایک اہم تقریر "ترکی کی مجاہد ملّتِ اسلامی"

استنبول کے زمانۂ قیام اور کانفرنس کے دوران راقم سطور کی ایک اہم اور ولولہ انگیز تقریر ہوئی، جو اس قیام کی قیمت اور ترکی کی مجاہد ملّتِ اسلامی کے نام (جس کی رگوں میں اب بھی اسلامی خون اور دینی جذبات ہیں لیکن وہ ماضی قریب میں سخت آزمائش کے دَور سے گذری ہے اور اب بھی دوراہے پر کھڑی ہے) ایک اہم پیغام اور آگاہی کی حیثیت رکھتی ہے، اور اس کے بغیر استنبول کا یہ قیام اور ترکی کا سفر دعوتی حیثیت سے ناقص اور ناتمام رہتا۔

یہ تقریر استنبول کے ایک نواحی محلہ سلطان چفلی کی وسیع مسجد سلام میں

---

[1] اس کانفرنس کی روئیداد میں مولوی نورعظیم ندوی کی رپورٹ شائع شدہ "تعمیر حیات" ۲۵ ستمبر ۱۹۸۹ء سے خاص طور پر مدد لی گئی۔

www.abulhasanalinadwi.org

ایک ایسے بڑے مجمع کے سامنے ہوئی جس میں (اعلان اور تشہیر کا بڑا انتظام نہ ہونے کے باوجود) ترکی میں دعوتی کام کرنے والے کارکنوں، باہر کی آئی ہوئی تبلیغی جماعتوں کے افراد، اور دینی مکاتب و مدارس کے ذمہ داروں اور منتظمین اور ان شائقین اور سامعین کی خاصی تعداد تھی، جو مقرر کا نام سن کر یا اس کی بعض کتابوں کے ترکی تراجم کے مطالعہ کی بنا پر دور دور سے آئے تھے، خطاب اردو میں ہوا، اور ایک ترک عالم نے جنھوں نے سات سال پاکستان میں رہ کر دینی تعلیم حاصل کی اور اردو سیکھی تھی، اس کا ترکی میں ترجمہ کیا، اس تقریر میں مجاہد و فاتح اور صدیوں تک پاسبانِ خلافت رہنے والی اولوالعزم ترکی قوم کی دینی و ملّی خدمات اور اس کے مجاہدانہ و فاتحانہ کارناموں کا جوش و اثر کے ساتھ اعتراف کرتے اور اس کو اپنے شاندار ماضی کی یاد دلانے کے بعد موجودہ دور اور ماحول کی ذمہ داریوں، اسلام کی حفاظت و اشاعت، اور احیائے دین کے فریضہ کو یاد دلایا گیا اور پوری وضاحت اور جرءت کے ساتھ مستقبل کے اندیشوں اور خطرات اور ترکی قوم کی اسلام کے ساتھ وابستگی اور شیفتگی کو ختم کرنے اور اس ملک کو (خاکم بدہن) دوسرا اسپین بنانے کے لئے یورپ اور اس کے ایجنٹوں کی خطرناک سازشوں اور منصوبوں سے بھی آگاہ کیا، اور ان کو ناکام بنانے کے عزم اور تدبیر کی طرف متوجہ کیا گیا، اس کا ایک آخری حصّہ اپنی عمومی افادیت و اہمیت کی وجہ سے پیش کیا جاتا ہے، کہ رسائل اور خطبات کے محفوظ رہنے اور عام ہونے کی ضمانت مشکل ہے، یہاں اس تقریر کا آخری اور اہم تر حصّہ نقل کیا جاتا ہے:۔

"آپ یاد رکھیں کہ یورپ نے ترکی کو کبھی قبول نہیں کیا، یہ وہ نوالہ ہے

www.abulhasanalinadwi.org

جو اس سے نہ نِگلا گیا، نہ اُگلا گیا، پہلے اس نے بلقان کی ریاستوں کو بغاوت اور اس سے جنگ پر آمادہ کیا، اور ترکی کے بہت سے علاقے یورپ کے قبضہ میں چلے گئے، پھر جنگ عظیم اوّل (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) میں اتحادیوں نے ترکی کو اپنے ساتھ شامل نہیں ہونے دیا، وہ مجبوراً جرمنی کے ساتھ شامل ہوا[1]، اتحادیوں نے اس کے حصّے بخرے کر لینے اور اس کے بیرونی مقبوضات پر قبضہ کر لینے کا پورا منصوبہ بنایا جس کے نتیجہ میں شام، فلسطین، لبنان، اُردن (جو سب شام کا جز تھے) اور عراق پر اس کا اقتدار قائم ہو گیا، لیکن ترکی کا مرکز براہ راست یورپ کے قبضہ میں کبھی نہیں گیا۔

لیکن اب یورپ نے اپنا نقشۂ جنگ بدل دیا ہے، اب اس نے حملہ اسلحۂ جنگ اور فوجی طاقت کے ذریعہ سے نہیں، کلچر، ذرائع ابلاغ (PUBLIC MEDIA) نظام تعلیم اور افکار و نظریات کے ذریعہ شروع کیا ہے، یورپ، ترکی کو مسلمان نہیں دیکھنا چاہتا، اس نے زیر زمین سرنگ بچھا رکھی ہے، اور جو کام وہ اپنی فوجوں اور توپوں کے ذریعہ نہیں کر سکا، وہ اندرونی ذرائع سے کر رہا ہے، عصر حاضر کے مشہور فلسفی مؤرخ (ARNOLD TOYNBE) نے لکھا ہے کہ۔

"عربوں کے کتب خانہ اسکندریہ جلانے کی روایت تاریخی طور پر صحیح ہو یا بے بنیاد، اب کسی کو کتابی ذخیرہ کو جلانے یا کسی زبان و ثقافت

---

[1] ملاحظہ ہو حواشی حاضر العالم الاسلامی از امیر شکیب ارسلان۔

www.abulhasanalinadwi.org

کے ہٹانے کی ضرورت نہیں، رسم الخط (SCRIPT) کا بدل دینا کافی ہے، اس طرح ملک و قوم کا رشتہ ماضی سے کلّی طور پر منقطع کیا جاسکتا ہے"۔[1]

یورپ و امریکہ اور اس کے ایجنٹوں کی کوشش ہے کہ ترکی کو دوسرا اسپین بنا دیا جائے، اس لئے بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، فاتح مصر صحابیِ رسول ﷺ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی اس حکیمانہ وصیت اور تلقین کو ہمیشہ ہر زمانہ اور ہر اسلامی ملک میں یاد رکھنے کی ضرورت ہے جو انھوں نے مصر کو کلّیۃً فتح کر لینے کے بعد ایسی حالت میں کی کہ مصر کے قدیم باشندے جوق در جوق اسلام قبول کر رہے تھے، اور "يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا" کا منظر آنکھوں کے سامنے تھا، ملک کی زبان، تہذیب اور بالآخر رسم الخط بھی بدل رہا تھا، مساجد تعمیر ہو رہی تھیں، اور شعائر اسلام بلند، جزیرۃ العرب سے قریب ہونے، اسلامی فتوحات کے سیلاب اور اس کی پے در پے کامیابیوں کے پیش نظر بظاہر اس کا کوئی اندیشہ نہیں تھا کہ مصر اسلامی اقتدار کے دائرہ سے خارج ہو جائے گا، لیکن انھوں نے اپنی ذہانت، دوربینی اور اس فراست کی بنا پر جو صحبتِ نبوی ﷺ کی برکت سے ان کو حاصل ہوئی تھی، مسلمانوں اور عرب فاتحین سے کہا "اَنْتُمْ فِيْ رِبَاطٍ دَائِمٍ" تم دائمی طور پر سرحد اور مقام جنگ پر کھڑے ہوئے ہو اور دائمی ناکہ بندی کی حالت میں ہو،

---

[1] A STUDY OF HISTORY, p. 518-519

www.abulhasanalinadwi.org

اس لئے کہ برّاعظم افریقہ کی ساری قوموں، غیر مسلم حکومتوں اور آبادی کی نگاہیں تمہارے اوپر ہیں، اور ان کے دل اس طرف لگے ہوئے ہیں کہ ملک کو پھر قدیم حالت میں لے آیا جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس ملک وملت کو اسلام سے وابستہ اور پیوستہ رکھنے کی ترکیب کیا ہے؟ اس کے لئے دعوت کے بعد اپنے تجربہ، قرآن کے تدبّر اور تاریخ کے وسیع وعمیق مطالعہ کی بنا پر تین۳ باتیں عرض کرتا ہوں، اُن کو غور سے سنئے۔

۱۔ ترکی کے مسلم عوام میں ایمان وعقیدہ کی طاقت کو مزید طاقت پہونچایئے

(جس کی چنگاریاں اس کے خاکستر میں بہر حال موجود ہیں) اُن کے دینی شعور کو بیدار اور متحرک بنانے کی ضرورت ہے، ان مسلم عوام کی اسلام کے ساتھ وابستگی اور اس کے لئے گرم جوشی ایک ایسی بلند اور مستحکم فصیل اور اسلام کا آہنی حصار ہے جس کی بدولت بہت سی مسلم (یا مدّعی اسلام) قیادتوں اور حکومتوں کو کھُل کر کفر کا راستہ اختیار کرنے اور اپنے ملکوں اور ماتحت مسلم قوموں کو کفر والحاد کے آغوش میں ڈال دینے کی ہمت نہیں ہو سکتی، خدا نخواستہ اگر کسی دن یہ حصار ٹوٹ گیا اور مسلم عوام کا رشتہ اور اُن کی روحانی اور جذباتی وابستگی اسلام سے ختم ہو گئی تو پھر ان ملکوں میں اسلام کے بقا اور تحفّظ کی کوئی ضمانت نہیں، اور ان ملکوں کے اسپین اور روسی ترکستان بنا دینے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی، یہ وہ خام مال (RAW MATERIAL) ہے جس سے بہترین انسانی مصنوعات تیار

www.abulhasanalinadwi.org

مكتبة العلامة عبد الحي الحسني
دار عرفات رائے بریلی یو پی

۹۲۹
۱۱۶۳

کی جا سکتی ہیں، اور مردم سازی اور آدم گری کا کام لیا جا سکتا ہے صدہا خامیوں اور قابلِ اصلاح پہلوؤں کے باوجود یہ وہ انسانی مجموعہ ہے، جس پر پیغمبرانہ توجہات اور اہلِ قلوب اور اہلِ خلوص کی محنتیں صرف ہوئی ہیں، اور وہ آج بھی اپنے خلوصِ قلب، اپنی محبت، گرم جوشی اور ایثار و قربانی کے جذبہ اور صلاحیت میں دوسری انسانی جماعتوں اور مذہبی قوموں سے فائق اور ممتاز ہے۔[۱]

اسی کے ساتھ ضروری ہے کہ ان عوام کی زندگی میں اسلام پورے طور پر کارفرما اور حکمراں ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا	مومنو! اسلام میں پورے پورے
فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا	داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے
خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ	پیچھے نہ چلو وہ تو تمہارا صریح
عَدُوٌّ مُبِينٌ (سورۃ البقرہ ۲۰۸)	دشمن ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی زندگی میں سو (۱۰۰) فیصد مسلمان ہونا چاہیئے، دس (۱۰) فیصدی اور بیس (۲۰) فیصدی اسلام پر عمل کرنے سے کام نہیں چلے گا، یہ نسبت تعلیم میں، ملازمتوں میں اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں چل سکتی ہے، عقائد پر مضبوطی سے قائم رہنا، فرائض اور عبادات کا پابند ہونا، اور بعض اسلامی شعائر اور علامتوں کا حامل ہونا کافی نہیں، ضروری ہے کہ معاشرت بھی اسلامی ہو، تمدن بھی اسلامی ہو، عائلی قانون

۱؎ ماخوذ از رسالہ مصنف "پندرہویں صدی ہجری ماضی و حال کے آئینہ میں" ص۱۵

www.abulhasanalinadwi.org

(PERSONAL LAW) میں بھی شریعت کے احکام پر عمل ہو، حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد بھی ادا کئے جائیں، پھر اس کے ساتھ دین کی محبّت کے ساتھ دین کی حمیّت بھی ہونی چاہیئے۔

ایمان عوام کا بڑا محافظ اور فصیل ہے، یہ وہ قلعہ ہے جو آسانی سے فتح نہیں ہو سکتا، اس لئے پہلا کام یہ ہے کہ پوری قوم کو پوری طرح مسلمان بنانے کی کوشش کیجئے، اس کے لئے دعوتِ عام کا راستہ اختیار کیجئے، نقل و حرکت، خطاب و دعوت اور سفروں کی صعوبت برداشت کیجئے، اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل سے سبق لیجئے کہ انھوں نے (جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے) آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل ہونے، اور ہمہ وقت صحبت و عباداتِ جلیلہ کے ساتھ (جن کی اللہ نے اُن کو توفیق دی) اعلائے کلمۃ اللہ اور دین کی اشاعت کے لئے بڑی عمر میں بھی باہر نکلنا ضروری سمجھا، اور مدینہ سے چل کر (جس میں ہر مسلمان کو مرنے اور اس کی خاک پاک میں جگہ پانے کی آرزو ہوتی ہے) بحر و بر طے کر کے قسطنطنیہ جیسے دُور دَراز مقام پر تشریف لائے، اور اس کو اپنا آخری مرقد بنایا۔

۲۔ دوسرا کام یہ ہے کہ اپنی آئندہ نسل کو مسلمان رکھنے کی کوشش کیجئے ایسا نہ ہو کہ آپ کی آئندہ نسل صرف تُرکی زبان جانتے، صرف سرکاری اسکولوں میں اس نے تعلیم پائی ہو، دین کے بارے میں اس کی کچھ معلومات نہ ہوں، اگر آپ سب کے سب ولیّ اللہ اور تہجد گذار بن جائیں (اور

www.abulhasanalinadwi.org

خدا ایسا کردے) لیکن اگر آپ نے اپنے بچّوں کی دینی تعلیم سے غفلت برتی تو خطرہ موجود ہے، آپ کے بعد مسجدوں کو کون آباد کرے گا؟ اسلامیت کا یہ تسلسل جو آپ کو من جانب اللہ اور حقّانی داعیوں اور مبلّغوں، علمائے ربّانیین، اور مخلص اور سرفروش مجاہدین اور فاتحین کے ذریعہ حاصل ہوا، کیسے قائم رہے گا؟ آپ دیکھئے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جو انبیاء کی تیسری پشت میں تھے، انھوں نے اس کو کافی نہ سمجھا، اپنے فرزندوں، نواسوں اور پوتوں کو جمع کیا، ان سے کہا "مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ" تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے۔[1]

۳۔ تیسری بات جو مجھے کہنی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کا دین پر عمل کرنا مبارک، یہ نقل و حرکت، دعوت و تبلیغ مبارک، دینی مدارس میں فقہ و حدیث اور عربی تعلیم پانا اور قرآن مجید کا حفظ و تجوید مبارک، اور اپنے بچّوں کے دین و ایمان کی حفاظت کی فکر کرنا بھی مبارک، لیکن ایک بات اور ہے جو کچھ کم اہم نہیں، اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جو طبقہ کالجوں، یونیورسٹیوں میں تعلیم پارہا ہے (اور وہی تعداد میں زیادہ اور اثر و رسوخ میں بڑھا ہوا ہے) اور جو نوجوان یورپ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے واپس آرہے ہیں، یہی طبقہ ہر ملک میں ملک پر حاوی اور بااثر ہوتا ہے، وہی قیادت کرتا ہے، وہی پلاننگ (منصوبہ بندی) کرتا ہے، وہی ملک کا رُخ متعین کرتا ہے، اسی کا طرز زندگی، ملک کا عوامی فیشن بنتا ہے، ملک کا نظام تعلیم

[1] ان آیات کی مفصل تشریح پچھلے صفحات میں گذر چکی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور ذرائع ابلاغ اسی کے قبضہ میں ہوتے ہیں، وہی خوب کو ناخوب، اور ناخوب کو خوب بنا دیتا ہے، اور آخر میں ملک کے نظم ونسق پر حاوی ہو کر اور آئین سازی اور تقنین (LEGISLATION) کے منصب پر فائز ہو کر جس چیز کو چاہتا ہے اس کی اجازت دیتا ہے، اور جس چیز کو چاہتا ہے اس کو ممنوع اور خلاف قانون قرار دے دیتا ہے، اس طرح پوری قوم اور اس کی معاشرت اور تمدن، اس کی نسل کا مستقبل یہاں تک کہ (اللہ محفوظ رکھے) دینی فرائض کی ادائیگی، شعائر اسلامی اور مدارس ومساجد اور اس کا عائلی قانون (PERSONAL LAW) اس کے رحم وکرم پر رہ جاتا ہے، یہ بہت سے آزاد مسلم ممالک کا تجربہ ہے، جن کی اکثریت مسلمان ہے، بلکہ وہ ملک تقریباً کلیۃً یقینی مسلمان ہیں، اور کبھی وہ ممالک علم دین اور دعوت اسلامی کا عظیم ترین مرکز رہ چکے ہیں، اور اب بھی وہاں بڑی بڑی دینی جامعات قائم ہیں، ان کے نام لینے کی ضرورت نہیں آپ خود ان کو سمجھ سکتے ہیں۔

اس لئے آخر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ اس طبقہ کو ہرگز ہرگز نظر انداز نہ کیجئے، علمی وفکری غذا کے ذریعہ مؤثر لٹریچر اور ان کی نفسیات اور علمی درجہ کے مطابق اسلام کی تفہیم اور اس کی ضرورت وعظمت کو اُن کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کیجئے، اور ان کے دلوں اور دماغوں کو ایمانی وشعوری طریقہ پر اسلام کی ابدیت، اس کی تعلیمات کی صداقت اور اس کے ہر زمانہ میں قیادت کی صلاحیت پر مطمئن کیجئے، یاد رکھئے

www.abulhasanalinadwi.org

یہ زمانہ نظریات و افکار اور بین الاقوامی تعلقات کا زمانہ ہے، اس لئے علمی و فکری سطح پر کام کرنے اور جدید طبقہ کو (جو برسر قیادت ہونے کو ہے) اس بات پر مطمئن اور اس کا قائل کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلام ہی دنیا کا نجات دہندہ اور اسلام ہی صحیح زندگی گذارنے کا واحد راستہ ہے، ورنہ یہ دنیا خدا فراموشی کے راستہ پر چل کر خود فراموشی اور بالآخر خودکشی کی منزل کی طرف جاری ہے۔ وصدق اللہ العظیم۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا	اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنھوں نے
اللّٰهَ فَأَنْسٰهُمْ أَنْفُسَهُمْ ۚ	خدا کو بھلا دیا تو خدا نے ایسا کر دیا
أُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ۚ	کہ خود اپنے تئیں بھول گئے، یہ
(سورۃ الحشر۔ ۱۹)	بدکردار لوگ ہیں۔

آکسفورڈ اور لندن میں چند دن

راقم سطور کو آکسفورڈ اسلامک سنٹر (جس کا تذکرہ "کاروانِ زندگی" کے پچھلے اوراق میں بار بار آچکا ہے) کے ٹرسٹیز بورڈ (TRUSTEES' BOARD) کی سالانہ نشست میں جو ۲۳ اگست ۸۹ء کو ہونے والی تھی، شرکت کے لئے استنبول سے لندن کا سفر کرنا تھا، عزیزی سید غلام محمد کی چھٹی ختم ہو رہی تھی، اور ان کو حیدرآباد پہونچنا تھا، ان کی جگہ لینے اور راقم کی راحت و اعانت کے لئے (جو وجع مفاصل کا پرانا مریض اور صحت و عمر کے لحاظ سے سفر میں ایک نہیں دو دو رفیقوں کا ضرورت مند رہتا ہے) محب عزیز محمد عثمان صاحب حیدرآبادی نے جو جدہ اور

www.abulhasanalinadwi.org

ریاض کے ایرپورٹ پر ایک اعلیٰ انجینیر کی حیثیت سے کام کرتے ہیں، امریکن نیشنلیٹی رکھتے ہیں اور دینی جذبات سے معمور ہیں، رضاکارانہ اور مخلصانہ رفاقت کی پیش کش کی تھی، اس سے پہلے بھی وہ سعودی عرب کے سفروں میں مدد کرتے رہے، اور آنے جانے کئی بار ریاض تک زحمت کی، وہ استنبول ٹھیک اسی دن پہونچ گئے جس دن سید غلام محمد کو ہندوستان کے لئے روانہ ہونا تھا، اور ایک عزیز و مخلص معاون اور رفیق سفر کا چارج لے لیا، وہ اپنے ساتھ ڈاکٹر سید اشرف الدین صاحب مقیم جدّہ کی عنایت کی ہوئی نئی دوائیں بھی لائے تھے، ان کے بروقت پہونچ جانے سے بڑا اطمینان ہوا، اور راقم عزیزی مولوی محمد رابع ندوی اور محبّی محمد عثمان صاحب کی معیّت میں لندن روانہ ہوا۔

ٹرسٹیوں کے اس جلسہ میں شرکت کے لئے اس کے تقریباً تمام اہم ارکان، رابطۂ عالم اسلامی کے سکریٹری جنرل اور نائب صدر اسلامک سنٹر ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف، اور امام محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض کے وائس چانسلر ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن ترکی، قطر یونیورسٹی کے شریعت کالج کے ڈین اور مشہور عالم دین و اہل قلم ڈاکٹر یوسف القرضاوی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سابق وائس چانسلر اور نامور مؤرخ و محقق پروفیسر خلیق احمد نظامی، کویت کے مشہور عالم و تاجر کبیر شیخ عبدالعزیز العلیؔ المطوّعؔ پہونچ گئے تھے، معمول و ضابطہ کے مطابق سنٹر کی نشستیں ہوئیں، آئندہ کے کاموں کا پروگرام طے کیا گیا، اس کی مالی پوزیشن اور اس کے استحکام پر غور ہوا، اور اس کو خود کفیل بنانے کے لئے اس کا ایک وقف تشکیل دیا گیا، تین اہم نقاط کو زیادہ لائق توجہ قرار دیا گیا، ان میں ایک اعلیٰ علمی سطح کے سہ ماہی

www.abulhasanalinadwi.org

انگریزی مجلّہ کا اجراء، دوسرے انگریزی میں ایک مؤقر و مستند تاریخ اسلامی کی ترتیب، تیسرے اسلام کے تعلق سے انگریزی میں ایک معیاری تاریخی اٹیلس کی تیاری، اسی کے ساتھ مختلف اسلامی موضوعات پر عالمِ اسلام کی ممتاز علمی شخصیتوں کے توسیعی خطبات کے (جن کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے) پروگرام کو وُسعت اور ترقی دینے کا بھی فیصلہ کیا گیا، اور فکرِ اسلامی کے مفید پہلوؤں پر تحقیق و مطالعہ کرنے والوں کے لئے تعلیمی وظائف مہیّا کرنے کی ضرورت پر بھی غور کیا گیا، اس سال یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ سنٹر کو یونیورسٹی کی ایک سادہ لیکن کشادہ عمارت کرایہ پر حاصل ہو گئی ہے، جس میں دفتر کی سہولت کے مطابق متعدد کمرے اور سیمنار کے لائق ایک ہال بھی ہے، اور کام کرنے کے لئے ایک تنخواہ دار اسٹاف بھی۔[1]

مقالہ "انسانیت کے محسنِ اعظم اور شریف و متمدن دنیا کا اخلاقی فرض"

راقم سطور کو ایسی حالت میں انگلستان کا سفر کرنا اور آکسفورڈ کے اسلامک سنٹر کے جلسہ کی کارروائی میں سکون و اطمینان کے ساتھ شریک ہونا طبیعت پر سخت شاق اور گراں معلوم ہو رہا تھا، اور اس میں ایک طرح کی ایمانی کمزوری اور دینی بے حمیّتی محسوس ہو رہی تھی، کہ اسی ملک میں نہیں بلکہ اسی شہر (لندن) میں سلمان رُشدی حکومت کے حفاظتی انتظام کے ساتھ اور اس کی ذمہ داری میں موجود اور مگن ہے، آزاد اسلامی ممالک اور مسلمان حکومتیں اور ادارے بھی اس معاملہ میں اظہار نفرت و بیزاری، اور ایک ملک (ایران) کے فتوائے قتل

[1] ماخوذ از مضمون مولوی سید محمد رابع ندوی مندرجہ "تعمیر حیات" ١٠ر اکتوبر ١٩٨٩ء۔

www.abulhasanalinadwi.org

کے سوا کچھ اور نہیں کر سکی تھیں، راقم سطور اور خود ہندوستانی مسلمان (جن کو اللہ تعالیٰ نے عشقِ نبویؐ اور حمیّتِ دینی کا ایک ایسا بڑا حصّہ عطا فرمایا ہے جو بہت سے آزاد مسلم ممالک اور بعض اوقات عرب دنیا کے لئے بھی قابلِ رشک اور لائقِ تقلید بن جاتا ہے) اتنے وسائل اور اثرات کے بھی مالک نہیں جو دوسروں کی تعداد میں مسلم ممالک اور حکومتوں کو حاصل ہیں، راقم نے فیصلہ کیا کہ اگر لندن کا سفر کرنا ہی ہے تو وہ اپنے ساتھ کوئی ایسا پُرزور اور تحقیقی مقالہ لے جائے جس سے ثابت ہو کہ سیّد المرسلین خاتم النّبیین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف مسلمانوں اور اسلامی دنیا ہی کے محسن نہیں، انسانیت کے محسنِ اعظم ہیں، اور آپ ہی کی بعثت و دعوت اور تعلیمات اور آپ کے تربیت کردہ افراد و متبعین کی مساعی جلیلہ و جمیلہ کی بدولت چھٹی صدی عیسوی کے بعد اُس انسانی نسل کو زندگی کی نئی طویل قسط اور موقعہ عطا ہوا، جس نے اپنی خدا اور خود فراموشی، نفس پروری، حیوانی اور بہیمانہ بلکہ درندہ صفت وحشیانہ زندگی کی وجہ سے زندہ اور باقی رہنے کا استحقاق کھو دیا تھا، اور خدا کی عدالت میں خود اپنے خلاف ایسا مدلّل مقدمہ پیش کر رکھا تھا، جس پر سزائے موت ہی ملنی چاہیئے تھی، اور اِس وسیع و عریض دنیا کی بساط تہہ کر دینے کا فیصلہ ہی متوقّع اور معقول تھا۔

راقم نے نہایت عجلت کے ساتھ مگر اپنی پوری توجہ اور یکسوئی اور قلب و دماغ کی شرکت کے ساتھ اردو میں ایک مقالہ تیار کیا جس میں غیر مغربی "بلکہ انگریز" مستند و بلند پایہ مؤرخین کے اقتباسات سے ثابت کیا کہ چھٹی صدی عیسوی میں متمدّن دنیا اپنی حکومتوں کے غلط طرزِ عمل، معاشروں کے تباہی مصلحین و مالجین

انسانیت کے فقدان اور کسی طاقتور دینی و اصلاحی تحریک کے خلا کی وجہ سے ایک احتضار (عالم سکرات) کے عالم میں تھی، یہاں پر صرف دو[2] اقتباسات پیش کرنے پر قناعت کی جاتی ہے جن سے کسی قدر صورت حال کی عکاسی ہوتی ہے۔

رابرٹ بری فالٹ (ROBERT BRIFFALLT) لکھتا ہے :-

"پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی، اور یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جارہی تھی، اس دور کی وحشت و بربریت زمانہ قدیم کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی چڑھی تھی، کیونکہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کے لاش کی تھی، جو سڑ گئی ہو، اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی، وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا اور گذشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہونچ گیا تھا، جیسے اٹلی، فرانس، وہاں تباہی، طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔"[1]

اس سے آگے بڑھ کر جے۔ ایچ ڈینیسن (J. H. DENISION) پوری مہذب دنیا کے بارے میں لکھتا ہے :-

"پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں مہذب دنیا افراتفری کے دہانہ پر کھڑی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چار ہزار سال کی مدت میں جس تہذیب نے بال و پر نکالے تھے، وہ منتشر ہونے والی ہے اور انسان پھر اسی بربریت کی جانب لوٹنے والا ہے، جس میں ہر قبیلہ و فرقہ ایک دوسرے کے خلاف

---

[1] THE MAKING OF HUMANITY (LONDON 1919), p. 164

برسرپیکار ہوجائے، اور امن و امان معدوم ہوجائے ...... پرانے قبائلی نظام کی توانائی ختم ہو چکی تھی ..... عیسائیت نے جو روایات قائم کی تھیں، وہ اتحاد اور نظم کے بجائے تفرقہ اور تباہی کی جانب لے جارہی تھیں، یہ زمانہ المناک تھا، تہذیب جو ایک تناور درخت کی طرح ساری دنیا کو اپنے سایہ میں لئے ہوئے تھی، اور جس کی شاخیں علم وفن وادب کے زرّیں پھل دے چکی تھیں، بربادی کے قریب تھیں اسے گھن لگ چکا تھا![1]

ان اقتباسات کو پیش کرنے اور بعثت نبویؐ سے پہلے کی اور کچھ بعد تک کی دنیا کی المناک اور شرمناک تصویر پیش کرنے کے بعد بعثت محمدیؐ کا ذکر کیا گیا، اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی رسالت اور تعلیمات کے دس[1] بنیادی اور قیمتی عطیوں کا ذکر کیا گیا جنھوں نے نوع انسانی کی رہنمائی صلاح وفلاح اور تعمیر وترقی میں انقلابی کردار ادا کیا، اور ایک ایسی زندہ اور درخشندہ دنیا کی تخلیق وتشکیل کی جو کہنہ اور زوال پذیر دنیا سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی۔[2]

اس کے بعد نامور یورپین مؤرخین کی شہادتیں اور بعثت ورسالت محمدیؐ کے انقلاب انگیزی کے متعدد اعترافات نقل کئے گئے ہیں جن میں سے صرف ایک یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

جان ولیم ڈریپر یورپ کے ذہنی وعلمی تاریخ کے ضمن میں لکھتا ہے :۔

لے DENISON J. H., EMOTION AS THE BASIS OF CIVILIZATION, (LONDON 1928. p. 265)

لے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ "انسانیت کے محسن اعظم" ص۱۳۰ یا مصنّف کی کتاب "تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات"۔

www.abulhasanalinadwi.org

"۵۶۹ء میں جسٹینین (JUSTINIAN) کی موت کے چار[2] سال بعد سرزمین عرب کے شہر مکہ میں وہ شخص پیدا ہوا جس نے نسل انسانی پر سب سے زیادہ اثر ڈالا"[1]

اس کے بعد تیرھویں صدی عیسوی میں تاتاریوں (MONGOLS) کے متمدن دنیا پر اس حملہ کا ذکر کیا گیا جس کے حجم اور رقبہ کو عام طور پر سمجھا نہیں گیا، زیادہ تر لوگوں نے اس کو ترکستان، ایران اور عراق تک محدود سمجھا[2]، چنگیز خاں کے مستند مغربی مؤرخ ہیرلڈ لیمب (HAROLD LAMB) لکھتا ہے کہ:—

"خونخوار مغل شہسوار مغربی یورپ کو روندتے پھرتے تھے، پولینڈ کا شاہ بوسلاس اور ہنگری کا بادشاہ بیلا ہزیمت کھا کر جنگ کے میدانوں سے بھاگ گئے تھے، اور سائیلیسیا کا ڈیوک ہینری اپنے تیوتانی شہسواروں کے ساتھ لڑتا ہوا، لیگ نٹس (LIEGNITS) میں مارا گیا تھا، یہ ایک ایسی جنگ تھی جو ہر حد سے متجاوز تھی، اس حد تک جیسی دوسری عالمگیر جنگ، یہ بغیر منافرت کے بنی نوع انسان کا قتل عام تھا، جس کا مقصد محض انسانوں کو فنا کرنا تھا"[3]

ہیرلڈ لیمب لکھتا ہے:—

"چنگیز خاں کی جہاں آشوبی اور غارت گری نے تمدن کو ایسا سخت صدمہ پہونچایا کہ نصف دنیا میں تہذیب و شائستگی کو مر کر از سر نو جنم لینا پڑا"

---

[1] JOHN WILLIAM DRAPER, A HISTORY OF THE INTELLECTUAL DEVELOPMENT OF THE EUROPE (LONDON—1875, V. I., p. 229

[2] اسی بنا پر رسالہ کے بعض تبصرہ نگاروں نے بعثت محمدیؐ اور امت اسلامیہ کے احسانات کے سلسلہ میں اس مقالہ میں، تاتاری حملہ کی طرف اشارہ کرنا بے محل اور مبالغہ آمیز سمجھا۔

[3] GENGHIS KHAN, LONDON, 1928, pp. 11-12

www.abulhasanalinadwi.org

.....خوارزم کی سلطنت، بغداد کی خلافت، روس کی مملکت اور
کچھ دنوں کے لئے پولینڈ (پولار) کی حکومتیں ہل گئیں[1]؟

اگر یہ خون آشام سلسلہ جاری رہتا (جس کا فوجی طاقت سے مقابلہ کرنے والا دنیا میں کوئی نہ تھا) تو مغربی مؤرخین کے بیان کے مطابق ہزاروں برس کا علمی و تہذیبی، اخلاقی و فکری اثاثہ و ترکہ برباد ہو جاتا اور دنیا کو اپنی تہذیب و تمدن کے لئے از سر نو سفر شروع کرنا پڑتا، جو کہا نہیں جا سکتا کہ ممکن ہوتا یا نہیں؟

لیکن انسانیت کی اس بے بسی کی حالت میں ایک معجزہ ظاہر ہوا، اور تاتاریوں نے من حیث القوم اسلام قبول کیا، اور وہ نہ صرف انسانیت اور تہذیب کے جوّن میں آگئے، بلکہ انسانیت اور علم کے محافظ و قدرداں اور مہذّب و وسیع سلطنتوں اور تہذیب کے بانی و معمار بن گئے، یورپ (جس کو اپنی تہذیب اور انفرادیت پر بڑا فخر ہے) اس احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا، اسلام کے عالمگیر اثرات (جن کا مختصر تذکرہ ہوا) اور انسانیت کش حملوں اور کوششوں سے نوع انسانی کی حفاظت کے اسی سایہ میں پچھلی صدیوں میں یورپ نے بھی ترقی کی اور آج بھی اطمینان کی سانس لے رہا ہے، اور علم و فن کی ترقی و توسیع میں مصروف ہے اور ہم آپ سب اس وقت اعتدال اور اطمینان کی اس فضا میں یہاں بیٹھے ہیں۔

پھر اس مقالہ میں اظہار خیال کی آزادی پر کسی قسم کی پابندی عائد کرنے کو فرد کی آزادی کو سلب کر لینے اور جبر و استبداد کے عمل کے مرادف قرار دینے کے سطحی اور عامیانہ خیال پر تنقید کی گئی، جن کی آڑ لے کر حکومت برطانیہ نے سلمان رشدی

---

[1] p. 206

www.abulhasanalinadwi.org

کو اپنے ان دل آزار، احسان فراموش حقیقت کُش، اور مُخرّبِ اخلاق خیالات ظاہر کرنے کی آزادی دی، اور اس کا تحفظ کیا، رسالہ میں مغربی ماہرین قانون اور مفکرین کے دو بیانات نقل کئے گئے، جن میں انھوں نے کہا ہے کہ شخصی اظہارِ خیال کی آزادی کے حدود و شرائط ہیں، اور اُن کی کھلی چھوٹ نہیں ہوتی چاہیئے، سینٹر بلیک اسٹون نے امریکہ میں اپنی ایک تقریر میں کہا :۔

"خطرناک اور مجرمانہ تحریریں جنھیں غیر جانب دارانہ اور منصفانہ مقدمہ کے بعد نقصان دہ سمجھا جائے اس پر سزا دینا امن و امان، حکومت و مذہب کی بقا کے لئے ضروری ہے، کیونکہ انھیں پر شہری آزادی کی بنیادیں قائم ہیں، اس طرح افراد کا ضمیر تو آزاد ہے لیکن اس کے غلط استعمال پر سزا دینا تعزیراتی قانون کا مقصد ہے"[۱]

رسالہ میں یہ بھی بتایا گیا کہ مغربی مفکرین اور ماہرین اخلاقیات نے جذبۂ تشکّر اور اعتراف احسان کی بھی تلقین کی ہے، اور اس کو فطرت انسانی کا خاصّہ اور شرافت کا تقاضہ بتایا ہے۔[۲]

آخر میں کانوں، دلوں اور روحوں کا ذائقہ بدلنے کے لئے علّامہ اقبالؔ کی ولولہ انگیز نظم پڑھی اور سنائی گئی جس کے دو ابتدائی شعر نقل کئے جاتے ہیں ؎

از دمِ سیرابِ آں اُمّی لقب — لالہ رُست از ریگِ صحرائے عرب

حُرّیت پروردۂ آغوشِ اوست — یعنی امروزِ اُمم از دوشِ اوست

---

[۱] ماخوذ از ایچ۔ایم سروائی H. M. SEERVAI "ہندوستان کا دستوری قانون" ۱۹۸۳ء جلد اول ص ۴۹۲ [۲] ملاحظہ ہو مطبوعہ رسالہ "انسانیت کے محسنِ اعظم" ص ۱۴-۱۵

www.abulhasanalinadwi.org

یہ مقالہ ۲۲ اگست ۱۹۸۹ء کی شام کو اسلامک سنٹر آکسفورڈ یونیورسٹی کے ہال میں انگریزی میں پڑھا گیا، متعدد عرب فضلاء وطلباء کی شرکت کی وجہ سے راقم نے عربی میں بھی اس کا خلاصہ زبانی پیش کیا، اس موقعہ پر انگریز، افریقی، اور ہندوستانی وپاکستانی دانشوروں کی ایک اچھی تعداد تھی، مقالہ توجہ اور تأثر کے ساتھ سنا گیا، یہی مقالہ لندن کے بین الاقوامی اسلامک سنٹر پارک روڈ میں انگریزی عربی اور اردو میں پیش کیا گیا، اور پسند کیا گیا[1]، خاص بات یہ تھی کہ پورے مقالہ میں کہیں سلمان رشدی کا نام نہیں لیا گیا کہ وہ اس قابل ہی نہ تھا، لیکن سننے والے سب سمجھ رہے تھے کہ اس مقالہ کا محرک کیا ہے؟ اور اس میں اشارہ کس بے ادب اور گستاخ انسان کی طرف ہے۔

آکسفورڈ کے اسلامک سنٹر کے جلسہ سے فارغ ہو کر راقم اپنے معمول کے مطابق اپنے دونوں رفیقوں (عزیزی مولوی محمد رابع ندوی اور محبی محمد عثمان صاحب حیدرآبادی) کے ساتھ اپنے قدیم میزبان محمد مسرور صاحب لکھنوی کے گھر آگیا، وہاں سے الجزائر جانے اور وہاں کے الملتقی الفکری (علمی سیمنار) میں شرکت کرنے کا مصمم ارادہ تھا جو ۲۹ اگست ـــ ۵ ستمبر ۱۹۸۹ء کو "نحو مجتمع إسلامی معاصر" کے عنوان سے منعقد ہو رہا تھا، اس نے اپنا مقالہ ہندوستان ہی سے تیار کر کے بھیج دیا تھا[2]،

---

[1] مذکورہ بالا رسالہ "انسانیت کے محسن اعظم اور شریف ومتمدن دنیا کا اخلاقی فرض" کے نام سے فاضل گرامی پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی کے (جو اس موقعہ پر موجود تھے) پیش لفظ کے ساتھ اُردو، انگریزی، عربی تینوں زبانوں میں مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ کی طرف سے شائع ہوا۔

[2] دار عرفات رائے بریلی کی طرف سے یہ مقالہ "المجتمع الإسلامی المعاصر، فضله وقیمته، حاجته ومتطلباته وطریق الإنتفاع به" کے عنوان سے رسالہ کی شکل میں چھپ چکا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

میری اور عزیزی محمد رابع کی سیٹیں بھی بک ہو چکی تھیں، لیکن محمد عثمان صاحب کی سیٹ باوجود کوشش کے بُک نہ ہو سکی، صحت خاصی متاثر تھی، اس کے پیش نظر سفر کا ارادہ ملتوی کر دیا، اور الملتقی کے ذمہ داروں کو اس کی اطلاع دے دی اور ہم دونوں بخیر و عافیت لندن سے براہ راست دہلی آ گئے۔

رابطۂ ادب اسلامی کا حیدرآباد میں مذاکرہ
"تحریک آزادی و اصلاح عوام میں ادب اسلامی کا حصہ" کے عنوان سے

۶، ۷، ۸ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ مطابق ۷، ۸، ۹ اکتوبر ۱۹۸۹ء کی تاریخوں میں حیدرآباد میں عالمی رابطۂ ادب اسلامی کا پانچواں مذاکرۂ علمی منعقد ہوا، حیدرآباد کے بلند حوصلہ، باسلیقہ اور علم نواز احباب نے بڑی عالی حوصلگی اور حُسن انتظام کے ساتھ اس مذاکرہ کے انعقاد اور کثیر التعداد فاضل و ممتاز مہمانوں کے قیام کا جو شمالی ہند کی یونیورسٹیوں سے لے کر اقصائے جنوب کی جامعات اور نامور مدارس عربیہ تک سے اچھی تعداد میں آئے تھے، انتظام کیا تھا، رابطہ کے جلسے "پریڈ ویلا" کے مقام پر ہوئے جو ایک شاندار عمارت ہے، مہمانوں میں متعدد یونیورسٹیوں کے شعبۂ عربی و اسلامیات کے صدور مدارس عربیہ کے فاضل اساتذہ کے علاوہ ہندوستان کے عظیم مؤرخ و محقق پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی بھی علی گڑھ سے خاص طور پر اس مذاکرہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے، ناگپور سے مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب بھی اس مذاکرہ میں شریک و معاون تھے، رابطہ کے عربی ممالک سے متعلق آفس کے نمائندہ کی حیثیت سے عربی کے مشہور اسلامی شاعر

www.abulhasanalinadwi.org

استاد عدنان علی رضا نحوی ریاض سے شرکت کے لئے آئے تھے، پاکستان کی نمائندگی کے لئے ڈاکٹر تحسین فراقی بھی موجود تھے۔

اس مذاکرۂ علمی کے افتتاحی جلسہ کا آغاز ۶ ربیع الاوّل ۱۴۱۰ھ، اکتوبر ۱۹۸۹ء کو صبح دس بجے تلاوت قرآن پاک، نعت رسول ﷺ، اور صدر استقبالیہ ڈاکٹر سید عبدالمنان صاحب کے خطبہ سے ہوا، جس میں انھوں نے حیدرآباد کے اسلامی ادب اور اسلامی علوم کی اشاعت سے قدیم و مسلسل رشتہ کا تفصیل سے ذکر کیا، اور ان فضلاء و ادباء کی یاد تازہ کی جن کی حیدرآباد نے پذیرائی و سرپرستی کی، اور ان کی صلاحیتوں اور کمالات سے خود بھی فائدہ اٹھایا اور دور دور تک پہونچایا، عالمی رابطۂ ادب اسلامی کے جنرل سکریٹری مولوی سید محمد رابع ندوی نے رابطہ کے سکریٹریٹ کی رپورٹ پیش کی، اور ان اقدامات کا جائزہ لیا جو تحریک ادب اسلامی کو فعّال اور سرگرم بنانے کے لئے اب تک کئے جا چکے ہیں، اور آئندہ اقدامات اور منصوبوں کی نشاندہی کی۔

راقم نے اپنے صدارتی خطبہ میں[1] تاریخ کی روشنی اور دستاویزی حوالوں اور مثالوں سے پہلے یہ ثابت کیا کہ ہندوستان میں تحریک آزادی کا سب سے پہلے خیال یہاں کے طبقۂ علماء اور داعیان دین و مصلحین کے ذہن و دماغ میں موجزن ہوا، اور تقریر و تحریر، وعظ و تلقین اور مکاتبت و مراسلت کے ذریعہ اس کا

---

[1] یہ خطبہ "تحریک آزادی اور اصلاح عوام میں ادب اسلامی کا حصّہ" کے نام سے رابطۂ ادب اسلامی ندوۃ العلماء لکھنؤ کی طرف سے رسالہ کی شکل میں طبع ہو چکا ہے، اور ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اظہار ہوا، اس سلسلہ میں راقم نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے ہندوستان پر انگریزی اقتدار کے خطرے اور آزادی کی جدوجہد کی ضرورت کے بارے میں ان اقتباسات کو پیش کیا جو اپنے زمانہ کے لحاظ سے بہت قبل از وقت اور بعید از قیاس معلوم ہوتے ہیں، اور اُن کی دوربینی، روشن ضمیری، حقیقت پسندی اور بلند ہمتی و بلند خیالی پر دلالت کرتے ہیں، اور اسی سلسلہ میں مستند انگریز مؤرخین کی شہادتیں اور اعترافات بھی پیش کیے، حیدرآباد میں اس مجلس مذاکرہ کے پہلی مرتبہ منعقد ہونے کی مناسبت اور اہلِ حیدرآباد کی قدر دانی اور حُسن ضیافت کی رعایت سے ہندوستان کی تحریک آزادی کے سورماؤں اور قائدین کے تذکرے میں خطبہ کے شروع ہی میں میر گوہر علی خاں نواب مبارزالدولہ بہادر (جو نواب سکندر جاہ بہادر آصف جاہ ثالث کے فرزند تھے) کی انگریز دشمنی اور ان کے خلاف محاذ آرائی، اور انگریز مؤرخین کی تحریروں کی روشنی میں حضرت سید شہیدؒ کی تحریک سے ان کے ربط و تعلق کا ذکر کیا، اسی کے ساتھ جنوب ہی کے مرد مجاہد اور ترکش اسلامی کے خدنگ آخریں سلطان شہید ٹیپو (ش ۱۲۱۴ھ ۱۷۹۹ء) کا ذکر کیا اور بتایا کہ تاریخوں اور خاندانی دستاویزوں سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطانِ شہید کے خاندان کا سید احمد شہیدؒ کے خاندان سے روحانی ارتباط رہا ہے، اور اس فقیر غیور، اور امیر جسور کے جسم و جان میں (جس نے نہ صرف مسلمانوں بلکہ ہندوستان کی آبرو رکھ لی) خاندان ولی اللّٰہی اور جماعت مجاہدین اور سید احمد شہیدؒ کے بزرگوں کے روحانی اثرات اور ان کی آرزوؤں اور تمناؤں کی روح کام کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔[1]

---

[1] ملاحظہ ہو "سیرت سید احمد شہیدؒ" از راقم حصۂ اوّل ص ۳۳۶-۳۳۷

www.abulhasanalinadwi.org

پھر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو مسلمانوں کی تحریک اور ان کو اس کا ذمہ دار سمجھنے کی بنا پر اس کا مسلمانوں سے جو انتقام لیا گیا، اس کا تذکرہ کرنے کے بعد اس تحریک میں علماء اور تحریکِ خلافت کے قائدین کے بنیادی اور قائدانہ حصہ کا ذکر کرنے کے بعد، ادب و شاعری کے ذریعہ مسلمان ادیبوں اور شاعروں کی خدمات کا مختصرانہ جائزہ لیا گیا، اور ان ادباء و شعراء کی جرءت رندانہ کی مثالیں دی گئیں اور ادبی رزمیہ و شاہناموں کا حوالہ دیا گیا، آخر میں اس مجلس مذاکرہ کے پیغام اور حاصل کلام کے طور پر کہا گیا:۔

"حضرات! آخر میں یہ عرض کرنے کی جرءت کروں گا کہ ابھی ان لوگوں کا جنھوں نے جنگ آزادی میں قائدانہ و مجاہدانہ کردار ادا کیا تھا، کام ختم نہیں ہوا، اب ان کو اس آزاد و خودمختار ملک میں مصلحانہ و مفکرانہ کردار ادا کرنا ہے، پہلے اس ملک کی زمین کو آزاد کرانے کا مرحلہ تھا، اب اہل ملک کے ضمیر کو آزاد کرانے کا مسئلہ ہے جو اس سے کسی طرح کم اہم اور ضروری نہیں، غیر ملکی اقتدار خواہ کسی قدر طویل و مستحکم ہو ایک غیر فطری اور عارضی صورت حال تھی جس کو دیر سویر ختم ہونا تھا، لیکن اہلِ ملک کی اپنے آپس میں ہوسِ اقتدار، ایک دوسرے کا ناجائز استحصال، دولت کی حد سے بڑھی ہوئی محبت، اخلاق و اقدار و اصول سے بے نیازی اور حد سے بڑھا ہوا نسلی، لسانی اور فرقہ وارانہ تعصّب و منافرت اور تنگ نظری، غیر ملکی اقتدار اور دَورِ غلامی سے کم شرمناک اور خطرناک نہیں، جن کے پاس اب بھی دینی رہنمائی، آسمانی

www.abulhasanalinadwi.org

تعلیمات، نبیؐ و متبعینِ نبیؐ کا اُسوہ، حیات آفریں تاریخ اور نثر و نظم کی شکل میں ولولہ انگیز و رہنما ادب موجود ہے، ان کی ذمہ داری ہے کہ اس ملک کو ان امراض و خطرات سے بچانے کے لئے جان کی بازی لگا دیں۔

اقبال کے ان اشعار پر اپنے اس معروضہ کو ختم کرتا ہوں ؎

بینی جہاں را خود را نہ بینی | تا چند غافل فارغ نشینی
نورِ قدیمی شب را با فروز | دستِ کلیمی در آستینی
بیروں قدم نہ از دورِ آفاق | تو بیشتر از ینی تو بیشتر از ینی

مجلس کے مختلف جلسوں میں بڑی تعداد میں فاضلانہ وادیبانہ مقالات پڑھے گئے، اور ان پر مذاکرہ ہوا، جن میں پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی کا، خواجہ الطاف حسین حالی، اور مولانا شبلی نعمانی پر فاضلانہ و مؤرخانہ مقالہ شامل تھا، جو ان کے علمی و تحقیقی مقام کے ہر طرح شایانِ شان تھا، اور جس میں اصلاح عوام اور عام بیداری پیدا کرنے میں ان دونوں نامور ادیبوں کا حصّہ نمایاں کیا گیا تھا، پاکستانی فاضل و ادیب ڈاکٹر تحسین فراقی صاحب کا مقالہ لسان العصر اکبر الٰہ آبادی پر تھا اور خوب تھا۔

۹ر اکتوبر ۱۹۸۹ء کی شام کو مذاکرہ کی آخری مجلس ہوئی، جس میں نہ صرف حیدرآباد بلکہ ملک کے بعض ممتاز دانشور، اہلِ فکر و اہلِ قلم اور صاحبِ وجاہت اصحاب شریک ہوئے، جن میں نظامِ دکن میر عثمان علی خاں مرحوم کے پوتے پرنس مفخم جاہ بہادر، سابق وزیرِ حکومت مرکزی[1] الحاج محمد یونس سلیم صاحب اور

---

[1] حال گورنر بہار

مسلم یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر علی محمد خسرو صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

راقم نے صدر مجلس اور ایک داعی کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری سمجھی کہ یہ اختتامی جلسہ ایک دعوت و پیغام، امت مسلمہ کے نازک و عظیم منصب کے احساس وادراک، اور اہلِ فکر و اہلِ قلم میں اس کی دعوت و ترجمانی کے جذبہ اور احساس پر اختتام پذیر ہو، اس کے لئے اس نے "امّتِ مسلمہ کی دوہری ذمّہ داری" کو اپنی تقریر کا عنوان بنایا اور تمہید میں کہا:—

"حضرات! ہماری اس مجلسِ مذاکرہ کا عنوان تھا "تحریک آزادی اور اصلاحِ عوام میں ادب اسلامی کا حصّہ" میں اس کا اعتراف کرتا ہوں کہ ادب و شاعری سے متعلق اس موضوع کا حق ادا نہیں کرسکا، اس کی تلافی کے لئے آج کی اس مجلس کا افتتاح غزل کے اس شعر سے کرتا ہوں ؎

مکتبِ عشق کا دیکھا یہ نرالا دستور
اس کو چھٹّی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

میں سمجھتا ہوں کہ یہ شعر دبستانِ محبّت ہی سے متعلق نہیں، بلکہ مذاہب و ادیان، اقوام و ملل، اصلاحی تحریکات، اخلاقی فلسفوں، آزادی کی جدّوجہد اور تعمیر انسانیت کی تمام کوششوں کی تاریخ بلکہ تقدیر کا فیصلہ اور ایک حقیقت ہے کہ جس کو سبق یاد ہوگیا دوسروں کے مقابلہ میں اس پر زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوگئیں۔

اس کے بعد عرض کیا گیا کہ جن اُمّتوں اور ملتوں کو اللہ تعالٰی نے

www.abulhasanalinadwi.org

اپنے اپنے وقت پر اپنے پیغام کا حامل بنا کر اس دنیا میں مامور فرمایا، ان کو دو رشتوں اور رابطوں (اور عام فہم اردو زبان میں) دو مضبوط دھاگوں سے باندھ دیا، ایک وہ دھاگا ہے جو ان کو آسمانی تعلیمات سے باندھتا اور ان کا رشتہ قائم کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے ساتھ عبودیت (بندگی) اور اطاعت (فرماں برداری) کا رشتہ، اس سے زندگی گذارنے کے لئے تعلیمات و ہدایت اخذ کرنے کا رشتہ، دعا و استمداد کا رشتہ اور اس کو خالقِ کل اور مالکِ مطلق سمجھنے کا رشتہ، دوسرا رشتہ یا دھاگا وہ ہے جو اس امت کو بقیہ انسانی آبادی سے مربوط و منسلک کرتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ وہ یہ دیکھتی رہے کہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے اور پیغمبروں کے بتائے ہوئے (ہدایت) کے راستہ پر گامزن ہے یا نہیں؟ اور پھر اس کی فکر کرنا کہ معاصر اور ہمسایہ قومیں اس راستہ کو اختیار کریں اور وہ ہدایت اور نجات کے لحاظ سے بالکل گم کردہ راہ اور مبتلائے ضلالت و جہالت نہ ہوتے پائیں، وہ اپنے کو دعوت و ہدایت کے منصب پر مامور اور خدا کے یہاں مسئول سمجھیں"۔

اس کے بعد عرض کیا گیا:۔

"اب یہ واقعات و حقائق، تجربہ و مشاہدہ، ماضی و حال کی تاریخ کی روشنی، طویل سیاحتوں اور سفروں اور تقابلی مطالعہ کی روشنی میں اس تلخ حقیقت کا (قدرے معذرت لیکن وثوق و اعتماد کے ساتھ)

www.abulhasanalinadwi.org

اظہار کرتا ہوں کہ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت جتنی مذہبی اُمّتیں اور قومیں اور قدیم آسمانی مذاہب ہیں ان سب کا دھاگا آسمانی تعلیمات سے تقریباً ٹوٹ چکا ہے، اور اگر ہے بھی تو برائے نام ہے، اگر اس کو حرکت دی جائے یعنی مذہب کے نام سے اپیل کی جائے اور اس کا حوالہ دے کر اصرار سے کوئی بات کہی جائے تو اس کا اندیشہ ہے کہ وہ رہا سہا دھاگا بھی ٹوٹ جائے جس کا ان کو دعویٰ ہے۔

صرف ایک اُمّت ہے جس کا دھاگا اس وقت تک آسمانی تعلیمات سے مضبوط اور بندھا ہوا ہے، اس میں کوئی تغیّر نہیں ہوا، وہ صرف اُمّتِ مسلمہ ہے، یہ اُمّت اپنی ساری کمزوریوں کے ساتھ اب بھی شریعت کا احترام کرتی ہے، اس کے دل میں اب بھی اللہ کے نام کا ادب، اس کی عظمت، اور اس کے رسولؐ سے محبت ہے، اب بھی یہ اُمّت اس آسمانی کتاب کو سینہ سے لگائے ہوئے ہے، جو آخری پیغمبرؐ کے ذریعہ اس کو ملی ہے، یہ اُمّت ہے، جس کے لئے سب سے زیادہ سحر انگیز، سب سے زیادہ پُرکشش، سب سے زیادہ اس کے اعصاب پر، دل و دماغ پر اثر انداز ہونے والی چیز خدا کا نام ہے، آج بھی اس گئی گذری حالت میں روئے زمین پر صرف اُمّتِ مسلمہ ہے، جس کو صرف خدا کے نام پر بلایا جاسکتا ہے، جس کو خدا کے نام پر جگایا جاسکتا ہے، جس کو خدا کے نام پر اٹھایا جاسکتا ہے، جس کو خدا کے نام پر میدان کارزار میں لایا جاسکتا ہے، آج بھی اس کے لئے خدا کا نام وہ اثر رکھتا ہے، جو کسی چیز میں نہیں ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

دنیا کی وہ ساری قومیں، اور ملّتیں جن کو دنیا کا محتسب بنایا گیا تھا، جن کے ذمّہ نسل انسانی کی صلاح و فلاح کی ذمّہ داری عائد کی گئی تھی، اور جن مذہبی پیشواؤں اور عالموں کو اس بات کا ذمّہ دار ٹھہرایا گیا تھا، کہ وہ قافلۂ انسانی کو منزل سے ہٹنے اور بھٹکنے نہ دیں، ان سب کا رشتہ آسمانی تعلیمات سے تقریباً ٹوٹ چکا ہے، اور برائے نام رشتہ ہے بھی تو وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں محاذ آرائی کے لئے ہے، ایسے موقعہ پر وہ قومیں مذہب کا نام استعمال کرتی ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ آسمانی مذہب کی گرفت ڈھیلی ہی نہیں پڑی، بلکہ بالکل چھوٹ چکی ہے، ان قوموں کا معاملہ تو یہ ہے کہ جب تک آپ ان مذاہب کے ذریعہ ان کی مرغوبات کو نہ چھڑائیے، آپ ان مذاہب کو اُن کے امتحان کا ذریعہ نہ بنائیے، آپ ان مذاہب کو اپنے طریق زندگی کو بدلنے، اپنے تہذیب و تمدّن کو تبدیل کرنے اور مرغوبات چھڑانے کی دعوت نہ دیجیے، اس وقت تک وہ قومیں اپنے اپنے مذہب کی پیرو ہیں، لیکن اگر آپ ان کو ان کے مرغوبات و منافع سے دست بردار ہونے کے لئے اُن کو مذہب کی دُہائی دیں گے، اور مذہب کا نام لیں گے، تو وہ مذہب سے قریب ہونے کے بجائے اور دور ہوجائیں گی، بلکہ اس بات کا امکان ہے کہ وہ مذہب سے باغی ہوجائیں، مذاہب کی گرفت ان انسانوں کے دل و دماغ سے چھوٹ ہی نہیں ٹوٹ چکی ہے۔

اب صرف ایک اُمّت باقی ہے جس کا رشتہ کسی نہ کسی طرح حق

www.abulhasanalinadwi.org

کے ساتھ قائم اور آسمانی کتاب سے باقی ہے، حلال وحرام کے درمیان فرق کا اس کو احساس و اقرار ہے، ایمان بالآخرۃ اس میں کسی نہ کسی درجہ میں موجود ہے، اس کو آج بھی جہنّم کے نام سے ڈرایا جاسکتا ہے، آخرت، جنّت اور جہنّم کا نام لے کر قدیم مذاہب میں سے کسی کو متحرک کر کے دیکھ لیجئے، آپ اس کو متأثر کیا متوجّہ بھی نہیں کر سکتے، آپ اگر ان کے سامنے جنّت کی تمام نعمتوں اور لذّتوں کو کھول کر بیان کر دیجئے تو آپ ان کے چہرہ اور پیشانی پر خوشی و مسرّت کی ہلکی سے ہلکی لکیر یا سایہ بھی نہیں دیکھیں گے، اگر آپ ان کے سامنے جہنّم اور عذاب کی دھمکیوں کا ذکر کریں تو ان کے چہرہ پر ایک شکن بھی نمودار نہیں ہوگی، آنکھوں میں آنسو کا قطرہ تو بڑی چیز ہے، پسینہ کا ایک قطرہ بھی ان کے بدن پر دکھائی نہ دے گا۔

دوسری طرف یہ حقیقت ہے کہ دوسری قوموں کا رشتہ آسمانی تعلیمات کے علاوہ نسلِ انسانی اور دنیا کے حال و مستقبل سے بھی ٹوٹ چکا ہے، صرف سیاسی و معاشی فوائد ہی ان کی زندگی میں اہمیّت و معنویّت رکھتے ہیں، اور وہی ان کو ان سے مربوط رکھے ہوئے ہیں، صرف اقتدار اور سیاسی قوت و مرکزیت یا معاشی فراغت و رفاہیت ہی ان کی زندگی کے لغت (DICTIONARY) میں ایک بامعنی لفظ اور ایک مفہوم حقیقت ہے، ان کو اس سے کوئی مطلب نہیں کہ نسل انسانی کس طرف جارہی ہے، دوزخ کی طرف جارہی ہے، یا جنت کی طرف،

www.abulhasanalinadwi.org

وہ خود پرستی و خود فراموشی، خود کشی و خود سوزی، انسان کشی و آدم خوری کی طرف جارہی ہے' یا انسان دوستی، امن پروری اور خیر سگالی کی طرف؟ "ہدایت" و "ضلالت" کے الفاظ جن کو آسمانی صحیفوں اور مذاہب نے فیصلہ کن حقیقتوں کی طرح استعمال کیا ہے' اور ان پر اپنی تعلیمات اور وعدوں کی بنیاد رکھی ہے' ان قوموں کے لئے بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں، آج ان قوموں کا حال یہ ہے کہ آپ دنیا کی خدا فراموشی کا حوالہ دے کر، بلکہ خدا سے بغاوت کا حوالہ دے کر اور اس کی مثالیں اور اس کے دل خراش اور لرزہ خیز مناظر دکھا کر متأثر نہیں کرسکتے، آپ یورپ جائیے اور ان سے کہئے کہ وہسکی (WHISKY) اور بیر (BEER) کی قیمت بڑھ گئی ہے، بلکہ نیند کی فلاں دوا کی قیمت بڑھ گئی ہے[1]، تو یقین مانئے کہ ان کے نزدیک اس کی کہیں زیادہ اہمیت ہے، بہ نسبت اس بات کے کہ آپ ان سے کہیں کہ آپ کے ملک میں فسق و فجور بہت پھیل گیا ہے' لوگ خدا کو بھولتے جارہے ہیں تعیّش اور جائز و ناجائز طریقہ پر لذّت اندوزی اور مطلب برآری عام ہورہی ہے' ان پر ان باتوں کا کوئی اثر محسوس نہ ہوگا، آج یورپ کا حال یہ ہے کہ خدا کو ناراض کرنے والے عمل، خدا کے عذاب کو دعوت دینے والے عمل، بلکہ نسل انسانی پر عذاب الٰہی نازل کرنے والے عمل کی کوئی اہمیت نہیں' درآمد برآمد (IMPORT AND EXPORT) کی رفتار و کیفیت اور اس کی

---

[1] مغرب میں معاشی بحران و مقابلہ، اور ذہنی پریشانی کی وجہ سے خواب آور دواؤں کا بڑا استعمال ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

ترقی و تنزّلی سے امریکہ، روس، برطانیہ، جرمنی، فرانس کو دلچسپی ہے، ملک کی آمدنی میں اضافہ و کمی سے اُن پر اثر ہوتا ہے لیکن اگر آپ ان سے کہیں کہ گناہ بڑھ رہے ہیں، ظلم و جارحیت میں اضافہ ہو رہا ہے، تو یہ بات ان کے لئے بالکل ناقابل التفات ہے، اگر آپ ان سے کہیں، اے علم و ادب اور ذرائع ابلاغ کے ذمہ دارو! اے شاعرو اور ادیبو! اے یورپ کے اہلِ قلم! بڑے ڈرنے کا مقام ہے کہ دنیا ہلاکت و بربادی کی طرف جا رہی ہے، دنیا میں ظلم و ستم عام ہو رہا ہے، سود کا جال پھیلتا جا رہا ہے، دنیا محض تجارت کی ایک منڈی بن گئی ہے، جس میں صرف خریدار و گاہک کا وجود ہے، تو اس کی ہزار درجہ میں بھی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہ ہوگی۔

اب صرف ایک اُمّت رہ گئی ہے جس کے نزدیک خالق و مخلوق اور اُن کے باہمی ربط کے معنی باقی ہیں اور ساری زندگی (عقائد و اعمال، باہمی تعلقات و اخلاقیات، اور اقتصادیات و سیاست میں) اس کے تابع ہے، علاّمہ اقبالؔ نے ابلیس کے حوالہ سے ایک بہت بڑی عالمی حقیقت کا اظہار کیا ہے، جو اس نے ابلیسی مجلسِ شوریٰ کی صدارت کرتے ہوئے اپنے مشیروں سے کہی تھی اس نے اس اُمّت کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے کہا ؎

ہر نفس ڈرتا ہوں اس اُمت کی بیداری سے میں

ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات

www.abulhasanalinadwi.org

احتسابِ کائنات کا فریضہ اس اُمّت کے ذمّہ کیا گیا ہے، دنیا کس طرف جا رہی ہے، کیا رجحانات کام کر رہے ہیں؟ اس کی فکر اُسی اُمّت کو ہونی چاہیئے، یہ دین اُن اصولوں اور تعلیمات پر مبنی ہے، اور اس شریعت پر مشتمل ہے، جو ابلیسی نظام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ، اور "سدِّ سکندری" ہے۔

صدر مجلسِ ابلیسی اس دینِ محمدی و شرعِ اسلامی کی ان خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے (جو اس کے لئے چیلنج کا درجہ رکھتے ہیں) کہتا ہے ؎

الحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر | حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے | نے کوئی فغفور و خاقاں نے فقیرِ رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف | مُنعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب | بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

شیخ عبداللہ ابراہیم الأنصاری مرحوم کی وفات

"۱۵ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو اچانک یہ افسوسناک اطلاع ملی کہ نہ صرف قطر اور نہ صرف بلادِ عربیہ بلکہ عالمِ اسلامی اور عہدِ حاضر کے ایک راسخ العلم عالم خادمِ دین، اسلاف کی علمی یادگاروں اور مفید اور بیش قیمت تصانیف کی ایک بڑی تعداد کو (جو ابھی تک مخطوطہ اور قلمی شکل میں اہلِ علم کے دسترس سے باہر تھی) طبع کرا کے ان کو اہلِ علم اور تحقیقی کام کرنے والوں تک پہونچانے کا کارنامہ انجام دینے والے حکومت قطر کے ریاست امور دینیہ

www.abulhasanalinadwi.org

اور شعبۂ "احیاء التراث الاسلامی" کے صدر و رُوحِ رواں شیخ عبد اللہ ابراہیم الانصاری نے لندن میں جہاں وہ بغرض علاج تشریف لے گئے تھے، وفات پائی، ان کی نعش قطر لائی گئی اور سپرد خاک کی گئی۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون

بہت کم لوگوں کو اور خاص طور پر "برصغیر ہند و پاک میں اہلِ علم و واقفیت کو بھی اس کا علم ہوگا کہ مرحوم کن خوبیوں اور خصوصیات کے حامل تھے، اور اللہ تعالےٰ نے ان سے خدمتِ علم و دین، علمی خزانوں کی نشر و اشاعت اور دینی اداروں اور کوششوں کی اعانت اور حوصلہ افزائی کا کتنا مفید و عظیم کام لیا، راقم سطور کے تعارف و ربط و تعلق کی مدت بیس سال سے متجاوز ہو رہی ہے اور اس کو مرحوم کو ان کے شہر اور جائے قیام پر مجالس و اجتماعات اور سفر و حضر میں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، اور وہ ان کی دینداری استقامت، علم و دین دونوں میں درجۂ رسوخ پر فائز ہونے، خلوص، سادگی، تواضع، اخلاق اور تعاون علی البرّ والتقویٰ کے جذبہ سے اتنا متأثر ہوا جتنا فضلاء اور اعیان عرب میں سے چند خاص شخصیتوں سے متأثر ہوا ہوگا، اور اس میں غالباً اُن کے علوِ خاندانی اور قبیلۂ انصار سے اس نسبت گرامی کو بھی دخل تھا، جس کی رقّتِ قلبی لینت و تواضع، ایمان و تفقّہ فی الدین کی شہادت صادق و مصدوق کی زبان وحی ترجمان نے دی ہے، جس پر دنیا کے بڑے سے بڑے عالی نسب اور عالی نسبت اشخاص کو بھی رشک آئے گا۔"[1]

---

[1] منقول از "تعمیر حیات" لکھنؤ "کاروانِ زندگی" حصہ دوم میں قطر کی تاریخی سیرت کانفرنس منعقدہ محرم ۱۴۰۰ھ نومبر ۱۹۷۹ء کا حال پڑھا جائے جو مرحوم کی دعوت پر اور اُن کے انتظام میں دوحہ میں ہوئی تھی ملاحظہ ہو صفحہ ۲۸۷-۲۹۳

www.abulhasanalinadwi.org

ملک کی غیر معتدل و پُر از اشتغال و منافرت فضا پر تاثرات و بیانات

اپنے موروثی اور خاندانی، تصنیفی و علمی ذوق (جو گوشہ نشینی اور خلوت پسندی کا طالب ہے) تاریخ و ادب سے فطری مناسبت اور اشتغال (جس میں خود لذّت و سرور اور خود مشغولی کا سامان ہے) اور متعدد تعلیمی و علمی و دعوتی تحریکات و اداروں سے وابستگی، اور ان میں سے متعدد مرکزوں سے ذمّہ دارانہ تعلق کے باوجود (جو وقت اور توجہ کو مشغول رکھنے کے لئے کافی ہے) راقم سطور اپنے گرد و پیش کی فضا، ماحول اور وقت کے حقائق و تقاضوں سے یکسر آنکھیں بند کر لینے اور "اپنی دنیا" میں مشغول و مستغرق اور مسرور و مطمئن ہونے پر قادر نہ ہو سکا، اس میں کچھ اس عقیدت اور ذہنی تربیت کے ان قدیم مرکزوں کا بھی دخل ہے، جن سے نسلی یا فکری طور پر وابستگی رہی، اور ان کی تاریخ اور داستان لکھنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی،[1] وہ اس حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کر سکا کہ اگر ملک میں منافرت کی گرم اور تیز و تند آندھیاں چل رہی ہیں، زندگی سے سکون و اعتدال، ذہنی توازن اور اخلاقی حس کا عنصر غائب ہو چکا ہے، مذاہب کا احترام، انسانی جان کی قدر و قیمت اور بقائے باہم کی صلاحیت مفقود ہو چکی ہے، اور فضا ہر وقت آگ پکڑ لینے اور ہر چیز کو جلا کر اور خاک بنا کر رکھ دینے کے لئے تیار ہے تو پھر نہ صرف یہ کہ

---

[1] اشارہ ہے حضرت مجدّد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ کے طرزِ عمل اور مکاتبِ فکر کی طرف جن کا تعارف اور تذکرہ "تاریخ دعوت و عزیمت" کے چوتھے پانچویں حصوں اور مصنف کی قدیم و مشہور کتاب "سیرت سید احمد شہیدؒ" میں کرایا گیا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

کسی علمی و فکری کام تحقیق و جستجو اور ادب و شاعری کے کمالات کے اظہار کا موقعہ نہیں ہے، بلکہ معابد، و مدارس اور بیش قیمت کتابی ذخیرہ اور اسلاف کی یادگاریں بھی خطرہ میں ہیں، اور جان و مال، عزّت و آبرو کی بقا کی بھی ضمانت نہیں، اور یہ ایک دو مرتبہ نہیں، فرقہ وارانہ فسادات کے موقعہ پر بیسیوں بار دیکھا جا چکا ہے، اس لئے اس ملک و فضا میں رہتے ہوئے، سب سے زیادہ ضروری اور بنیادی کام اس صورتِ حال کی تبدیلی کی کوشش اور اس کو اعتدال اور انسان دوستی، اور کسی نہ کسی درجہ میں خدا ترسی اور ظلم و سفّاکی سے نفرت و کراہت کے نقطہ پر رکھنے کی سعی و جدّوجہد، خواہ وہ نقطۂ انتہا اور کمال کے بجائے ضرورت اور غنیمت ہی کا درجہ رکھتا ہو۔

راقم سطور نے رام جنم بھومی اور اجودھیا کی بابری مسجد کے قضیہ کے بعد جس کو فریقین نے خالص جذباتی اور سیاسی انداز پر چلایا اور وہ سب وسائل اختیار کئے جو مذہبی اور نسلی جذبات کو بھڑکانے، اپنے اپنے فرقہ میں مقبول بننے کے، اور قیادت و مقبولیت کے مقام پر فائز ہونے کے لئے مفید ہیں، یہ دیکھا کہ تقریباً پورے ملک کی فضا سخت گرم اور آتش گیر ہو گئی ہے، اور کسی وقت بھی وہ آگ پکڑ کر اپنے گرد و پیش کو جلا دینے کے لئے کافی ہے، فریقین کے ان جذباتی حلقوں میں کسی معتدل و متوازن، تعمیری و مثبت بات سننے اور منصفانہ تصفیہ کی صلاحیت ہی نہیں رہی، اگر منافرت کی یہ آتشیں فضا قائم رہی تو اس ملک میں اسلام کے تعارف، غیر مسلموں کو اس کے لٹریچر کے مطالعہ پر آمادہ کرنے، اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے اپنے عقیدہ و عمل کی آزادی و ملّی تشخّص کے ساتھ

www.abulhasanalinadwi.org

باقی رہنے کی گنجائش بھی نہیں رہے گی، جو دعوتی نقطۂ نظر سے اور مسلمانوں کے منصب اور ذمّہ داری کے لحاظ سے ایک عظیم ترین خسارہ اور مہیب ترین خطرہ ہے جس کی تلافی کسی اور چیز سے اور جس کا بدل کہیں اور سے مہیّا نہیں ہو سکتا۔

اسی کے ساتھ راقم نے (بیسیوں اہلِ نظر، اہلِ فکر کی طرح) یہ بھی کھلی آنکھوں دیکھ لیا کہ بابری مسجد کی تحریک جس طرح چلائی گئی اس نے اکثریت کے دل میں ہندو احیائیت (HINDU REVIVALISM) کا جوش پیدا کر دیا، جو بڑے سے بڑے ہندو مذہبی پیشوا اور داعی نہیں پیدا کر سکے، اسلامی نقطۂ نظر سے بڑی ناعاقبت اندیشی، کوتاہ نظری، بلکہ مسلمانوں کے دینی و ملّی وجود کے لحاظ سے ایک اجتماعی خودکشی کے مرادف تھی، کہ ہمسایہ قوم میں اپنے مذہب کے احیاء کا سلبی اور معاندانہ طریقہ پر وہ جوش پیدا ہو جائے جو کسی مسجد اور مدرسہ اور اسلامی شعائر کے اظہار و اعلان کا روادار نہ ہو۔

ان حقائق سے متأثر ہو کر ۲۸ نومبر ۱۹۸۹ء کو راقم نے ایک بیان لکھ کر اخبارات کو روانہ کیا، جو کثیر التعداد اُردو اخبارات میں شائع ہوا، یہاں وہ بلفظہٖ پیش کیا جاتا ہے کہ وہ ایک تاریخی امانت و دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے:-

دھماکہ خیز صورتِ حال پر قابو پانے کی ضرورت

"اس وقت ملک کی فضا پھیلی ہوئی گرم بارود کی طرح ایسی دھماکہ خیز ہو رہی ہے کہ کسی وقت بھی اور کسی جگہ بھی وہ فرقہ وارانہ فساد، تصادم اور قتل و خوں ریزی کی شکل اختیار کر سکتی ہے، اس کا بڑا سبب ملک کی

www.abulhasanalinadwi.org

مختلف فرقہ وارانہ تنظیموں کے قائدین اور مقررین کی اشتعال انگیز تقریریں اور اہلِ ملک کی حد سے بڑھی ہوئی جذباتیت اور بے شعوری ہے، اس کا قوی اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ اس صورت حال سے ملک کی تعمیر و ترقی، اخلاقی و سماجی سدھار، اس کے لئے باہمی تعاون اور ایک دوسرے کو سمجھنے اور اس کی خوبیوں و توانائیوں سے ملک اور سماج کے مفاد میں فائدہ اٹھانے کا سلسلہ عرصہ تک کے لئے موقوف ہو جائے، اور ساری توانائی، اور کام کا وقت محاذ آرائی میں صرف ہو جائے، اور ملک کے ان مخلص اور لائق ترین رہنماؤں اور کارکنوں کی ان محنتوں پر پانی پھر جائے جو کم سے کم ۱۹۱۳ء و ۱۹۱۴ء سے اس ملک میں ہندو مسلم اتحاد اور "بقائے باہم" اور مل جل کر اس ملک کو آزاد کرانے اور اس کو پُر امن، طاقتور اور باعزّت بنانے میں صرف ہوتی رہی ہیں۔

اس صورت حال کے پیدا کرنے میں رام جنم بھومی اور بابری مسجد کے قضیہ کو بڑا دخل ہے، جس کو فریقین کے اکثر لیڈروں نے عوامی جذبات کو مشتعل کرنے اور مظاہروں، جلوسوں اور نعرہ بازی کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کی اور اس کو آئین و انتظامیہ کے دائرہ میں محدود رکھنے کے بجائے سڑک پر اور پبلک میں لے آئے، اور اس کو مذہبی وقار کا مسئلہ بنا دیا۔

اس سلسلہ میں اس کا اظہار بھی ایک اظہارِ واقعہ ہے کہ انتظامیہ کے تساہل سستی یا مصلحت بینی کو بھی اس میں دخل ہے، اس موقعہ پر مجبوری سے

www.abulhasanalinadwi.org

اس واقعہ کا اظہار کیا جاتا ہے، کہ جس وقت بابری مسجد کا قضیہ شروع ہوا، اور وہ عوام کے علم میں آیا، تو یہ راقم سطور اور امیر شریعت بہار و اڑیسہ مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی (جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) مسلم پرسنل لا کی گفتگو اور جدّوجہد کے سلسلہ میں دہلی میں موجود تھے، سب سے پہلے ہم دونوں نے مسلمانوں کے نام ایک عام اپیل اخباروں میں شائع کی کہ مسلمان اس موقعہ پر فریق ثانی کی تقریروں سے اشتعال میں نہ آئیں، وہ پُرامن رہیں اور اس قضیہ کو آئین اور انتظامیہ کے ذریعہ طے کرانے کی کوشش کریں، اسی کے ساتھ ہم نے حکومت سے یہ استدعا کی کہ وہ جلد پریس اور ریڈیو کے ذریعہ اعلان کرے کہ تمام مذاہب کی عبادت گاہیں اور قابلِ احترام مقامات اسی شکل میں باقی رہیں گے، جس پر ۱۹۴۷ء کی تقسیم سے پہلے تھے، ان کے بارے میں کسی دوسرے فریق کو ترمیم و تغیّر یا ان پر قبضہ کرنے کی اجازت نہیں دی جائیگی، لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہیں کیا گیا، اور فریقین کو اپنی اپنی کاروائی کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا گیا۔

اسی کے ساتھ ایک تاریخی واقعہ کے طور پر یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ راقم نے مسز اندرا گاندھی کو اپنے ایک خط میں لکھا تھا، پھر اس کو موجودہ وزیر اعظم مسٹر راجیو گاندھی کے نام اپنے ایک خط میں دہرایا کہ "تاریخ کو اُلٹا سفر کرانے میں ملک بڑے خطرات اور مصائب میں مبتلا ہو جائیگا، اور تعمیر و ترقی کا کام رُک جائیگا، یہ ایک سویا ہوا شیر ہے اس کو جگانا

www.abulhasanalinadwi.org

دانشمندی کے خلاف ہے، اب بھی میری تاریخ عالم کے ایک طالب علم اور مصنّف کی حیثیت سے یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ تاریخ کا از سرِ نو یہ اُلٹا سفر ان غیر ضروری مشکلات کو پیدا کرنے اور ملک کو پیچھے کی طرف لے جانے کے مرادف ہوگا، جس کی اس رواں دواں زمانہ میں بالکل گنجائش نہیں، میں نے راجیو جی کو بابری مسجد کے قضیّہ کے علم میں آنے کے بعد ہی مشورہ دیا تھا کہ وہ اس پورے محل وقوع کو جس میں مسجد اور وہ جگہ واقع ہے جس کو رام جنم بھومی کا نام دیا جاتا ہے، آثار قدیمہ میں شامل کرلیں، مسجد اپنی پہلی شکل میں لے آئی جائے[۱]، اور یہ پورا علاقہ دوسرے آثار قدیمہ اور تاریخی مقامات کی طرح گورنمنٹ کے تحفّظ میں لے لیا جائے، آثار قدیمہ میں واقع مسجدوں میں خاموش طریقہ پر نماز پڑھنے کی ممانعت اب بھی نہیں ہے، اس وقت بھی نہیں ہوگی، اور مسجد کے احاطہ کے باہر کچھ فاصلہ پر رام چندر جی کے تعلق سے کوئی تاریخی، ثقافتی یادگار قائم کی جاسکتی ہے، جس میں ان کے بارے میں تاریخی معلومات فراہم کی جائیں، اور تعارفی، یادگاری جلسے ہوں، اب بھی میرے نزدیک مسئلہ کا یہی مناسب ترین، محفوظ ترین، اور ممکن العمل حل ہے، اور یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ دہلی میں ایک ہزار کی تعداد میں اساتذہ وطلبہ نے محترم صدر جمہوریہ سے اسی کی درخواست کی ہے، اور اسی کا مشورہ دیا ہے، لیکن اس کے لئے انتظامیہ کو تمام وقتی اور انتخابی مفادات اور الیکشن کے نتائج سے

---

[۱] جس میں مورتیاں نہیں تھیں، اور وہ عام مساجد کی طرح خالص اللہ کی عبادت کی جگہ تھی۔

www.abulhasanalinadwi.org

قطع نظر، تیز کسی جماعت، فرقہ، یا رضا کارانہ تنظیم کی رضامندی اور ناراضگی سے بے پروا ہو کر فوری طور پر عزم و فیصلہ کے ساتھ قدم اٹھانے کی ضرورت ہے، ورنہ اندیشہ ہے کہ یہ ملک میدانِ عمل بننے کے بجائے ایک میدانِ جنگ کی صورت اختیار کرلے گا۔

مسلمان سیاسی قائدین بالخصوص بابری مسجد ایکشن کمیٹی کے رہنماؤں سے مخلصانہ اپیل ہے کہ وہ اس ملک کو، جس میں مسلمانوں نے ایک ہزار برس تک داعی، مصلح، ملک کے ایک معمار اور اس کو سیاسی وحدت، ایک ترقی یافتہ نظامِ مملکت، اور وحدت و مساواتِ انسانی کا پیغام دینے والے کا کردار ادا کیا ہے، جس کی اب بھی ضرورت ہے، اس قابل رہنے دیں کہ برادرانِ وطن اسلام کی تعلیمات اور اس کی تاریخ کا ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ مطالعہ کرسکیں، ان کے ضروری ملّی تشخّص کو برقرار رکھنے پر آمادہ ہوں، اور ان کے مسائل و مشکلات کے سمجھنے کے لئے ان کے دلوں میں آمادگی اور ہمدردی کا جذبہ ہو، اور اپنی جذباتیت اور ایک محدود و معیّن مسئلہ کی وجہ سے (خواہ وہ کتنا ہی اہم ہو) ملک کو مسلمانوں سے بیگانہ اور ان کا حریف بنانے اور اسلام کے سمجھنے اور اس کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی راہ میں وہ مشکلات و موانع پیدا نہ کریں جن کو دور کرنے کے لئے طویل مدّت اور سخت جدّ و جہد کی ضرورت ہو، اور پھر بھی کامیابی مشکوک رہے"۔

www.abulhasanalinadwi.org

قیام امن کے لئے عوامی ضمیر کی بیداری کی ضرورت

راقم کو ایک دن اچانک معلوم ہوا کہ اپنے شہر رائے بریلی کے چند مسلمان احباب و معززین اور چند کھلے ہوئے دل و دماغ کے غیر مسلم واقفین نے ۴ر نومبر ۱۹۸۹ء کو فیروز گاندھی ڈگری کالج کے آڈیٹوریم میں "پیام انسانیت" کے ایک جلسہ کا انتظام کیا ہے، اتفاق سے انھیں دنوں رائے بریلی شہر میں بعض جلوسوں اور واقعات کی وجہ سے ہندو مسلم کشیدگی اور ٹنشن پایا جاتا تھا، اندیشہ تھا کہ یہ آگے بڑھ کر تصادم کی شکل نہ اختیار کرلے، راقم نے اس جلسہ میں شرکت کے لئے (اہل شہر کی خواہش اور طلب پر) اپنے محب مکرم اور محترم رفیق کار مولانا عبد الکریم پاریکھ صاحب کو جو تحریک "پیام انسانیت" کے خاص ترجمان اور مقرر ہیں، ناگپور سے اور اسی تحریک کے ایک دوسرے عزیز رفیق اور داعی انیس چشتی صاحب کو پونہ سے آنے اور اس جلسہ میں شرکت کرنے کی دعوت دے دی، اور وہ دونوں حضرات آکر شریک ہوئے اس کا خیال بھی نہ تھا کہ اہلِ شہر اس جلسہ کا ایسا اچھا اہتمام کریں گے، اور اس میں اتنی بڑی تعداد میں شریک ہوں گے، خاص طور سے اپنے وطن میں یہ پہلا تجربہ تھا، جہاں عرصۂ دراز سے گوشہ گیری اور مطالعہ و تصنیف کی مشغولیت کے ساتھ وقت گذارا جا رہا ہے، اور مہینوں کسی تقریب سے بھی شہر میں جانے کی نوبت نہیں آتی، بالعموم کار کے ذریعہ لکھنؤ سے شہر کے باہر باہر ہی اپنی جائے سکونت دائرہ شاہ علم اللہ حسنی" آنا ہوتا ہے، اور باہر باہر ہی سے لکھنؤ واپسی ہو جاتی ہے، لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہو گئی کہ کالج کا شاندار اور وسیع آڈیٹوریم کھچا کھچ بھرا ہوا تھا،

www.abulhasanalinadwi.org

مجمع میں شہر کے تعلیم یافتہ اور معزز حضرات کے علاوہ شہر کے انتظامیہ کے اہم ارکان، پولیس کے افسران اور آئی، ٹی، آئی (جس کا رائے بریلی میں بہت بڑا مرکز ہے) کے افسران اور اہم عہدیدار اور ملازمین بھی شریک تھے، جن کو بات کرنے کی فرصت بھی مشکل سے ملتی ہے، معلوم ہوا کہ ٹیلیفون پر پیغام پہونچنے اور ضرورت بتانے کے باوجود بھی کوئی اپنی جگہ سے اُٹھ کر نہیں گیا، ہال کی گیلری بھی سامعین سے اور خاص طور پر خواتین سے بھری ہوئی تھی، جن میں رائے بریلی حلقہ سے کھڑی ہونے والی کانگریسی امیدوار شریمتی شیلا کول بھی تھیں، "قومی آواز" کے رپورٹر حسین امین صاحب نے جو خود رائے بریلی کے نواح کے رہنے والے ہیں، اپنی رپورٹ میں جو "قومی آواز" کے ۹ر نومبر کے شمارہ میں شائع ہوئی کہا :-

"رائے بریلی کے شہر میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی تقریب کہی جاتی ہے .... شام کے وقت فیروز گاندھی ڈگری کالج کی طرف جو شہر سے خاصہ فاصلہ پر ہے کسی پبلیسٹی کے بغیر محض دعوت ناموں کی تقسیم کے بل پر ہر شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، آڈیٹوریم جو اپنی گنجائش بھر یہاں تک کہ بال کونی تک بھر گیا، تو دیکھ کر ایسا لگا کہ شہر کی تمام ممتاز شخصیتوں کا ایک ہجوم ہے جو .... پیام انسانیت جاننے کے لئے بے چین ہیں"[1]

راقم نے اپنی تقریر میں زیادہ تر اس پر زور دیا کہ قیام امن اور فسادات کو روکنے کے لئے حکومت اور انتظامیہ اپنے تمام وسائل اور فورس کو لگا دے تو بھی

---

[1] "قومی آواز" ۹ر نومبر ۱۹۸۹ء۔

www.abulhasanalinadwi.org

اس وقت تک کچھ نہیں ہو سکتا جب تک خود ہمارا ضمیر حسّاس اور بیدار نہ ہو، ہم ظلم کو ظلم نہ سمجھیں، انسان کی قیمت نہ سمجھیں اور امن و حالات کو اعتدال پر رکھنے میں اپنی ذمّہ داری محسوس نہ کریں، تقریر میں کہا گیا کہ اس ملک میں جس کو دنیا کی اخلاقی حیثیت سے قیادت کا فرض بھی انجام دینا چاہیئے اور اس کو ایسا موقعہ ہے، کیوں ایسے چار آدمی بھی نہیں ہیں جو نکل پڑیں اور وہ اس صورتِ حال کو تبدیل کرنے کی کوشش کریں؟ انسانیت کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے بچپن سے تربیت کی ضرورت ہے، تعلیمی نصاب میں ڈسپلن، اتحاد، محبت اور امداد باہمی کا جذبہ ایک لازم ملزوم کی حیثیت سے ہونا چاہیئے، تمام مذاہب میں اختلافات کے باوجود اس بات پر اتفاق ہے کہ ظلم بُری چیز ہے، اور تمام مذاہب بے ایمانی، جھوٹ اور فریب کو "پاپ" کہتے ہیں، بھائی چارہ پُرانے زمانہ میں اس ملک کی تہذیب کا جزء تھا، یہاں کے لوگوں نے باہر سے آنے والوں کو گلے لگایا، ان کی صلاحیتوں اور ذہانت سے فائدہ اٹھایا، اور ان آنے والوں نے بھی اس ملک میں علم کے دریا بہائے، اور دور دور اس کا نام روشن کیا، وہ باتیں اور یادیں ہمارے لئے قابلِ فخر ہیں، اور ہمیں اس خصوصیت کو باقی رکھنے کی پوری جدّوجہد کرنی چاہیئے۔

مولانا پاریکھ صاحب نے بھی قرآن مجید کی تعلیمات اور آیات کی روشنی میں انسانی جان کی حفاظت اور ظلم و سفّاکی، اور قتل و غارت گری کی قباحت بڑی خوبی سے بیان کی، اور اس آیت کا حوالہ دیا، جس میں کہا گیا ہے کہ جس نے ناحق ایک آدمی کی جان لی اس نے گویا تمام انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اور جس نے ایک کی زندگی کا سامان کیا اس نے پوری نسل انسانی پر

www.abulhasanalinadwi.org

احسان کیا اور اس کی حفاظت کی۔[1]

شہر کے ذمہ دار احباب سے معلوم ہوا کہ اس جلسہ کا شہر کی فضا پر بڑا اچھا اثر پڑا اور حالات میں اعتدال اور سکون پیدا ہو گیا، اس جلسہ کا اردو، انگریزی ہندی اخبارات نے اچھا نوٹس لیا، روزنامہ "پیٹریکا" نے اپنے ۷ نومبر کی اشاعت میں جلسہ کی متعدد تصویریں دیں اور اس کا چرچا رہا۔

امن قائم رکھنے میں حکومت کا فرض

راقم نے رائے بریلی کے جلسہ میں اس حقیقت پر زور دیا تھا کہ عوام کے ضمیر اور نفسیات کی تبدیلی اور امن و امان کے بارے میں عمومی پیمانہ پر ذمہ داری کے احساس کے بغیر حالات میں وسیع اور دیرپا تبدیلی نہیں ہو سکتی، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس بارے میں حکومت کا کوئی فرض اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے،[2] لوگوں کے جان و مال کی حفاظت اور امن و امان قائم رکھنا حکومت کا اوّلین فریضہ ہے، اس سلسلہ میں رائے بریلی کے جلسہ کے چند دن بعد ہی راقم کا ایک بیان اخبارات میں شائع ہوا جس کا متن حسب ذیل ہے:۔

"ملک میں اس وقت فرقہ پرستی اور تشدد کی جو لہر آئی ہے وہ بے حد

---

[1] مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ط (المائدۃ ـ ۳۲)

[2] جیسا کہ بعض ناقدین نے تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ "مولانا نے حکومت اور انتظامیہ کو بالکل بری الذمہ قرار دے دیا، اور ساری ذمہ داری عوام پر ڈال دی"۔

www.abulhasanalinadwi.org

تشویشناک ہے، مجھے افسوس ہے کہ انتظامیہ کی تساہلی اور ضرورت سے زیادہ مصلحت اندیشی نے بابری مسجد، رام جنم بھومی کے مسئلہ کو حل کرنے میں نہ صرف تاخیر کی، بلکہ احیاء پرست تنظیموں کو من مانے ڈھنگ سے اپنے پروگرام پر عمل کرنے کا موقعہ دے کر ملک کی یک جہتی اور ہم آہنگی کو (جو ہندوستان کے لئے سب سے زیادہ ضروری تھی اور اس کی نیک نامی کا باعث تھی) سخت صدمہ پہونچانے کا موقعہ فراہم کر دیا، اس سلسلہ میں بھاگل پور، بدایوں، بنارس، اندور وغیرہ میں جو کچھ پیش آیا، وہ سخت تکلیف دہ اور قابلِ شکایت ہے، لوگوں کی جان مال کی حفاظت اور امن قائم رکھنا حکومت کا اوّلین فریضہ ہے، میں حکومت اور عوام دونوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس وقت فرقہ وارانہ فسادات کو جو فسادات سے بڑھ کر نسل کُشی تک پہونچ گئے ہیں، ہر قیمت پر روکنے کی کوشش کریں[1]۔"

بھاگل پور کا غیر معمولی اور لرزہ خیز فساد

نومبر کے اسی مہینہ میں جبکہ جنرل الیکشن کی تاریخیں سر پر آگئی تھیں، بدایوں اور یوپی کے بعض دوسرے مقامات پر سفّاکانہ اور وحشیانہ حملے ہوئے، بدایوں میں ٹرین سے متعدد بے گناہ مسافروں کو اتار کر قتل کیا گیا، لیکن بھاگل پور میں جو کچھ ہوا اس نے غالباً تمام پچھلے فسادات کو مات کر دیا اور وہ فساد سے بڑھ کر

---

[1] روزنامہ "قومی آواز" لکھنؤ۔ ۱۸ر نومبر ۱۹۸۹ء

www.abulhasanalinadwi.org

نسل کشی اور ایک منظّم مسلّح فوجی حملے کی حیثیت رکھتا تھا، جو تمام اخلاقی وقانونی حدود، ضوابط وروایات کو نظر انداز بلکہ پامال کرکے رکھ دیتا ہے، یہاں پر صرف ایک بیان پر اکتفا کی جاتی ہے، جو ایک انگریزی روزنامہ (THE HINDU)[۱] سے ماخوذ ہے، جو اس کے خصوصی نامہ نگار کے قلم سے "بھاگل پور کے دہشت کے ایّام" کے عنوان سے شائع ہوا۔

(THE HINDU) کا خصوصی نامہ نگار لکھتا ہے:-

"بھاگل پور اور اس کے آس پاس دیہی علاقوں میں جو کچھ ہوا وہ فرقہ وارانہ فساد نہیں بلکہ اس سے کہیں بدتر چیز تھی، اس کا شکار ہونے والے بیشتر افراد کا تعلق اقلیتی فرقہ سے تھا، اور ان میں بھی اکثر عورتیں، بچّے، بوڑھے اور معذور افراد تھے، مرنے والوں کی تعداد غیر سرکاری طور پر سیکڑوں بتائی جاتی ہے، ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں نے اس امر کی تصدیق کی ہے، اور ان میں وہ لوگ شامل نہیں ہیں جو پولیس اور نیم فوجی دستوں کی فائرنگ میں ہلاک ہوئے۔

ابتدا میں تشدّد جو ۲۵ر اکتوبر کو بھڑک اٹھا تھا، منصوبہ بند تھا، بے رحمانہ قتل، عصمت دری، آتش زنی اور لوٹ مار کی حرکتوں کا ارتکاب اگر پولیس کی فعّال شرکت سے نہیں تو اس کی رضامندی سے کیا گیا، یا دو منڈلی اور گنگوٹیا جرائم پیشہ گروہوں نے بھی جن کے ٹھکانے دریاؤں کے نشیبوں میں ہیں، فرقہ وارانہ تشدّد کے فراہم کردہ موقعہ کا

---

[۱] THE HINDU ۲ر نومبر ۱۹۸۹ء

www.abulhasanalinadwi.org

فائدہ اُٹھایا۔

پولیس کے خلاف الزامات

جب تشدّد بڑھتا جا رہا تھا، ضلع حکام اس حد تک بے عمل تھے، گویا ان کو سانپ سونگھ گیا ہو، ان پر الزام ہے کہ انھوں نے اس مقامی پولیس فورس کا مکمل تحفّظ کیا جس نے نہ صرف عوام کے جان و مال کے تحفّظ کا اپنا فرض منصبی پورا نہیں کیا بلکہ بعض حالتوں میں بھاگل پور میں ہونے والے غیر معمولی بہیمانہ تشدّد کی ترغیب دی، ضلع مجسٹریٹ کے این جھا اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کے، ایس، ڈُویدی خاص طور سے تنقید کا نشانہ بنے ہیں، ریاستی حکومت نے مسٹر دویدی کے تبادلہ کا حکم جاری کیا، لیکن بعد میں جب ان کے حامیوں نے وزیر اعظم کا گھیراؤ کیا تو اس کو واپس لے لیا، مقامی پولیس ایسوسی ایشن نے یہاں تک دھمکی دے دی کہ اگر ان کا تبادلہ روکا نہ گیا تو بغاوت کر دی جائے گی ان لوگوں نے کہا کہ "نیا ایس پی آئے پھر ہم دیکھ لیں گے۔"

ان حالات میں جو کہ ضلع نظم و نسق کی جانب سے صورت حال کا مؤثر طور پر مقابلہ نہ کرنے کی وجہ سے اور زیادہ بگڑ گئے تھے، غیر معیّنہ مدّت کا کرفیو اور بلوائیوں کو دیکھتے ہی گولی مارنے کا حکم تشدّد بھڑکنے کے بعد تین روز تک نافذ نہیں ہو سکا، چمپا نگر، ناتھ نگر، نانا رپور، شاہ جنگی، اسحاق چک، صاحب گنج، اور راجون علاقوں میں قتل، لوٹ مار،

www.abulhasanalinadwi.org

اور آتش زنی کرنے والوں نے تین ۳ دن تین رات تک موت اور تباہی کا ننگا ناچ بلا روک ٹوک جاری رکھا۔

غریبوں کی بستیوں چمپا نگر اور ناتھ نگر میں یہ عالم معلوم ہوتا تھا گویا وہاں کسی حملہ آور قبضہ گیر فوج نے تباہی پھیلائی ہو، ۲۵ اکتوبر کی صبح جب قزاقوں نے حملہ کیا تو چمپا نگر تھانہ میں سب ڈویزنل مجسٹریٹ ایک ڈی، ایس، پی، ایک انسپکٹر، چھ ۶ سب انسپکٹر، چھ اسسٹنٹ سب انسپکٹر ۴۰ مسلح پولیس والے اور ساتھ میں تین ۳ جیپیں موجود تھیں، گشت وخون، آتش زنی اور لوٹ کا سلسلہ سارا دن اور رات کو جاری رہا، لیکن ان پولیس والوں نے اس غنڈہ گردی کو روکنے کے لئے ایک انگلی بھی نہیں اٹھائی۔

بی ایس ایف کی تعیناتی

۲۶ اکتوبر کی رات جب بارڈر سیکورٹی فورس تعینات کی گئی، اس وقت تک چمپا نگر اور ناتھ نگر ملبہ کے انباروں میں تبدیل ہو چکے تھے، خون آلودہ سڑکوں پر جھلسے ہوئے کرگھے اور گاڑیاں بکھری پڑی تھیں، ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے پورے علاقہ پر گولہ باری کی گئی ہو، دوسرے علاقوں میں بھی یہی صورت حال تھی جہاں بی ایس ایف نے سیکڑوں افراد کو جو ملبہ میں پھنسے ہوئے تھے نکالا، ان کو عارضی امدادی کیمپوں میں پہونچایا گیا، زخمیوں کو اسپتال میں داخل کیا گیا۔

بی ایس ایف کے کمانڈنٹ راجندر سنگھ نے پوری رات کام کیا

www.abulhasanalinadwi.org

اور اس دوران محض بغیر دودھ کی چائے پیتے رہے، انھوں نے ریلیف کا کام منظم کیا، (حالانکہ یہ ضلع نظم ونسق کا کام تھا) امدادی کیمپوں کو غذا اور ضروری دوائیں پہونچائی گئیں، بیماروں کو اسپتال لے جایا گیا، سیکڑوں زخمیوں کی دیکھ بھال کی گئی، خصوصًا جو نازک حالت میں تھے، موصوف نے پس وپیش میں مبتلا ڈاکٹروں اور سرجنوں کو عمل پر آمادہ کرنے کا کام بھی انجام دیا۔

اس سب کے ساتھ ساتھ وہ نازک علاقوں اور پُر پیچ گلیوں کا دورہ کرتے رہے جہاں بہار پولیس کے دستے بھول کر بھی نہیں گئے تھے، مالدار لوگوں کے مکان دیوالی کی روشنیوں سے جگمگا رہے تھے جبکہ متاثرہ علاقوں میں موت اور ویرانی کا راج تھا، خنجر پور ریلیف کیمپ میں جہاں ایک مڈل اسکول میں متاثرین بوریوں کی طرح بھرے ہوئے تھے، ۲۴ گھنٹے سے ان کو خوراک نہیں ملی تھی، اس کیمپ کے چار سو سے زیادہ باشندوں کے لئے ضلع حکّام نے چوڑوں کا ایک بورا فراہم کیا تھا، راجندر سنگھ نے وہ کھانا جو ان کے آدمیوں کے لئے تیار کیا گیا تھا، کیمپ والوں کو دیا، بذاتِ خود کھانا کھلانے کی نگرانی کے بعد وہ ایک عورت اور اس کے بچے کو اسپتال لے گئے، یہ آدھی رات کے قریب کا وقت تھا۔

اصل نشانہ

مسلم علاقوں میں جو تباہی پھیلی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ

www.abulhasanalinadwi.org

اقلیتی فرقہ ان حملوں کا اصل نشانہ تھا، مواضعات میں ہلاک ہونے والوں کی لاشیں جب لائی گئیں، تو ان کے انبار لگ گئے، ان میں بہت سی سڑی ہوئی لاشیں تھیں، ایک ذریعہ کا کہنا ہے کہ ایک ہی بار کم از کم ۱۴۵ لاشیں اور دوسرے موقعہ پر دوسو لاشیں گنگا میں پھینکی گئیں، لاتعداد افراد زخمی ہوئے ہیں، یہ لوگ بھاگل پور میڈیکل کالج اسپتال میں فرش پر پڑے ہیں، ان کو تبردوں اور تلواروں کے زخم آئے ہیں، علاج و معالجہ اور جان بچانے والی دواؤں کی کمی کے باعث ان میں بعض تو قریب المرگ حالت میں نظر آرہے تھے۔

اسی نامہ نگار نے کئی ایسے لوگوں کو دیکھا جو ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے، اور جن کے ہاتھوں پیروں کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں، ان لوگوں کو یا تو پولیس نے پیٹا یا بلوائیوں کی گولیوں اور تلواروں کے زخم آئے تھے، بہت سے زخمی اپنا یہ حشر ہونے کے خوف سے اسپتال نہیں گئے، لہذا وہ زخمیوں کی فہرست میں شامل نہیں ہیں۔

قتل کرنے والوں نے انتہائی سفّاکی کا مظاہرہ کیا تھا، فوجی افسروں نے بتایا کہ ایک حاملہ عورت کے پیٹ کو پتّھر سے کچلا گیا تھا، یہ کارنامہ ایک ہجوم نے دن دہاڑے بھاگل پور ریلوے اسٹیشن کے پاس ریل کی پٹری پر انجام دیا، اس کے نتیجہ میں عورت اسقاط حمل کے باعث فوراً چل بسی، ایک فوجی افسر میجر جی ایس ورک نے شکایت کی کہ مواضعات میں تشدّد کو روکنے میں ضلع نظم و نسق اور پولیس کے درمیان تال میل

www.abulhasanalinadwi.org

بالکل نہیں تھا، انھوں نے خاص طور سے موضع فتحپور جس کے اِرد گرد یادو اور منڈلی جرائم پیشہ گروہ آباد ہیں، اور کرفیو زدہ ساپور علاقہ کے نزدیک موضع چندیری کا ذکر کیا، جہاں تازہ اطلاعات کے مطابق کم از کم ستر افراد ہلاک ہوئے ہیں۔

پولیس اور سی آر پی ایف کی جانب سے بے قصور لوگوں کو زدوکوب کئے جانے کے واقعات روشنی میں آئے ہیں، ان لوگوں میں بھاگل پور یونیورسٹی کے میڈیکل افسر ڈاکٹر علیم الرحمٰن اور مارواڑی کالج کے پروفیسر اور شعبۂ نباتات کے سربراہ ڈاکٹر بیگ شامل ہیں، ڈاکٹر رحمٰن جن کی ٹانگ کی ہڈی پولیس کی لاٹھیوں کی ضربات سے ٹوٹ گئی ہے، کہتے ہیں کہ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ انھوں نے اسپتال کی ڈیوٹی سے واپس آتے ہوئے، اپنے ہاتھ اٹھا کر سی آر پی ایف دستہ کا تحفظ چاہا تھا، اور اس سے درخواست کی تھی کہ ان کے گھر والوں کو محفوظ مقام پر پہونچانے میں مدد دیں، جن کو بلوائیوں نے گھیر لیا، ڈاکٹر رحمٰن کا کہنا ہے کہ ان کی کوئی بات سننے کے بجائے سی آر پی ایف والوں نے ان پر لاٹھیاں برسانا شروع کردی، انھوں نے بتایا کہ ان کا مکان لوٹا اور جلایا گیا۔

انتقامی کاروائیاں

فوج اور بارڈر سکیورٹی فورس کثیر تعداد میں موجودگی کے باوجود وزیراعظم نیز مرکزی وزیروں کے دورے کے بعد بے قصور لوگوں کے

www.abulhasanalinadwi.org

خلاف پولیس کی انتقامانہ کارروائیاں جاری ہیں[۱]"

اس موقعہ پر مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی امیر شریعت بہار واڑیسہ اور جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ایک خط کا اقتباس بھی پیش کیا جاتا ہے، جو انھوں نے اس عاجز کو لکھا، اور اس پر ۲۶ دسمبر کی تاریخ ہے[۲]۔

"محترما! اس مرتبہ فرقہ واریت کے ننگے ناچ کا جو جنون دیکھنے میں آیا اس کے تصور سے بھی کانپ اٹھتا ہوں، درندے بھی ایسی وحشیانہ حرکتیں نہ کرتے ہوں گے، جو انسانوں نے انسانوں کے ساتھ کی ہیں، بچپن سے سن رکھا تھا، اور اب بھی اپنا یقین یہی ہے کہ انسان کی جان لینا اور اسے مار ڈالنا مشکل ترین کام ہے، اچھے اچھے شکاریوں کے ہاتھ کانپ جاتے ہیں، بندوق اور رائفل ہاتھ سے چھوٹ کر گر جاتی ہے لیکن اس دفعہ جو کچھ ہوا، وہ یہ کہ انسانوں کو قتل کرنے اور مار ڈالنے کا ایک اچھا ذوق پیدا ہو گیا ہے، اس مرتبہ وحشت اور بربریت کے ایسے دردناک واقعات پیش آئے ہیں کہ ان کے سننے کے لئے پتھر کا دل چاہئے"۔

---

[۱] ترجمہ ماخوذ از سہ روزہ "دعوت" نئی دہلی، جلد ۳۷ شمارہ ۱۰۰، ۷ نومبر ۱۹۸۹ء منگل ۷ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

[۲] اس خط کے دیگر اقتباسات راقم کے اس خط میں صاحب مکتوب کا نام لئے بغیر آئیں گے جو اس نے ہندوستان کے ہندو مذہبی پیشواؤں، غیر مسلم دانشوروں اور انسانیت دوستوں کے نام لکھا اور وہ خط ملاقاتوں کے ذریعہ ذاتی طور پر پہونچایا گیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

شِلانیاس، رام جنم بھومی کی زلزلہ انگیز تحریک اور بھاگل پور کے قیامت خیز فساد کے اثرات

جنرل الیکشن کی تاریخیں سر پر آگئی تھیں، اور ان کے لئے ایک معتدل و باشعور فضا کی ضرورت تھی، لیکن اس کے برعکس شِلانیاس، رام جنم بھومی کی تحریک سارے ملک میں عام طور پر اور ریاست اُتّر پردیش میں اس طرح اٹھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ ہندوستان میں ایک زلزلہ آگیا ہے، اکثریت کی فرقہ پرست اور جارحانہ تنظیموں (ہندو پریشد، شیوسینا، آر ایس ایس وغیرہ) کو کھُلی چھوٹ دے دی گئی، اور انھوں نے اشتعال انگیز تقریروں اور اکثریت کے دل میں مذہبی غیرت اور جوش پیدا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، یہ معلوم ہوتا تھا کہ پوری ہندو قوم کی عزّت اور اس کی بقا کا سوال ہے، بابری مسجد کا مقدمہ اگرچہ عدالت میں زیر سماعت تھا، اور ایسی حالت میں کہ مقدمہ زیر سماعت ہو متنازعہ مسئلہ پر کسی فیصلہ کن اور جارحانہ اقدام کی اجازت نہیں دی جا سکتی، لیکن ان تنظیموں کے رہنماؤں کی تقریروں اور جگہ جگہ کے جلوسوں اور مظاہروں اور اعلانات سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ بابری مسجد کو منہدم کر کے کسی وقت مندر بنا دیا جائے گا۔

دوسری طرف بھاگل پور کے خوں ریز و خونخوار فساد کے سلسلہ میں مرکز کی طرف سے کسی ایسی کارروائی کے نہ ہونے سے جس سے فساد کی طوفانی لہر کہیں جا کر رُک جائے، اور پولیس و ملٹری کے افسران اور ریاست کے انتظامیہ کے ان ذمّہ داروں کے خلاف عزل و نصب کی کارروائی ہو، جو اس میں ملوث تھے یا اس کے

www.abulhasanalinadwi.org

روکنے میں مجرمانہ غفلت کے قصوروار پائے گئے، اس سے زیادہ یہ کہ وزیراعظم راجیوجی نے ریاست بہار کا دورہ کیا، اوران کی طرف سے بجائے ان قصوروار متہم افسران کو برطرف کردینے یا ان کے خلاف تادیبی کارروائی کے (کسی مجبوری سے بھی) برطرف شدہ افسران کو بحال کردینے کی شہرت ریاست میں اور ریاست سے باہر پھیل گئی، جس سے مرکزی حکومت کے اس تغافل اور تساہل کا مسلمانوں کو اور بھی احساس ہوا۔

جن جمہوری حکومتوں اور نظاموں کا دارومدار اصولوں، اخلاقی معیار اور خالص حق وانصاف پر نہیں ہوتا بلکہ ان کے نزدیک اصل فیصلہ کن چیز الیکشن جیتنا اور ہر قیمت پر ووٹروں کی بڑی تعداد کو اپنے حق (FAVOUR) میں لینا ہوتا ہے، ان کو اکثر اوقات جمہوری واخلاقی یہاں تک کہ دستوری وآئینی تقاضوں اور حقائق سے بھی چشم پوشی کرنی پڑتی ہے، اور ہر قیمت پر دوبارہ برسرِ حکومت آجانا ہوتا ہے لیکن تاریخ کا یہ تجربہ بھی ہے کہ کبھی یہ منطق اُلٹی پڑجاتی ہے، وہ عنصر تو ہاتھ سے نکل ہی جاتا ہے جس کی تعداد و اثرات کو تنہا کافی اور فیصلہ کن نہیں سمجھا گیا، وہ عنصر بھی (اپنے بعض تجربات اور ان مطالبات کی وجہ سے جس کی تکمیل کسی دستوری وجمہوری حکومت سے ممکن نہیں) پورے طور پر ساتھ نہیں دیتا، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس حکومت کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی سطحی وخالص سیاسی طرزِ فکر اور اپنے بعض مشیروں کے غلط مشوروں کی بنا پر (جن میں وزیر داخلہ بوٹا سنگھ کا نام عام طور پر لیا جاتا ہے) دہلی کی مرکزی حکومت ان دو جارحانہ رجحانات اور تحریکوں کے معاملہ میں وہ رویّہ نہیں اختیار کرسکی،

www.abulhasanalinadwi.org

جو اقلیت کو مطمئن کرنا اور جو اس جمہوری اور نامذہبی (SECULAR) ملک کے لئے ضروری اور اس کے شایانِ شان ہے۔

اس صورت حال سے مسلمانوں میں حکومت کے بارے میں ایسی بے اعتمادی اور شکایت و ناراضگی کی لہر پیدا ہوگئی کہ اچھے اچھے لوگوں کو بھی (جن کا مسلمانوں کے دل میں کسی درجہ میں احترام و وقعت تھی) تائیدی لفظ کہنا مشکل ہوگیا، راقم سطور، مولانا سید منّت اللہ صاحب رحمانی، اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے رکن علماء اور مذہبی ذہن رکھنے والے ارکان کو اس بات کا پورا احساس و اعتراف تھا کہ مسلم مطلّقہ کے قانون کے سلسلہ میں راجیو جی نے کتنی دلچسپی لی اور کتنا بڑا جرأت مندانہ قدم اٹھا کر مسلم پرسنل لا بورڈ کے مطالبہ اور خواہش کے مطابق (بڑی حد تک) ایکٹ پاس کرایا، جس طبقہ سے بورڈ کے رہنماؤں اور ذمّہ داروں کا تعلق ہے، وہ احسان مندی و شکر گذاری کو اپنے اخلاقی و دینی فرائض میں سمجھتا ہے، اور یہ اس کی روایات میں داخل ہے، لیکن صورت حال ایسی نازک تھی، اور خصوصاً بنارس اور بھاگل پور کے فساد کی وجہ سے مسلمانوں کے جذبات ایسے برانگیختہ تھے کہ خصوصی مجلسوں میں بھی کانگریس کی حمایت میں بولنا اور برسرِ اقتدار پارٹی کی تائید کا مشورہ دینا دشوار ہوگیا تھا، اور خود بھی حکومت کی تائید کے سلسلہ میں وہ یکسوئی اور شرح صدر باقی نہیں رہا تھا، جو بالعموم کانگریسی حکومت کے لئے رہا ہے۔

اس غیر معمولی صورت حال اور فضا کے مخالف ہونے اور پوری مسلم اقلیت کے متاثر و غیر مطمئن ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ نومبر ۱۹۸۹ء کے جنرل الیکشن میں جو ۲۲-۲۴ نومبر سے لے کر ۲۶ نومبر تک ہوئے، کانگریس پارٹی مرکزی حکومت سے بے دخل ہوگئی،

www.abulhasanalinadwi.org

راجیو جی اگرچہ اپنے حلقۂ انتخاب سے کامیاب ہوئے، اور بہت سے دوسرے کانگریسی امیدوار بھی، لیکن مجموعی طور پر کانگریس کو شکست ہوئی اور جنتا دل مسٹر وی، پی، سنگھ کی قیادت میں اپنی حلیف جماعتوں بی، جے، پی کے ساتھ مل کر (جن میں سے بعض مسلم اقلیت کے بارے میں اچھے ارادے نہیں رکھتیں اور جن میں بعض وہ رہنما شامل ہیں جن کی فرقہ پرستی اور ہندو اقتدارِ مطلق کے ارادے اور وعدے سب کو معلوم ہیں) حکومت بنانے میں کامیاب ہوگیا، اور وی، پی، سنگھ راجیو جی کی جگہ پر نئے وزیر اعظم منتخب ہوئے۔

اس عظیم تبدیلی اور نئی صورت حال سے (جس کی اس درجہ میں توقع نہ تھی) ملک کے اہلِ فکر کے دماغ عمومیت کے ساتھ اور سوچنے سمجھنے والے مسلمان خصوصیت کے ساتھ ایک سخت ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گئے جس سے ان کو اس سے پہلے کم سابقہ پڑا تھا، ایک تعداد ضرورت سے زائد خوش اور پُر امید تھی، اور ایک تعداد مایوس اور دل شکستہ، کچھ لوگوں نے نئی حکومت سے بڑی وسیع اور فیاضانہ امیدیں قائم کرلیں، اور کچھ لوگ مایوسی کا شکار ہو گئے۔

ایسی حالت میں راقم سطور نے ضروری سمجھا کہ ذہنوں کو صاف کیا جائے، اور بتایا جائے کہ حکومت کی تبدیلی سے خود حکومت اور عوام کو کیا سبق لینا چاہئے، اور نئی حکومت کے لئے صحیح طریق کار کیا ہوگا؟ اس سلسلہ میں راقم نے الیکشن کے نتائج کے چند ہی دن بعد ایک مضمون "حکومت کی تبدیلی سے سبق اور آئندہ کے لئے طریق کار" کے عنوان سے سپرد قلم کیا، اور اخبارات و رسائل کو بھیجا، جن میں سے متعدد نے اس کو شائع کیا، انگریزی میں اس کا ترجمہ کرایا اور محترمی جناب محمد یونس سلیم صاحب

www.abulhasanalinadwi.org

کے سپرد کیا کہ وہ وی، پی، سنگھ صاحب کی خدمت میں خود پیش کر دیں، اور اس کا اطمینان کرلیں کہ انھوں نے ان کی موجودگی میں اس کو پورا پڑھ لیا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، انھوں نے ان کے سامنے مضمون کا مطالعہ کیا اور خاص خاص پوائنٹس پہ نشان لگایا، حال میں ان کا خط راقم کے پاس آیا، جس میں انھوں نے اس کا اظہار کیا ہے کہ آپ کے پیش کردہ اکثر نقاط سے مجھے اتفاق ہے اور اُن کے لئے کوشش کی جائے گی، یہ مضمون ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، اس سے ہندوستان کے آئندہ کے مؤرخ کو اس دور کے ان حالات وجذبات کا اور ایک حلقۂ فکر کے مثبت اور تعمیری نقطۂ نظر کا علم ہوگا جس سے اس کو تاریخ لکھنے میں مدد ملے گی، یہاں پر اسی مضمون کا (جس کا عنوان "حکومت کی تبدیلی سے سبق اور آئندہ کے لئے صحیح طریق کار") ایک اہم اقتباس پیش کیا جاتا ہے :-

سیاسی تبدیلی ایک صحت مندانہ علامت

کسی جمہوری ملک میں حکومت کی تبدیلی اور ایک پارٹی سے دوسری پارٹی کی طرف اقتدار، قیادت اور ملک کے نظم ونسق کے اختیار کا منتقل ہونا کوئی انوکھی تشویش انگیز، اور پریشان کن بات نہیں، بلکہ یہ جمہوریت کی ایک صحت مندانہ علامت ہے، ایک ہی پارٹی کے ہاتھ میں ملک کے اقتدار اور نظم ونسق کا مستقل طور پر، یا بلا استحقاق وترجیح مدّت دراز تک رہ جانے کا مطلب یہ ہے کہ ملک کا پٹّہ اس کے نام لکھدیا گیا ہے، اور اہل ملک پسند کریں یا ناپسند کریں ان کے مسائل حل ہوں یا نہ ہوں،

www.abulhasanalinadwi.org

ان کو اسی کے زیر اقتدار رہنا ہے، اگر کوئی پارٹی یا قیادت (اپنی کوتاہیوں یا خامیوں یا کسی غلط اور مبالغہ آمیز مخالف تاثر کی بنا پر) اقتدار سے محروم ہو جاتی ہے، اور دوسری پارٹی اس کی جگہ لیتی ہے تو اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ سابقہ پارٹی اپنی جدّ و جہد، حقیقت پسندی اور اصلاح و ترقی کے بعد پھر اقتدار میں آسکتی ہے، اور نئی اقتدار میں آنے والی پارٹی اپنی خامیوں اور کوتاہیوں اور اپنے کئے ہوئے وعدوں کے پورا نہ کرنے کی بنا پر اقتدار سے محروم ہو سکتی ہے، اس طرح ہر سیاسی پارٹی اور قیادت کو جدّ و جہد کرنے کا نہ صرف موقعہ ہے بلکہ اس کے لئے ایک طاقتور محرّک اور اپنے کو مفید سے مفید تر بنانے اور قیادت کا اہل ثابت کرنے کا ذریعہ ہے، جو بہر حال ملک و عوام کے مفاد میں ہے۔

کسی سیاسی پارٹی یا قیادت کا بلا ترجیح و استحقاق کے مدّتِ دراز تک منصب قیادت پر فائز رہنا اور ملک کے نظم و نسق پر حاوی اور قابض رہنا بہت سی خرابیوں کا باعث ہو سکتا ہے، ایسی اجارہ داری (MONOPOLY) کی شکل میں اس جمہوری حکومت اور سیاسی و آئینی حکمراں جماعت میں وہ سب معائب اور کمزوریاں پیدا ہو سکتی ہیں، جو زمانۂ سابق میں طویل المیعاد خاندانی و موروثی سلطنتوں اور حکمراں خاندانوں میں پیدا ہوئیں، اور جن کی تفصیلات اور مثالیں ہر ملک کی تاریخ میں موجود ہیں، یہ فطرتِ انسانی ہے، جس سے بچنا اور جس پر غالب آنا تقریباً خلافِ فطرت اور بعید از قیاس واقعہ ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اسباب تلاش کرنے اور سبق لینے کی ضرورت

لیکن حکومتوں اور پارٹیوں کی اس تبدیلی سے کہیں زیادہ مضر اور خطرناک بات یہ ہے کہ ان اسباب پر غور نہ کیا جائے جو سابق حکمراں جماعت کے زوال کا باعث ہوئے اور انھوں نے اس تبدیلی کے لئے راہ ہموار کی، اور ان واقعات، تجربات اور لوگوں کے خیالات و تاثرات سے فائدہ نہ اٹھایا جائے جو سابق حکومت اور انتظامیہ کے بارہ میں ان کی کوتاہیوں کے عمومی ردّعمل (REACTION) کے طور پر پیدا ہوئے تھے، تاریخ عالم کا ایک اچھا طالب علم اس حقیقت سے واقف ہے کہ زمانۂ سابق میں ان حکومتوں اور شہنشاہیوں کو بھی زوال کا سامنا کرنا پڑا جن کا دنیا میں ڈنکا بجتا تھا، اور وہ اس وقت کی متمدن دنیا کے بڑے حصّہ پر قابض تھیں، جب انھوں نے واقعات، حقائق اور ضروریات و مسائل سے آنکھیں بند کرلیں اور پیش آنے والے واقعات سے کوئی سبق نہیں لیا، اس سلسلہ میں قدیم تاریخ میں رومۃ الکبریٰ (THE GREAT ROMAN EMPIRE) کا اور عہد قریب میں برطانیہ اور فرانس کا نام لیا جاسکتا ہے، جو کثیر التعداد نوآبادیوں اور ایشیا و افریقہ کے متعدد ممالک پر حکومت کررہے تھے، کمیونسٹ روس کی موجودہ قیادت نے بھی اپنے نظام کی بعض کمزوریوں اور زندگی، نظم و نسق اور ملک کی خوش حالی و ترقی کی راہ میں اپنی ناکامیوں اور خامیوں کا اعتراف کیا ہے، اور اس کی روشنی میں بعض اصلاحات، اور

www.abulhasanalinadwi.org

تبدیلیوں کے لئے (احتیاط و تحفظ کے ساتھ) قدم اٹھایا ہے، اور اسی اخلاقی جرأت و حقیقت پسندی کی بنا پر یورپ کی متعدد کمیونسٹ حکومتوں اور ملکوں میں (محدود و محتاط پیمانے پر) تبدیلیاں آرہی ہیں، خود چین میں بھی اس بے چینی اور آزادیِ خیال کی پرچھائیاں نظر آرہی ہیں، اور ایسا ہونا ضروری ہے اور یہ سوچنے سمجھنے والے دماغ اور رواں دواں زندگی کا خاصّہ ہے۔

چند حقائق کی طرف اشارے

ہم ذیل میں کسی سیاسی پارٹی یا اقتدار کی حمایت یا مخالفت کے جذبہ سے یکسر آزاد ہو کر اور بغیر کسی جانبداری کے ان چند حقائق اور واقعات اور ضروریات و مسائل کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں، جن کو اوّلین اہمیت دینا اور ان پر پوری توجہ مرکوز کرنا ہر حکمراں پارٹی اور نظم و نسق کا اولین فرض ہے، اور ان سے چشم پوشی یا ان کے بارہ میں غفلت و سستی اس حکومت یا انتظامیہ، بلکہ اس سیاسی پارٹی کے لئے بھی جس کی یہ حکومت نمائندگی کرتی ہے، زہرِ قاتل ہے، ہم یہاں نہایت اختصار کے ساتھ نمبروار اُن حقیقتوں اور ضرورتوں کا ذکر کرتے ہیں۔

اقلیتوں کی آزادی اور ان کے حقوق کا تحفّظ

اہل ملک کی جان و مال اور عزّت و آبرو کا تحفّظ سکون اور فضا کے

www.abulhasanalinadwi.org

اعتدال (NORMALCY) کو ہر قیمت پر باقی و قائم رکھنا اور اگر اس ملک میں مذہبی اقلیّتیں پائی جاتی ہیں تو ان کے مذہب، معابد، عائلی قانون (PERSONAL LAW) اور اگر کسی اقلیّت کو اپنی زبان عزیز ہے اور اس میں اس کا مذہبی و ثقافتی سرمایہ ہے تو اس کا اور اس کے رسم الخط کا تحفّظ ضروری ہے، اس لئے کہ ایک بڑے سیاسی مبصّر کے بقول "تحفظ ہی کافی نہیں تحفّظ کا احساس اور اطمینان بھی ضروری ہے"؟

ہمارا یہ عظیم ملک خاص طور پر اس سلسلہ میں بڑی توجہ، محنت اور احساس ذمّہ داری و احتیاط کا مستحق ہے کہ یہ ایک ایسی کثیر آبادی کا ملک ہے جو مختلف النوع عناصر، نسلوں اور طبقات، اور عظیم مذاہب کا مرز بوم (وطن) ہے، جہاں انھوں نے شاندار تاریخی کردار ادا کیا ہے، اس ملک کی خدمت کی ہے، اور اس کو ترقی دی ہے، پھر دنیا کے بہت سے ان ملکوں سے جہاں ان مذاہب کی اکثریت پائی جاتی ہے، یہاں مختلف اسباب کی بنا پر (جن سے بحث کرنا بے سود اور واقعات کی منطق کے خلاف ہے) زیادہ مذہبیّت اور دینی احساس وحمیّت پائی جاتی ہے، اس لئے یہاں بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے، اور ان مذہبی اقلیتوں کی اس مذہبی آزادی میں جو نہ تو جارحانہ (AGGRESSIVE) ہے اور نہ امن عامّہ کے خلاف، نیز ان کے اس پرسنل لا میں جو ان کے مذہب کا جزء ہے، اور مذہبی تعلیم اور اس کے مرکزوں اور اداروں میں جو ملک کے لئے مضر ہونے کے بجائے تعلیم و تہذیب

www.abulhasanalinadwi.org

پھیلانے اور دوسرے ملکوں میں اس ملک کا نام بلند کرنے کا ذریعہ ہیں، کسی نام یا کسی انتظامی قانون کی بنا پر مداخلت کرنا اس اقلیت کے دل و دماغ میں (جو بعض ملکوں کی پوری آبادی سے زیادہ تعداد میں ہے) بے اطمینانی و بے چینی پیدا کرنے کا باعث ہوگا، اور ملک کی تعمیر و ترقی، اور اس کے حصول کے لئے مخلصانہ جد و جہد و تعاون پر اثر انداز ہوگا، اس لئے ہندوستان کے اس قابل فخر آئین کی (جو بڑے وسیع ذہن اور حقیقت پسندی کے ساتھ بنایا گیا تھا) اس دفعہ پر دیانت داری اور مضبوطی سے عمل کرنے کی ضرورت ہے کہ "ہر اقلیت کو اپنی مرضی کے مطابق تعلیمی ادارے قائم کرنے اور ان کو چلانے کی اجازت و حق ہوگا" کسی سیاسی پارٹی یا انتظامیہ کے لئے اکثریت یا اقلیتوں کے ان مسائل و معاملات میں مداخلت کرکے ان میں غیر ضروری بے چینی پیدا کرنے اور اپنی توانائیوں کو ملک کی تعمیر و ترقی اور اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے بجائے اپنے مذہب، عائلی قانون، تعلیم یا ثقافت و زبان کے مسائل پر مرکوز کر دینے کا ذریعہ بننا ہرگز دانشمندی اور حقیقت پسندی کی بات نہیں۔

یکجہتی اور اعتماد کی فضا پیدا کرنے کی ضرورت

جہاں تک ملک کی آبادی کی جان و مال، اور عزت و آبرو کے تحفظ کا سوال ہے، یہ ہر حکومت کا اولین فرض ہے، اور اس کے بغیر

www.abulhasanalinadwi.org

وہ حکومت یا انتظامیہ، حکومت یا انتظامیہ کہلانے کی مستحق نہیں، ایسی کثیر آبادی کے ملک میں جو مختلف النّوع مذاہب، ثقافتوں اور نسلی و خاندانی طبقات اور معاشی و اجتماعی درجات (CLASSES) پر مشتمل ہے، سب سے زیادہ خطرناک چیز تشدّد (VIOLENCE) کا رجحان ہے، جو افراد اور برادریوں سے آگے بڑھ کر فرقہ وارانہ فسادات کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اور جس کے نتیجہ میں ہزاروں بے گناہ انسان، عورتیں اور بچے قتل و سفّاکی کا نشانہ بنتے ہیں، اور ملک کے مختلف حصّے باعزّت اور محفوظ زندگی گزارنے، معاشی جدّوجہد اور بقائے باہم CO-EXISTENCE کے بجائے میدان جنگ بن جاتے ہیں، گاندھی جی نے اس تشدّد کو بجا طور پر اس ملک کے لئے سب سے زیادہ خطرناک عمل سمجھا، ان کی ساری تحریک و جدّوجہد عدم تشدّد (NON-VIOLENCE) پر مبنی تھی، اب بھی ملک کی سالمیت کے تحفّظ اور پُر امن اور پُر اعتماد زندگی گزارنے کا موقعہ دینے کے لئے تشدّد کے رُجحان کو ہر قیمت پر ختم کرنے اور عدم تشدّد اور بقائے باہم کی فضا پیدا کرنے کے لئے سخت جدّوجہد کی ضرورت ہے، جہاں تک انتظامیہ کا تعلق ہے وہ ہر وقت اس پر قابو پا سکتا ہے، صرف خلوص، عزم و فیصلہ اور صاف گوئی کی ضرورت ہے، اس کا کئی بار تجربہ ہو چکا ہے کہ جب مقامی انتظامیہ اور پولیس کو یہ معلوم ہو گیا کہ ریاستی حکومت اور اگر اس میں کچھ سستی پائی جاتی ہے، یا کوئی سیاسی مصلحت کام کر رہی ہے، تو مرکزی حکومت اس کو پسند

www.abulhasanalinadwi.org

نہیں کرنی تو اس کا ایک اشارہ بھی (اگر وہ پورے فیصلہ اور دیانتداری کے ساتھ ہے) فساد کو روکنے کے لئے کافی ہوتا ہے اور چند گھنٹوں کے اندر حالات قابو میں آجاتے ہیں۔

عوامی مہم کی ضرورت

اس سلسلہ میں انتظامیہ کے حدود سے باہر بھی کام کرنے کی ضرورت ہے، ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت (انڈین نیشنل کانگریس) جس کے سر اس ملک کی آزادی کا سہرا ہے، کی تاریخ کا بھی یہ المیہ ہے کہ وہ رفتہ رفتہ گورنمنٹ اور انتظامیہ میں محدود ہو کر رہ گئی ہے، اس کا آغاز ایک ملک گیر تحریک سے ہوا تھا، اور اسی میں اس کی طاقت کا راز تھا، لیکن تحریک ختم ہو گئی اور حکومت اور انتظامیہ رہ گیا، ضرورت ہے کہ ملک میں یکجہتی اور اعتماد کی فضا پیدا کرنے کے لئے ملک گیر دورے کئے جائیں، اور جابجا جلسے اور خطابات ہوں، پریس، ابلاغ عامّہ (PUBLIC MEDIA) کے ذرائع سے مدد لے کر اس کے خلاف ذہن تیار کیا جائے، درسی و نصابی کتابوں سے وہ اسباق نکالے جائیں جو فرقہ وارانہ منافرت پیدا کرتے ہیں، اور نوخیز نسل کے دماغوں کو مسموم و زہر آلود بناتے ہیں، جن کا اثر اخیر عمر تک نہیں جاتا، پرائمری اسکولوں سے لے کر یونیورسٹی کے اسٹیج تک احترامِ انسانیت، سچی حُبّ الوطنی، انسان دوستی اور ہمسایوں کے حقوق پر زور دینے والے اخلاقی اسباق ہوں۔

www.abulhasanalinadwi.org

نفرت پھیلانے والی جماعتوں اور سرگرمیوں پر پابندی

اسی کے ساتھ فرقہ وارانہ منافرت پیدا کرنے والی جماعتوں پر پابندی عائد کی جائے، اور ان کو اپنے اہل مذہب کے جذبات سے کھیلنے اور ان کو مشتعل کرنے کی اجازت نہ دی جائے، یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہمارا یہ عظیم اور قابلِ فخر ملک سیاسی شعور اور بالغ نظری کے لحاظ سے ابھی طفولیت کے (CHILDHOOD) دور میں ہے، اس لئے ایک عرصہ تک مذہبی جلوسوں اور ان کے نعروں پر پابندی لگانے کی ضرورت ہے کہ وہی اکثر فرقہ وارانہ فسادات کا باعث ہوتے ہیں، اور منافرت کی فضا اور اکثر تصادم کے مواقع پیدا کرتے ہیں، اس لئے ان پر کُلّیۃً پابندی عائد کرنے یا اُن کی نقل وحرکت کو محدود و پابند کرنے کی ضرورت ہے۔

سوئے ہوئے فتنوں کو جگانا درست نہیں

اس سلسلہ میں ایک اور حقیقت کی طرف بھی توجہ دلانا مناسب ہوگا، جس کا راقم سطور نے سابق وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کے نام ایک خط میں اظہار کیا تھا کہ "تاریخ کو الٹے پاؤں سفر کرانا صدہا غیر ضروری مشکلات پیدا ہونے کا باعث ہوگا، یہ ایک سویا ہوا شیر ہے جس کو جگانا ہوش مندی کی بات نہیں، مختلف فرقوں کی عبادت گاہوں کے متعلق تاریخ کے کھنڈر سے صحیح یا غلط معلومات نکال کر اُن کو اپنی سابقہ شکل میں لانے کا مطالبہ ملک کو

www.abulhasanalinadwi.org

ایک ہیجان میں مبتلا کردے گا، اور یہ سلسلہ ختم ہونے کو نہیں آئے گا"میں نے اولاً ان کو مشورہ دیا تھا، پھر سابق پرائم منسٹر راجیو جی سے بھی کہا تھا کہ حکومت کھلے طریقہ پر اس بات کا اعلان کردے کہ ہر فرقہ کی عبادت گاہیں اسی شکل پر رہیں گی جس شکل پر ملک کی تقسیم (۱۵ راگست ۱۹۴۷ء) سے پہلے تھیں، کسی فرقہ کو کسی فرقہ کی عبادت گاہ پر قبضہ کرنے یا اس کو مزعومہ پرانی شکل پر لانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

اب موجودہ حکومت اور انتظامیہ کو بھی یہی مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ ان عبادت گاہوں اور مقدس مقامات میں کسی ترمیم و تغیر، یا دوسرے فرقہ کو قبضہ و استیلاء کی اجازت نہ دے اور تاریخ کو پیچھے لے جانے کے بجائے آگے لے جانے کی کوشش کی جائے کہ زندگی رواں دواں ہے، دنیا تیزی سے ترقی کر رہی ہے، اور ہمارے ملک کو خاص طور سے نہایت نازک مسائل کا سامنا ہے، اس ملک کو خیر سگالی، انسانیت دوستی، امن پسندی اور اخلاقی قدروں کو اپنا کر دنیا کی اخلاقی قیادت کا منصب سنبھالنا چاہیئے، جو ہماری روایات اور تاریخ کے عین مطابق ہے، اور دنیا کی بڑی طاقتیں اس سلسلہ میں ناکام بلکہ بدنام ہو چکی ہیں۔

انتظامیہ کی اصلاح

اس سب کے ساتھ اس حقیقت کی طرف بھی متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس ملک کی انتظامی ابتری، فرض ناشناسی، رشوت خوری

www.abulhasanalinadwi.org

اور پیسہ کا لالچ اپنی انتہا کو پہونچ چکا ہے، اس کے خلاف ایک بڑی ملک گیر عوامی جدّوجہد، اخلاقی تحریک اور انتظامیہ کی چوکسی اور فرض شناسی کی ضرورت ہے کہ کارپردازانِ حکومت اور ہر جگہ کے عملہ کو جلد سے جلد یہ محسوس ہوجائے کہ اس حکومت میں اب بالکل اس کی گنجائش نہیں، اس سے عوام میں خود اعتمادی، حکومت کی قدر اور ایک بڑی خوشگوار تبدیلی کا احساس ہوگا جو ملک کے مفاد میں بھی ہے اور حکومت کرنے والی پارٹی کے مفاد میں بھی۔

مستقل کامیابی کی راہ

آخر میں ایک مذہبی و اخلاقی اور دنیا کی تاریخ پر نظر رکھنے والے ایک خیر خواہ و فرض شناس انسان کی حیثیت سے اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ اصلی و مستقل کامیابی اور فتح خلوص اور اصول پر عمل کرنے میں ہے، خواہ سطحی و عاجلانہ نظر میں اس کے خلاف نظر آتا ہو، یہ حقیقت بھی سامنے رہنی چاہیئے کہ اس کائنات کی پیدا کرنے والی ہستی اور انسانوں کے خالق کو جس پر تمام مذاہب والوں کا ایمان ہے سب سے زیادہ ظلم، سفّاکی اور ناانصافی ناپسند ہے، اور ملکوں اور قوموں کے بقا و فنا، اور عروج وزوال کے سلسلہ میں یہی چیز فیصلہ کُن ثابت ہوئی ہے۔

امید ہے کہ ان نکات اور ان مخلصانہ مشوروں پر سنجیدگی سے غور کیا جائے گا جو محض خلوص، ملک کی محبت، سابق تجربوں کی تلخی

www.abulhasanalinadwi.org

اور مستقبل کے خطرات کے احساس نے لکھوائے ہیں اور جن کے پیچھے کوئی سیاسی غرض یا عزّت واقتدار کی کوئی خواہش نہیں"۔

عظیم خانگی حادثہ

۱۵ر دسمبر ۱۹۸۹ء کو عشاء کے وقت عین نماز عشاء ادا کرنے کے بعد راقم کی رفیقۂ حیات (سیّدہ طیب النساء) نے اچانک داغ مفارقت دیا، اور نصف صدی کی مسلسل ومکمّل رفاقت کے بعد وہ جُدا ہوئیں، مرحومہ میری حقیقی ماموں زاد بہن بھی تھیں، ان کے دادا (میرے نانا) حضرت سیّد شاہ ضیاء النبی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے مشائخ کبار اور اہل اللہ میں سے تھے[1]، والد ماجد مولانا حکیم سید عبد الحی صاحبؒ نے جو تراجم وتذکرہ کے سلسلہ اور مدحیہ الفاظ کے استعمال میں بڑے محتاط ہیں، اور ناپ تول کر بڑی احتیاط سے تعریفی الفاظ استعمال کرتے ہیں، اور اس بارہ میں شہرت وعقیدت، یا محبت وقرابت کا بھی پاس نہیں کرتے، ان کے تذکرہ میں حسب ذیل الفاظ استعمال کئے ہیں "برکۃُ الدنیا وسِرُّ الوجود ولبُّ لباب العرفان" (دنیا کے لئے باعث برکت، مقصد خلقت وآفرینش کا مظہرِ تام "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" کی تفسیر وتصویر، اور عرفان ومعرفت کا لُبِّ لُباب تھے"۔

مرحومہ کے نانا منشی سید عبد الرزاق صاحب کلامی جو حضرت سید احمد شہیدؒ

---

[1] تفصیلی حالات وکمالات کے لئے ملاحظہ ہو "کاروان ایمان وعزیمت" ص ۱۶۱-۱۶۵ از راقم، و "نزہۃ الخواطر" جلد ۸ از والد ماجد مولانا حکیم سید عبد الحی صاحبؒ۔

www.abulhasanalinadwi.org

کے حقیقی بھانجے سید حمید الدین صاحب کے پوتے تھے "صمصام الاسلام" (منظوم فتوح الشام) کے مصنف ہیں، جو پچیس ۲۵ ہزار بلیغ و جوش آفریں رجزیہ اشعار پر مشتمل ہے؛ مرحومہ کے والد بڑے حقیقی ماموں سید احمد سعید صاحب مرحوم تھے، جو ضلع کے ایک بڑے زمیندار اور دیندار بزرگ خاندان ہونے کے ساتھ انگریزی سے (انگریزوں سے براہ راست حاصل کرنے کی وجہ سے) خوب واقف تھے، اس سب کے ساتھ معمولات وتلاوت واذکار کے پابند تھے۔

مرحومہ کی زندگی میں خاندانی خصوصیات، نماز روزہ کی پابندی، عبادت وتلاوت کے شوق، دعا ومناجات کے علاوہ سب سے نمایاں وصف، غربا اور ضرورت مند اہلِ خاندان کی مدد، داد دہش، ہمدردی اور صدقہ وخیرات کی عادت تھی، جو قرب وجوار میں بہت معروف تھی، اور ان کے سفرِ آخرت کے بعد سب سے زیادہ اسی صفت کا تذکرہ ہے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے بیعت کا شرف حاصل تھا، زندگی زاہدانہ تھی، مال ودولت، فراغت وراحت اور جو چیزیں طبقۂ نسواں میں اہمیت رکھتی ہیں، کسی سے کچھ سروکار نہ تھا، ۱۹۴۷ء میں اللہ تعالیٰ نے ان کو حج وزیارت کی سعادت بھی عطا فرمائی، تین ۳ مہینے (رمضان، شوال، ذیقعدہ) مسجد نبویؐ سے چند قدم کے فاصلہ پر جوار رسول میں مدینہ طیبہ میں قیام کرنے، اور تقریباً تین ۳ ہی مہینے مکۂ معظمہ میں قیام کی سعادت حاصل ہوئی، مکۂ معظمہ میں قیام کی ایک مدت باب ابراہیم پر بالکل حرم شریف کی بالائی منزل پر گزری۔

ان کی علالت کا سلسلہ بہت طویل تھا، اور متعدد قسم کی شکایتیں، جن میں

www.abulhasanalinadwi.org

قلبی دورے خاص طور پر تکلیف دہ اور آزمائشی تھے، ان امراض و تکالیف کو انھوں نے بڑے صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا، آخر میں انتقال کے دن سے دو تین ہفتے پہلے، گر جانے کی وجہ سے ایک بڑا فریکچر ہوگیا، جس کی سخت تکلیف تھی، ضعف و امراض کی وجہ سے آپریشن اور ہڈی جوڑنے کا تجربہ کار معالجین اور سرجنوں نے مشورہ نہیں دیا، اسی تکلیف میں (جس کا سلسلہ بعض اوقات مہینوں اور سالوں چلتا ہے) ۱۵ر دسمبر کو نماز عشاء سے فارغ ہونے کے بعد بڑے سکون اور اچھی علامتوں کے ساتھ انھوں نے جان جان آفریں کے سپرد کی اور سفر آخرت اختیار کیا، اگلے دن ۱۶ر دسمبر کو بعد نماز ظہر نماز جنازہ ہوئی، عرصۂ دراز سے دائرۂ شاہ علم اللہؒ کے احاطہ اور میدان میں کسی جنازہ میں اتنا بڑا مجمع دیکھنے میں نہیں آیا، پھر تعزیتی خطوط اور تار بھی اندرون و بیرون ملک سے اتنی بڑی تعداد میں آئے جو اس سے پہلے یاد نہیں ہیں، اس موقعہ پر آنے والے خطوط اور خبروں سے معلوم ہوا کہ ان کے لئے دعائے مغفرت و ایصال ثواب کا بھی اتنا اہتمام کیا گیا اور اس میں اس خلوص و عقیدت کا حصہ رہا جو بڑے خوش نصیبوں اور مقبول بندوں کے حصہ میں آیا کرتا ہے "وذالك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم"۔

عزیز بھائی سید احمد الحسنی کی وفات

عظیم خانگی حادثہ کے ٹھیک دوسرے دن عزیز ترین بھائی سید احمد الحسنی[1] کی

---

[1] مرحوم پر مفصل تعزیتی و تعارفی مضمون رسالہ "تعمیر حیات" کی اشاعت ۲۵ر جنوری ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا، اور وہ "پرانے چراغ" حصہ سوم کی بھی زینت ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

وفات کا حادثہ اچانک لاہور میں پیش آیا، ان کے دونوں چھوٹے بھائیوں سید ابراہیم حسنی وسید اسحاق حسنی نے فوری طور پر تار کے ذریعہ راقم کو اس کی اطلاع دی، ہمارے تعلق وتأثر کو جاننے والے اعزاء واحباب نے خانگی حادثہ کے قرب کی وجہ سے اس تار کو چھپا لیا اور دو تین دن بعد ہمارے حوالہ کیا، اس اچانک اور اندوہناک خبر نے جو دل ودماغ پر بجلی بن کر گری "غم بالائے غم" کا کام کیا، یہ خبر اس لئے بھی صاعقہ اثر تھی کہ چند ہی دن پہلے راقم نے ان کو بڑے اصرار اور قلبی تقاضہ کے ساتھ گھر کی ایک تقریب[1] میں شرکت کے لئے لکھنؤ آنے کی دعوت دی تھی، اور تار بھی بھیجا تھا، وہ خود بھی عرصہ سے ہندوستان آنے اور اپنے عزیزوں واہلِ خاندان سے ملنے کا اشتیاق وارادہ ظاہر کرتے تھے، اور ہم لوگ بھی ان کی آمد کے بے چینی کے ساتھ متمنّی ومشتاق تھے۔

سید احمد الحسنی مرحوم اور ان کے دونوں بھائی سید ابراہیم وسید اسحاق (أطال اللہ بقاءہما) ہمارے حَسَنی قُطبی خاندان میں مجاہدِ اعظم، مجدّدِ وقت اور مصلحِ کبیر حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے سب سے قریبی نَسَبی تعلق ونسبت رکھتے ہیں، حضرت سید احمد شہیدؒ کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی، ان کا نسبی سلسلہ نواسوں سے چلا، ان تینوں بھائیوں کے والد سید اسماعیل صاحب مرحوم جو راقم کے رشتہ میں چچا ہوتے تھے اور ہم سب بھائی بہن ان کو چچا میاں کہتے تھے، حضرت سید صاحب کے حقیقی نواسہ سید اسحاق حسنی صاحب مرحوم کے صاحبزادہ

---

[1] برادر زادۂ عزیز سید محمد الحسنی مرحوم کے فرزند سید عمار عبد العلی کی تقریب شادی مراد ہے جو نومبر ۱۹۸۹ء میں ہوئی۔

www.abulhasanalinadwi.org

تھے، ٹونک سے جہاں وہ ایک بڑی جائیداد اور علاقہ کے رئیس تھے، اخراج کے بعد (جس کی تفصیل "کاروانِ زندگی" حصۂ اول میں آچکی ہے) ہمارے گھر سے قرابتِ قریبہ اور والد صاحب مرحوم کی شدید خواہش کی بنا پر رائے بریلی میں ہمارے ہی گھر میں سکونت پذیر ہوئے، احمد مرحوم کا بچپن وہیں ہمارے ساتھ گزرا، پھر لکھنؤ میں مکان پر اور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عرصہ تک ہم لوگ حقیقی بھائیوں کی طرح رہے، لاہور کے بھی زمانہائے قیام میں ایک ہی جگہ رہنا ہوا، تقسیم کے بعد دوسرے اعزّہ کی طرح وہ بھی پاکستان منتقل ہوگئے، اوّلاً پاکستان کی وزارت خارجہ میں اور بعد میں پاکستان کے سعودی سفارت خانہ میں سالہا سال کام کیا، شاہ فیصل مرحوم سے سرکاری ملاقاتوں میں اور ان کے دورۂ پاکستان کے موقعہ پر انہی نے ترجمانی کا فرض انجام دیا، صغر سنی ہی سے عربی زبان کی طرف خصوصی توجہ اور علامہ ڈاکٹر تقی الدین الہلالی المراکشی کے زمانۂ قیام لکھنؤ میں ان کی خدمت واعانت اور گھر کی بے تکلف آمد ورفت کی وجہ سے ان کو عربی زبان پر مادری زبان کی طرح قدرت وروانی حاصل ہوگئی تھی، اور اس برّصغیر ہند وپاک میں چند ہی آدمی ہوں گے جن کو عربی بولنے میں وہ طلاقت لسانی وقدرت بیانی حاصل ہوگی، جو ان کو حاصل تھی، دولت وعزّت اور شہرت وجاہ سے ان کو موروثی اثرات کی بنا پر کوئی دلچسپی نہ تھی، افسوس ہے کہ ان کے یہ کمالات ایک مختصر ومحدود دائرہ میں مخفی رہے، اور بہت کم لوگوں کو ان کی عربی زبان پر قدرت، ان کی شرافتِ نفس، ذہانت اور حضرت سید صاحب سے اس نسبتِ قریبہ وخاصّہ کا علم ہوسکا، اور اچانک یہ گنج خوبی لاہور کی سرزمین میں جہاں ایک مدّت تک اُن کی

www.abulhasanalinadwi.org

رہائش رہی تھی، مختفی و مستور ہو گیا، رحمہ اللہ تعالیٰ وغفر لہ۔

حجاز مقدّس کا سفر

۲۷ جنوری ۱۹۹۰ء (۲۹ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ) کو رابطۃ العالم الاسلامی کی مجلس تاسیسی کا اجلاس شروع ہونے والا تھا، اس کے ساتھ المجلس العالمی للمساجد، اور المجمع الفقہی کی نشستیں بھی تھیں، راقم تینوں کا رکن ہے، رابطہ کی طرف سے اس کے اور اس کے معاون و رفیق سفر مولوی سید محمد رابع ندوی کے سفر کے انتظامات ہو چکے تھے، بعض سہولتوں کی بنا پر یہ سفر بمبئی کے راستہ سے اختیار کیا گیا، ۲۳ جنوری ۱۹۹۰ء کو لکھنؤ سے بمبئی روانگی ہوئی، اور ۲۶ جنوری کو بمبئی سے جدّہ، مجلس تاسیسی کے جلسوں میں شرکت کے بعد المجلس العالمی للمساجد کی نشستوں میں شرکت کی، لیکن المجمع الفقہی میں شرکت نہیں ہو سکی، ہندوستان جلد واپس ہونے کی ضرورت اور تقاضہ کی بنا پر اپنے احباب کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ طیّبہ روانہ ہو گیا، وہاں ایک جمعہ پڑھنے کی سعادت، اور ساتؔ دن قیام کا موقعہ مل گیا، وہاں کے قیام میں صرف مسجد نبویؐ شریف کی نمازوں اور مواجہہ شریف حاضری اور سلام پر اکتفا کی گئی، استثنائی طور پر صرف اپنے قدیم کرم فرما اور بزرگ دوست سید محمود الحافظ کی عیادت کے لئے مستشفیٰ الملک فہد جانا ہوا، جہاں وہ موت و حیات کی کشمکش اور سخت اذیّت ناک علالت میں دیکھے گئے۔[1]

---

[1] بعد میں اپنی اس حاضری و عیادت پر خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کے چند ہی دن بعد انھوں نے اس جہان فانی سے رحلت کی، اگر ان سے یہ آخری ملاقات و عیادت کا موقعہ نہ ملتا تو بڑا قلق اور ندامت ہوتی۔

www.abulhasanalinadwi.org

مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ واپسی ہوئی، وہاں سے جدّہ کے ممتاز و نامور تاجر شیخ خالد زینل اور ڈاکٹر عبد اللہ عمر نصیف، ناشقند کے دو ممتاز علماء اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ خالد زینل صاحب ہی کے ذاتی ہوائی جہاز پر ریاض روانگی ہوئی، وہاں قصر المؤتمرات میں قیام رہا، اور متعدد ذمہ داران حکومت' ولی عہد سلطنت امیر عبد اللہ، گورنر ریاض امیر سلمان، نائب وزیر داخلہ امیر احمد وغیرہ سے ملاقاتیں ہوئیں[۱]، بادشاہ سے بھی ملاقات کا وقت طے تھا، لیکن عین اسی وقت میں جو ہم کو دیا گیا تھا، شرق اردن کے حکمراں ملک حسین کسی فوری ضرورت و مسئلہ کی بنا پر ملک فہد سے ملنے ریاض آگئے، اور بادشاہ کو ہماری ملاقات سے معذرت کرنی پڑی، ریاض کے اس دو روزہ قیام میں عالمی رابطہ ادب اسلامی کے ارکان و رفقاء سے ملاقاتیں اور مجالس رہیں، اور اپنے قدیم دوست و کرم فرما ڈاکٹر عبد اللہ عبد المحسن ترکی (وائس چانسلر) جامعۃ الامام محمد بن سعود کی دعوت پر جامعہ بھی جانا ہوا، وہاں شب میں جامعہ کے غیر ملکی فارغین کی رخصتی کا جلسہ اور ان کو ہدایات دینے اور خطاب کی تقریب تھی، ڈاکٹر ترکی صاحب کی خواہش پر راقم نے بھی ان سے خطاب کیا، اور اپنے اپنے ملک واپس جاکر اپنی عالمانہ و داعیانہ ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے' دین و علم کی صحیح نمائندگی، وہاں کے چیلنجوں اور خطرات کے مقابلہ اور دین کی حفاظت اور دعوت کے کام میں مشغول رہنے کی تلقین کی، اور بتایا کہ اس سلسلہ میں اُن کے لئے رہنما اور معیار حضرت صدیق اکبرؓ کا یہ مشہور تاریخی بلکہ تاریخ ساز قول ہونا چاہئے، جو آپ کی زبان سے فتنۂ ارتداد کے موقعہ پر نکلا تھا " اَیُنْقَصُ الدِّیْنُ وَاَنَا حَیٌّ " (کیا

---

[۱] امیر سلطان وزیر دفاع مملکت سعودیہ سے جدّہ میں ملاقات ہوگئی تھی، وزیر داخلہ امیر نائف بیرون ملک تھے۔

www.abulhasanalinadwi.org

میرے جیتے جی دین میں کوئی کمی، کتر بیونت کی جا سکتی ہے؟)

ریاض سے مکہ معظمہ واپسی ہوئی اور ۱۸ فروری کو جدّہ سے بمبئی روانگی ہوگئی، جہاں سے ۲۰ فروری کو لکھنؤ واپسی ہوئی۔

حجاز مقدس کے اس ۲۲-۲۳ روزہ قیام کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں خلاف معمول تین استقبالیہ جلسوں میں شرکت اور خطاب کا موقعہ ملا، اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ محبّ عزیز ڈاکٹر فرحان احمد نظامی سکریٹری سنٹر آف اسلامک اسٹڈیز آکسفورڈ یونیورسٹی بھی اس موقعہ پر حجاز آگئے تھے، انھوں نے اور ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف صاحب نے اسلامک سنٹر کے تعارف کا بھی فائدہ اٹھانا چاہا، پہلے انھوں نے جدّہ میں اپنے دولت خانہ پر جدّہ کے عمائد سربرآوردہ اشخاص اور ممتاز تاجروں کو مدعو کیا، راقم نے عربی میں اور فرحان نظامی صاحب نے انگریزی میں مرکز کا تعارف کرایا، اس کی ضرورت وافادیت بتائی، اس کے بعد جدّہ ہی میں خالد زینل صاحب نے اپنی شاندار کوٹھی پر جو ایک قصر جمہوریہ معلوم ہوتی تھی، بڑی تعداد میں جدّہ کے معزّزین اور دینی شعور رکھنے والے تجّار اور رؤسا کو مدعو کیا، اس میں بھی راقم اور فرحان نظامی صاحب کی تقریریں ہوئیں اور ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف صاحب نے ہم دونوں کا اور مرکز کا تعارف کرایا۔

اس مقصد ومطمح نظر سے ہٹ کر حجاز کی ایک معزّز شخصیت محترم ابراہیم امین فودہ صاحب نے جو الإذاعة السعودية (سعودی ریڈیو) کے پہلے ڈائرکٹر رہے ہیں، اور ان کے اسی عہدہ کے زمانہ میں عالی مرتبت شیخ محمد سرور الصبان سابق وزیر مالیہ اور رابطۂ عالم اسلامی کے پہلے امین عام کے ایماء پر راقم کی عربی میں تقریروں کا

www.abulhasanalinadwi.org

ایک سلسلہ ہوا تھا جس کا عام عنوان "بین العالم وجزیرۃ العرب" تھا، ایک تقریر "من غار حراء" کے عنوان سے اور ایک علامہ محمد اقبال پر ہوئی تھی، ابراہیم ابن فودہ صاحب نے اپنی شاندار کوٹھی پر (جو مکہ معظمہ کے ایک نواحی محلہ میں واقع ہے) مکۂ معظمہ کے چیدہ و برگزیدہ ادباء و شعراء، علماء اور اعیان کو مدعو کیا تھا، اس کا مقصود صرف مہمان کا تعارف اور اکرام تھا، وہاں قصائد بھی پڑھے گئے، اور خیر مقدمی تقریریں بھی ہوئیں، راقم نے جوابی شکریہ کی تقریر کی۔

اس نے اپنی تقریر یہاں سے شروع کی کہ محض بعثت محمدیؐ اور قرآن عربی کا معجزہ ہے کہ ایک ہندی آپ علماء و ادباء کی تقریر کا جواب عربی میں دے رہا ہے، وہ نہ صرف ایک عجمی ملک کا باشندہ ہے، بلکہ ایسے ملک کا شہری ہے جس کو اپنی زبان و تہذیب پر صدیوں سے فخر چلا آرہا ہے، اور جہاں اردو زبان تک کا باقی رہنا مشکل ہو رہا ہے، اس ملک کے متعدد علماء نے علوم دینیہ ہی نہیں عربی زبان کی ایسی خدمت کی جس کی مثال عالم عربی میں بھی ملنی مشکل ہے، یہیں کے ایک فاضل سید مرتضیٰ بلگرامی مشہور بزبیدی نے عربی کے سب سے مشہور لغت القاموس کی دس ضخیم جلدوں میں شرح تاج العروس فی شرح القاموس کے نام سے لکھی، اور یہیں کے ایک عالم مولانا محمد اعلیٰ تھانوی نے علمی مصطلحات پر "کشاف اصطلاحات الفنون" کے نام سے وہ کتاب لکھی جو اس نازک موضوع پر سب سے مستند و وقیع و وسیع کتاب مانی گئی ہے، آپ یقین کریں اگر دنیا میں پچاس عرب حکومتیں ہوتیں جن کی سرکاری و علمی زبان عربی ہوتی، اور اس میں کمال پیدا کرنے سے بڑے بڑے مادی و سیاسی فوائد وابستہ ہوتے، جب بھی ایک ہندی نژاد مسلمان کو عربی پر بولنے لکھنے کی قدرت حاصل کرنے کے لئے

www.abulhasanalinadwi.org

وہ کشش نہ ہوتی جو اس کے لئے قرآن وحدیث اور نبی عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان ہونے کی وجہ سے ہے، یہ سب اسی مکہ مکرمہ میں پیدا ہونے والے نبی عربی اشرف الانبیاء کا فیض واحسان ہے۔

۲۲ رجب (۱۸ فروری) کو شب میں شیخ عبداللہ علی بصفر نے اپنے ایک عزیز کے وسیع مکان پر ممتاز اہلِ علم اور دعوتی و اصلاحی کام کرنے والوں کو جمع کیا اور راقم نے مفصل خطاب کیا جس کا عنوان تھا (اس وقت دنیا کی سب سے بڑی ضرورت ایک "مثالی اسلامی معاشرہ وماحول" ہے[1])

تقریر کی اہمیت کے پیش نظر اس کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں:—

موجودہ دنیا کی سب سے بڑی ضرورت ایک مثالی اسلامی معاشرہ اور ماحول ہے

"حضرات! آج دنیا کو سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے، وہ ہے ایک مثالی معاشرہ، نمونہ کا معاشرہ جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ پسند فرمائے، اور نوع انسانی کے لئے سراپا خیر وبرکت بھی ہو، جو عقائد میں، اخلاق میں، معاملات میں اور زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی تعلیمات کا آئینہ دار ہو، ایسا معاشرہ نمایاں طور پر اس وقت کہیں نظر نہیں آتا، ایسا مثالی معاشرہ آج دنیا کی اہم ترین ضرورت ہے، دنیا اس کی محتاج ومنتظر ہے، موجودہ حالات میں اگر کسی طرح کی تبدیلی لائی جاسکتی ہے تو ایک مثالی اسلامی معاشرہ ہی کے ذریعہ لائی جاسکتی ہے۔

---

[1] یہ تقریر کیسٹ سے نقل ہو کر حاجۃ العالم إلی مجتمع اسلامی مثالی اُفضل کے عنوان سے مجلس کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور یہ صرف آج ہی کی بات نہیں، ایک تاریخی حقیقت ہے، اور اس حقیقت کا اظہار کر کے میں آپ کی معلومات میں کوئی اضافہ نہیں کر رہا ہوں، آپ جانتے ہیں کہ اسلام حیرت انگیز سرعت کے ساتھ پھیلا، اللہ تعالیٰ نے اس کو عظیم الشان فتوحات عطا فرمائیں جس سے تاریخ نگار اور اسباب و علل کے رمز آشنا حیرت میں ہیں، اسلام نے زندگی کو ایک نئی جہت دی اور نیا رنگ و آہنگ عطا کیا، اس نے دل و دماغ قلب و روح اور اقوام و قبائل کو کمیت و کیفیت دونوں اعتبار سے متاثر و مسخر کرنے میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، یہ کامیابیاں اور ماضی کے یہ فتوحات جس کے اثرات اب تک نمایاں ہیں، صرف اسلام کی تعلیمات و ہدایات اور صرف اس کے اصول و مبادی ہی کی رہین منت نہیں بلکہ برکت ہیں ایک زندہ معاشرہ کی، چلتے پھرتے، ہنستے بولتے، اور ہر آن و ہر لحظہ اپنے وجود اور اپنی خصوصیات کا احساس دلاتے ہوئے معاشرہ کی۔

اس طرح کا معاشرہ صدیوں سے مفقود بلکہ معدوم تھا، ہزاروں سال سے اس کا کہیں وجود نہیں تھا، بیشک اخلاقی تعلیمات تھیں، لیکن وہ آسمانی کتابوں میں بند تھیں (اگر وہ آسمانی کتابیں اپنی حالت پر رہی ہوں، ورنہ ان میں بھی بہت کچھ ضائع ہوچکا تھا، اور بہت کچھ تحریف کا شکار ہوچکا تھا) اسلام سے پہلے کوئی معاشرہ ایسا نہیں تھا جس میں انسان راحت و اطمینان کی سانس لے سکتا جس میں ایمان کی خوشبو رچی بسی ہوتی،

www.abulhasanalinadwi.org

جہاں ایمانی جذبہ وشعور کا احساس ہوتا، جہاں انسان کے قلب ونظر اور اعضاء وجوارح کو خنک وعطر بیز ایمانی وروحانی ہوائیں اپنے آغوش میں سمیٹ لیتیں، جہاں سے حقیقی سعادت ومسرّت حاصل ہوتی اور اسے یہ محسوس ہوتا کہ مشقت وعذاب سے نکل کر سکون وراحت کی، اور جہنم سے نکل کر جنّت کی فضاؤں میں آگیا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسا ہی مثالی معاشرہ مکمل طور پر قائم فرمایا، پہلے یہ معاشرہ مدینہ منورہ میں قائم ہوا، پھر ساری رکاوٹوں اور حد بندیوں کو پار کرتا ہوا روئے زمین کے دور دراز گوشوں تک پھیل گیا، اس معاشرہ نے انسانوں کے دل ودماغ کو متأثر کیا، یہ معاشرہ اسلام کی حقّانیت وصلاحیت کا سب سے بڑا ثبوت تھا، بلکہ ایک ہزار عقلی ومنطقی دلیلیں ایک طرف اور یہ معاشرہ اور اس کی نمائندگی کرنے والے انسانوں کا وجود ایک طرف، یہ ساری نظری بحثوں اور منطقی دلیلوں پر بھاری تھا، جو بھی اس معاشرہ میں داخل ہوتا اس پر دل وجان سے فدا ہو جاتا، اسے چھوڑنا گوارہ نہیں کرتا، اس کی خواہش ہوتی کہ اسی میں جیئے اور اسی میں مرے۔

مشہور تابعی اور محدّث واما م ابن شہاب زہری فرماتے ہیں "جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلِ مکّہ میں صلح ہوگئی (جو صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ومعروف ہے) جنگ بند ہوگئی، لوگ ایک دوسرے سے ملنے جلنے اور بے تکلف بات چیت کرنے لگے تو جس کسی کے سامنے بھی اسلام کی

www.abulhasanalinadwi.org

بات آئی اور وہ کچھ بھی عقل وفہم رکھتا تھا، اسلام میں داخل ہو گیا، چنانچہ ان دو سالوں میں (صلح حدیبیہ کے بعد) اتنے لوگ اسلام میں داخل ہوئے جتنے اس سے پہلے اسلام لا چکے تھے بلکہ اُن سے بھی زیادہ![1]

"آپ حضرات پر یہ مخفی نہیں کہ تمدّن بہت ترقی کر چکا ہے، وہ بلندی کی آخری منزل تک پہونچ گیا ہے، آج کا انسان فضاؤں میں اڑنا سیکھ گیا ہے، چاند پر پہنچ چکا ہے لیکن جیسا کہ ڈاکٹر اقبالؔ نے کہا ہے ؎

ڈھونڈھنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

یا اس سے بھی زیادہ واضح ایک اور شعر میں کہتے ہیں ؎

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

مغرب سے جو لوگ آتے ہیں وہ ہمارے ہوٹلوں اور رسٹورانوں کو خاطر میں نہیں لاتے، ان کے یہاں اس سے کہیں زیادہ پُرشوکت عمارتیں اور شاندار ہوٹل موجود ہیں، ہاں وہ عزت و احترام پر مجبور ہوں گے، اگر وہ یہ دیکھیں کہ یہاں سچی اور سادہ زندگی ہے، یہاں تکلفات نہیں، جھوٹی چمک دمک نہیں، مادّہ پرستی کی دوڑ نہیں اور حقیقت سے

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ق ۲ ص ۳۲۲

www.abulhasanalinadwi.org

خالی مظاہر نہیں ہیں بلکہ حقائق مظاہر پر غالب ہیں، لیکن اگر وہ دیکھیں گے کہ یہاں بھی مظاہر کا غلبہ ہے، اور حقائق معدوم یا کم از کم مفقود ہیں، تو بالکل متأثر نہیں ہوں گے، یہ مظاہر انھیں کی ایجاد و اختراع ہیں، ہم نے انھیں سے ان کو درآمد کیا ہے، اور یہ انھیں کا ساز و سامان ہے، تو وہ اس کو کیوں وزن و اہمیت دینے لگے، لیکن اگر یہاں داخل ہوتے ہی یہ دیکھیں کہ یہاں سکون و اطمینان کے بادل چھائے ہوئے ہیں، ان کے دل اس سکون کو محسوس کر رہے ہیں، اللہ کی خشیت کا احساس ہو رہا ہے، یہاں انسانیت کا احترام ہے، سادگی ہے نرمی و انکساری ہے، تو زیر ہو جائیں گے اور اسلام میں فوج در فوج داخل ہونے لگیں گے، جس طرح قرن اول میں ہو رہا تھا کہ جب لوگوں نے مسلمانوں کی زندگی کا مشاہدہ کیا، ایسی زندگی جو کبھی دیکھی نہیں سنی نہیں بلکہ اُن کے خواب و خیال میں بھی نہیں آئی تھی وہ تو وہ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے۔"

مولانا آزاد پر ایک اہم تقریر

مولانا آزاد میموریل اکیڈمی لکھنؤ[1] کے زیر اہتمام ۴ مارچ ۱۹۹۰ء کو گنا سنستھان آڈیٹوریم لکھنؤ میں مولانا آزاد کی یاد میں صد سالہ جشن منایا گیا،

---

[1] اس اکیڈمی کے بانی اور روح رواں ہمارے رفیق کار اور اکثر اردو کتابوں کے انگریزی میں مترجم محترمی سید غلام محی الدین صاحب اور ان کے رفیق کار عبدالجبار جلالی صاحب ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

اس موقعہ پر مولانا آزاد کی تفسیر سورہ فاتحہ کے ہندی ترجمہ اور مولانا آزاد کی سیرت وشخصیت پر مصر کے مشہور عالم اور سابق وزیر اوقاف جمہوریہ مصر ڈاکٹر عبدالمنعم النمر کی کتاب کے اردو ترجمہ کا اجراء ہوا، جشن میں مولانا آزاد کے فکر وادب سے دلچسپی رکھنے والے حضرات وصحافی، ندوۃ العلماء کے اساتذہ وطلبا اور لکھنؤ یونیورسٹی کے اساتذہ کے ساتھ ہی ستیہ نرائن ریڈی گورنر اتر پردیش، ریوتی رمن سنگھ وزیر آبپاشی اتر پردیش، محمد اعظم خاں صاحب وزیر محنت واوقاف اتر پردیش، ضیاء الرحمن انصاری صاحب سابق وزیر حکومت ہند نے شرکت کی اور اپنے خیالات کا اظہار کیا، راقم نے جو صدارت کے فرائض انجام دے رہا تھا، تقریر کی، اس کا خلاصہ پیش ہے۔

"شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے"۔

میں اپنی تقریر بسم اللہ سے شروع کر رہا ہوں جس کو مولانا آزاد نے بھی اپنی تفسیر سورۂ فاتحہ کا سرنامہ بنایا ہے، اور یہ ایسا آغاز ہے کہ جس سے کسی کو انکار یا شکایت نہیں ہو سکتی۔

حضرات! مولانا آزاد کی شخصیت ایک ہشت پہل ہیرا تھی، جس کے ایک ایک پہلو پر ایک کتاب نہیں، بلکہ کتابوں کا ایک سلسلہ اور ایک چھوٹا سا کتب خانہ تیار کیا جا سکتا ہے، وہ ادیب تھے، وہ خطیب تھے، وہ بہت بڑے فاضل (اسکالر) تھے، وہ بالغ نظر مفسرِ قرآن تھے، وہ عظیم المرتبہ قائدِ ہندوستان تھے، وہ مجاہد آزادی تھے، اُن میں سے ان کا ہر پہلو ممتاز و نمایاں ہے، یہ کہا جا سکتا ہے کہ بیسویں صدی عیسوی میں دنیا کی مختلف زبانوں کے ادیبوں کی کوئی فہرست

www.abulhasanalinadwi.org

بڑی احتیاط کے ساتھ مرتب کی جائے تو اس میں مولانا ابوالکلام آزاد کا نام ضرور شامل ہونا چاہیئے، بیسویں صدی عیسوی کے دنیا کے فاضل اسکالرس کی کوئی فہرست بڑی احتیاط، چھان بین اور بڑے احساس ذمّہ داری کے ساتھ بنائی جائے تو وہ فہرست ان کے نام کے بغیر نامکمل رہے گی، اسی طریقہ سے مجاہدین آزادی کی کوئی مختصر سے مختصر فہرست بنائی جائے تو اس میں ان کا نام شامل ہونا ضروری ہے، جہاں تک ادب کا تعلق ہے، میں دنیا کی چار[۴] عظیم زبانوں کی شُدبُد رکھتا ہوں، اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ دنیا کے بہترین ادیبوں میں، اہل قلم میں مولانا کا شمار ہے، اور اگر اُن کی صف اول میں مولانا کو رکھا جائے تو کوئی مبالغہ یا ناانصافی نہیں ہوگی، اسی طریقہ سے فضلاء کی فہرست، صحافیوں کی فہرست، مجاہدین آزادی کی فہرست بھی ان کے نام کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی، لیکن میں آج جب کہ وقت بھی زیادہ ہو چکا ہے اور آپ کے سامنے فاضلانہ تقریریں ہو چکی ہیں، ایک پہلو پر خاص طور سے آپ کی توجہ منعطف کرانا چاہتا ہوں۔

ان کی زندگی کا اور ان کے کمالات کا بہت ممتاز اور روشن ترین پہلو یہ ہے کہ انھوں نے چند صداقتوں، چند حقیقتوں (REALITIES) کا ادراک کر لیا اور پھر ان پر وہ سختی سے ثابت قدم رہے، یہ بات کہنے کو تو بہت آسان ہے اور میں نے بڑے ہلکے پھلکے روزمرّہ کے لفظوں میں اس کو ادا کر دیا ہے، لیکن عملی زندگی میں اور خاص طور پر جنگ آزادی میں اور ملکوں کی تلاطم خیز زندگی میں جس میں بڑے بڑے امتحانات اور آزمائشیں پیش آتی ہیں، اور بعض اوقات پہاڑ بھی جنبش میں آجاتے ہیں، دریاؤں کے دھارے بدل جاتے ہیں، ہواؤں کے رُخ تبدیل ہو جاتے ہیں، اور بڑے بڑے

www.abulhasanalinadwi.org

صاحبِ استقامت اور صاحبِ ضمیر انسان بھی کسی غلط محرّک کی وجہ سے نہیں بلکہ بیشتر اوقات کسی صحیح مقصد سے ان صداقتوں کا دامن چھوڑ دیتے ہیں، اور ذرا سا ہی سہی ان سے ہٹ جاتے ہیں، لیکن مولانا آزاد کا یہ پہلو سب سے زیادہ نمایاں ہے کہ انھوں نے پہلے دن سے کچھ صداقتوں کا، کچھ حقیقتوں کا ادراک کرلیا، وہ ان کی گرفت میں آگئیں تو اس کے بعد وہ اُن پر سختی سے قائم رہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں لیکن وہ نہیں ہلے، ان کی سب سے اہم اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اس ہندوستان کے متعلق چند سچائیوں اور چند حقیقتوں کو سمجھ لیا اور اُن کے ذہن نے اُن کو قبول کرلیا تو انھوں نے اُن کو اپنے ضمیر کا، اپنے دماغ کا جزو بنالیا، اور اپنے قلم اور اپنی زبان کو اُن کا ترجمان بنالیا پھر وہ ذرّہ برابر ان سے نہیں ہٹے، کہنے کو تو یہ بات بہت آسان ہے لیکن ملک میں سیاست کی جو آندھیاں چلتی ہیں، جو انقلابات آتے ہیں جو نئے سیاسی نقشے سامنے آتے ہیں، جو نئے نئے تجربات ہوتے ہیں جو نئی نئی آزمائشیں پیش آتی ہیں، جو نئی نئی ترغیبات سامنے آتی ہیں، جو نئے نئے خطرے سامنے آتے ہیں، وہ بڑے سے بڑے دیانتدار آدمی کو بھی دیانتداری کے ساتھ اپنے اس مسلک سے اور اپنے اس عقیدہ سے ذرا سا ہٹنے یا بعض اوقات پورے طور پر ہٹ جانے کا جواز (JUSTIFICATION) مہیا کرتے ہیں، اُن کو ہم نہ بددیانت کہہ سکتے ہیں نہ غدّار نہ ضمیر فروش، نہ متلوّن مزاج۔

انھوں نے پہلے ہی دن یہ سمجھ لیا، اور اس صداقت کو مان لیا تھا کہ ملک کو آزاد ہونا چاہیئے، اس ملک کو جمہوری (DEMOCRATIC) ہونا چاہیئے، اس ملک کو نامذہبی (SECULAR) ہونا چاہیئے، اس ملک کی آبادی کی تمام اکائیوں کو اور اس کی

www.abulhasanalinadwi.org

اقلیتوں کو اپنے تشخّص کے ساتھ (IDENTITY) کے ساتھ، اپنی مخصوص تہذیب کے ساتھ اپنے (CULTURE) کے ساتھ، اپنے عقیدہ کے ساتھ، اپنی نئی نسل کو تعلیم دینے کی آزادی کے حق کے ساتھ، اپنے مخصوص پرسنل لا کے ساتھ اس ملک میں رہنا چاہئے، ان حقیقتوں کو اور ان صداقتوں کو اُن کے ذہن نے قبول کرلیا، اور انھوں نے برملا اپنی زبان اور قلم سے اس کا اعلان و اظہار کیا۔

مجھے اجازت دیجئے کہ رام گڑھ کے اجلاس کانگریس میں اُن کے آخری خطبۂ صدارت کا ایک اقتباس آپ کو پڑھ کر سناؤں جس سے میرے اس بیان کی تصدیق ہوگی، اور جس سے ان کا ذہن آپ کے سامنے پورے طور پر آئے گا:-

"میں مسلمان ہوں، اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمان ہوں، اسلام کی تیرہ سو برس (۱۳۰۰) کی شاندار روایتیں میرے ورثہ میں آئی ہیں، میں تیار نہیں کہ اس کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دوں، اسلام کی تعلیم، اسلام کی تاریخ، اسلام کے علوم و فنون اور اسلام کی تہذیب میری دولت کا سرمایہ ہے، اور میرا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کروں، بحیثیت مسلمان ہونے کے میں مذہبی اور (CULTURAL) دائرہ میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں، اور میں برداشت نہیں کرسکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے۔

لیکن ان تمام احساسات کے ساتھ میں ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں، جسے میری زندگی کی حقیقتوں نے پیدا کیا ہے، اسلام کی روح مجھے اس سے نہیں روکتی، وہ اس راہ میں میری رہنمائی کرتی ہے، میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں، میں ہندوستان کی ایک اور

www.abulhasanalinadwi.org

ناقابلِ تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں، میں اس متحدہ قومیت کا ایک ایسا اہم عنصر ہوں جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے، میں اس کی تکوین (بناوٹ) کا ناگزیر عامل (FACTOR) ہوں، میں اپنے اس دعوے سے کبھی دست بردار نہیں ہو سکتا۔"

میں یہ عرض کروں گا (اپنے چپ و راست، دانشوروں اور وزراء کے درمیان) کہ کسی ملک میں کسی اقلیت کا محفوظ رہنا اور اس کا سلامت رہنا کافی نہیں، بلکہ اس اقلیت کا اپنے کو محفوظ سمجھنا بھی ضروری ہے، اس کو یہ احساس ہو کہ ہم محفوظ ہیں، آپ منشور میں، سیاسی اعلانات میں، کتنا ہی کہیں کہ کسی مذہب میں دخل نہیں دیا جائے گا، کسی کے پرسنل لا میں مداخلت نہیں کی جائے گی، ہر اقلیت اپنے کو محفوظ سمجھے، لیکن اگر اس کے اندر یہ شعور اور یہ اطمینان نہیں کہ ہم محفوظ ہیں تو یہ اعلان کافی نہیں ہے، کوئی شخص رات کو سو رہا ہو، ہر طرح سے حفاظت کے انتظامات ہوں، باہر پہرہ کی آوازیں دی جا رہی ہوں لیکن سونے والا شخص اپنے کو کسی وجہ سے محفوظ نہ سمجھتا ہو تو اس کو نیند نہیں آئے گی، اقلیتوں کو محفوظ بھی ہونا چاہئے، اور ان کے اندر اپنے محفوظ ہونے کا شعور، ادراک اور اعتراف بھی ہونا چاہئے وہ کہیں کہ ہم محفوظ ہیں، وہ کہیں کہ ہمیں کوئی شکایت نہیں یہ بھی ضروری ہے۔

مولانا عبد الماجد دریابادی پر سیمینار

عزیزی ڈاکٹر مولوی یونس نگرامی نے جو اردو اکیڈمی اتر پردیش کے چیرمین...... ہیں، ۱۹ مارچ کو لکھنؤ میں مولانا عبد الماجدؒ دریابادی پر

ایک سنجیدہ سیمنار کا انتظام کیا تھا، اور مولانا سے خصوصی نیازمندانہ تعلق رکھنے کی بنا پر مجھے اس کا صدر منتخب کیا تھا، لیکن ۱۸ ر مارچ کو مجھے دہلی سے (جہاں "پیام انسانیت" کا ۱۷ ر مارچ کو کنونشن تھا) مدراس روانہ ہونا تھا، مجھے اس تاریخ کا اس وقت علم ہوا جب دہلی، مدراس کی تاریخیں مقرر ہو چکی تھیں، اس لئے میں نے جسمانی طور پر شرکت سے معذرت کی، اور وہاں پڑھنے کے لئے ایک مضمون سپرد قلم کروا دیا، راقم کی جگہ ڈاکٹر مولوی عبداللہ عباس ندوی نے بجا طور پر صدارت کی خالی کرسی کو زینت دی، اور میرا خطبۂ صدارت پڑھ کر سنا دیا، اس جلسہ میں اُتر پردیش کے گورنر صاحب، وزیر اعلیٰ شری ملائم سنگھ یادو اور وزیر محنت اعظم خاں صاحب بھی شریک ہوئے، اور انھوں نے تقریریں کیں۔

بھاگل پور کے فساد کا ذہن پر اثر اور پیام انسانیت کا ایک اہم اور تاریخی کنونشن منعقدہ ۱۷ ر مارچ دہلی

عظیم خانگی حادثہ اور دوسرے افکار و حوادث اور شدید مصروفیتوں کے باوجود ذہن بھاگل پور کے عظیم فساد کے اثر و صدمہ، ملک کے مستقبل کے بارہ میں شدید خوف و اندیشہ، دعوتی و اصلاحی، علمی و تعلیمی کوششوں کے اس ملک میں ممکن و باقی رہنے ہی کے بارے میں نہیں، انسانیت و شرافت اور امن و امان کے باقی رہنے کے بارہ میں بھی شدید و عمیق شکوک و شبہات کا شکار رہا، اور اپنے تحریر و مطالعہ کے مشغلہ اور فرائض مذہبی ادا کرنے کے ساتھ بھی ذہن اس سے کسی وقت آزاد و فارغ نہیں ہو سکا، کہ سورج اور دن کی روشنی کی طرح یہ حقائق

www.abulhasanalinadwi.org

سامنے آجاتے ہیں، اُن سے صرف نظر کرنا، اور امیدوں اور تمناؤں سے دل بہلانا ممکن نہیں ہوتا۔

اسی بنا پر اہلیہ مرحومہ کی شدید علالت و تکلیف کے درمیان جب دل و دماغ پر اس کا شدید اثر تھا، ایک دن جب علالت و تکلیف میں کچھ سکون محسوس ہوا، "حکومت کی تبدیلی اور اس سے سبق" کے عنوان سے وہ مضمون سپرد قلم کیا جو متعدد اردو اخبارات میں اسی وقت شائع ہوا، اور (THE TIMES OF INDIA) کی ایک اشاعت میں اس کا انگریزی خلاصہ بھی شائع ہوا، انھیں دنوں میں کہ حادثہ پر تعزیت کے لئے آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، خطوط اور تار آرہے تھے، اور فضا پر ایک حزن و قلق کی کیفیت تھی، محترمی مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی امیر شریعت بہار واڑیسہ اور جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا ۱۶ / دسمبر ۱۹۸۹ء کا لکھا ہوا خط ملا جس میں انھوں نے بھاگل پور کے فساد کے سلسلہ کے ہولناک اور روح فرسا مناظر کی تصویر کشی کی تھی، اور بعض چشم دید واقعات اور درجۂ یقین تک پہونچ جانے والی روایات واطلاعات لکھی تھیں یہ خط دسمبر کے تیسرے ہی ہفتہ میں مل گیا، اور اس کو پڑھ کر شدید طور پر دل و دماغ متأثر ہوئے، ان واقعات اور معلومات کے بعد جن کی انگریزی و ہندی پریس سے اور چشم دید گواہوں کے بیانات سے پوری تصدیق ہوتی تھی، کچھ نہ کرنا اور خاموش ہو کر بیٹھ جانا ایک طرف دینی بے حمیتی معلوم ہوتی تھی، دوسری طرف انسانیت اور اپنے وطن عزیز اور اس ملک سے جس میں بظاہر جینا مرنا مقدر ہے، بے وفائی، بے ضمیری، اور سرد مہری نظر آتی تھی۔

www.abulhasanalinadwi.org

اسی کے ساتھ یہ بدیہی حقیقت اور عقلِ سلیم کا فیصلہ بھی تھا کہ ایسی غیر معمولی اور نازک صورتِ حال میں اقلیت کے افراد کتنا ہی احتجاج و نالہ و شیون سے کام لیں اس کا کوئی بڑا نتیجہ نکلنے والا نہیں، ایسے موقعہ پر اکثریتی فرقہ کے مذہبی پیشواؤں، سیاسی رہنماؤں اور ممتاز دانشوروں کو میدان میں آنا چاہئے، اور انھیں کے مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لینے اور اس کے ان کے دل سے لگ جانے اور فکرمندی اور جدوجہد سے یہ سیلابِ بلا رُک سکتا ہے اور صورتِ حال میں تبدیلی واقع ہوسکتی ہے، اسی بنا پر اور اس حقیقت کے سمجھنے کی وجہ سے رانچی، جمشید پور اور راوڑکیلہ کے اس ہولناک فساد کے بعد جو ۱۹۶۳ء میں ہوا تھا، راقم سطور، رفیق محترم مولانا محمد منظور نعمانی اور مولوی محمد مسلم صاحب مرحوم مدیر "دعوت" دہلی جے پرکاش نرائن جی سے ملے تھے، اور ان کو اس کی طرف توجہ دلائی تھی، انھوں نے ونوبا بھاوے جی سے ملنے کا مشورہ دیا، جو اس وقت گاندھی جی کے جانشین اور اُن کے مشن کے امین سمجھے جاتے تھے، ہم لوگوں نے ناگپور جاکر ان سے ملاقات کی تھی، اور اُن کو انگریزی میں ایک موثر مضمون خط کی شکل میں پیش کیا تھا، لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا، جس کی تفصیل "کاروانِ زندگی"[1] کے پہلے حصہ میں ناظرین کی نظر سے گذر چکی ہے اب بھی یہی طریقِ کار مناسب و مفید معلوم ہوا، راقم نے بھاگل پور کے فساد کے سلسلہ کے بیانات اور مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی کے مکتوب کو سامنے رکھ کر اور اس میں سے کچھ اقتباسات اخذ کرکے اکثریتی فرقہ کے مذہبی پیشواؤں، ملک کے سیاسی رہنماؤں، اور ہندوستان کے ممتاز دانشوروں کے نام ایک پُراثر خط کا

---

[1] ملاحظہ ہو "کاروانِ زندگی" حصہ اول ص ۴۹۶-۵۰۵

www.abulhasanalinadwi.org

مسوّدہ بنایا جس میں اپنا دل نکال کر رکھ دیا، اس خط کا انگریزی اور ہندی میں مؤثر اچھی زبان میں ترجمہ ہوا، راقم چند دن کے بعد ہی رابطۂ عالم اسلامی کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لئے سعودی عرب جانے والا تھا، یوں بھی اُس کا سفر کر کے ان طبقات کے ممتاز افراد سے ملنا صحت و عمر کی بنا پر دشوار تھا، اس نے ایک طرف ان طبقات کے ممتاز افراد کی ایک فہرست تیار کروائی جس میں حتی الامکان کسی مؤثر اور ممتاز شخصیت کو نہیں چھوڑا گیا، ان میں سے اکثر افراد کو محفوظ ڈاک کے ذریعہ یہ خطوط بھجوائے گئے، اور ایک تعداد سے ذاتی ملاقاتوں اور اُن سے رُو در رُو گفتگو کرنے کا منصوبہ بنایا گیا، اس کی ذمّہ داری راقم نے اپنے تین مؤقر احباب ورفقائے کار کے سپرد کی جو "پیام انسانیت" کی تحریک میں نہ صرف شریک و رفیق کار ہیں، بلکہ اس کے بڑے کامیاب وکیل و ترجمان بھی ہیں، میری مراد ناگپور کے مولانا عبدالکریم صاحب پاریکھ، قاضی عبدالحمید صاحب (اندور) اور انیس چشتی صاحب (پونہ) سے ہے، ان حضرات نے بڑے اہتمام اور سلیقہ سے ایک بڑی تعداد سے ملاقات کی، وہ مختلف دینی مرکزوں، علمی اداروں، سیاسی پارٹیوں اور حکومت وانتظامیہ کے سربرآوردہ اشخاص سے ملے، اور ان کو میرا خط دیا، اور جلسہ کی دعوت، ان مدعوئین کی فہرست میں (جو سامنے ہے) سربرآوردہ اشخاص ہیں، ان کی تعداد پچاسی ۸۵ ہے، ان میں خاصی تعداد کنونشن میں شریک ہوئی، مجھ سے حجاز میں ٹیلیفون پر دریافت کر کے ان حضرات نے ۷ / مارچ ۱۹۹۰ء کی تاریخ مقرر کی، اور جلسہ کا انعقاد و انتظام

(DY. SPEAKER'S HALL, CONSTITUTION CLUB, VALLABH BHAI PATEL BHAWAN NEW DELHI) میں طے کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

پہلے وہ خط پیش کیا جاتا ہے جو ڈاک اور ذاتی ملاقاتوں کے ذریعہ سربرآوردہ ترین اشخاص تک پہونچایا گیا، کہ اب اس کی حیثیت ایک تاریخی شہادت اور ایک حسّاس دردمند ضمیر کے احساس و کرب کی تصویر اور صورت حال کی عکّاسی ہے، اور آئندہ ہندوستان کے مؤرخ کو اس سے روشنی حاصل ہوگی[1]، پھر اس خط میں آخر میں جو کچھ کہا گیا ہے، وہی اس کنونشن کی راقم کی تقریر کا خلاصہ ہے:۔

"محترمی آداب و تسلیمات!

خدا کرے آپ کے مزاج بخیر ہوں اور آپ کے سب عزیز و اقربا، اور اور تعلق و عقیدت رکھنے والے بعافیت ہوں۔

مجھے اس بات پر شرمندگی کا احساس اور اپنی کوتاہی کا اعتراف ہے کہ میں ایک سخت تکلیف دہ موضوع کے سلسلہ میں آپ سے اس خط کے ذریعہ پہلی مرتبہ رابطہ قائم کر رہا ہوں، مزید شرمندگی اس بات کی ہے کہ اپنی صحت کی کمزوری، بعض جسمانی تکالیف اور ایک خانگی حادثہ کی وجہ سے اس وقت خود حاضر نہیں ہو سک رہا ہوں، اور اپنے چند قریب ترین اور معتمد دوستوں کو واسطہ بنا رہا ہوں جو میری پوری قائم مقامی کرتے ہیں، ضرورت ہے کہ کسی قریب ترین فرصت میں ملک کے ممتاز مذہبی رہنما، صف اول کے دانشور اور وہ دردمند اور مخلص شخصیتیں ایک جگہ جمع ہوں جو ہر طرح کے سیاسی، طبقاتی اور فرقہ وارانہ مقاصد و مفادات و اختلافات سے بالاتر ہو کر سوچنے سمجھنے

---

[1] اس خط کے جواب میں ملک کے ممتاز ترین اہل فکر و دانشور اور حسّاس رہنماؤں اور فضلاء کے جو خطوط آئے، وہ بہت ہمّت آفریں اور امید افزا ہیں، ان کے اہم اقتباسات اب بھی "پیام انسانیت" کے دفتر میں محفوظ ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

کی عادی ہیں، اور ملک سے سچی محبت اور انسانیت کا درد رکھتی ہیں، ان کا اس پر ایمان ہے کہ اس کائنات کا کوئی پیدا کرنے والا ہے، وہ اس کی بربادی پسند نہیں کرتا اور اس کو ظلم و سفّاکی، خوں ریزی و خوں خواری سب سے زیادہ ناپسند ہے، اور جن کی اس عالمی اور دائمی تاریخی حقیقت پر نظر ہے کہ ظلم و ناانصافی، خوں ریزی اور سفّاکی، کمزور طبقات بچوں اور عورتوں، مُعمّر اور مُسِنّ انسانوں پر (جو اپنا دفاع نہیں کر سکتے اور جن کا کوئی قصور نہیں) دست درازی اور ان کے ساتھ وحشیانہ سلوک سے ان ترقی یافتہ ممالک اور عظیم سلطنتوں کا بھی نام و نشان مٹ گیا، جن کا دنیا میں ڈنکا بجتا تھا، اور ان تہذیبوں و معاشروں اور سماج کا بھی چراغ گُل ہو کر رہ گیا، جو دنیا کو تہذیب و ترقی کا سبق دیتے تھے۔

بڑے درد اور شرمندگی کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ ہمارا ملک بھی جو قدیم زمانہ سے عدم تشدّد (اہنسا) انسانیت دوستی اور شرافت کے لئے مشہور رہا تھا، اور جس کے محبت (پریم) کے گیت دوسرے ملکوں میں سُنے اور پسند کئے جاتے تھے، اس وقت تشدّد اور جارحیّت نہیں (کہ یہ الفاظ موجودہ صورت حال کو بیان کرنے کے لئے کافی نہیں، آپ سے معافی چاہتے ہوئے اور ہندوستانی ہونے کے ناطہ اپنے ضمیر اور اپنے ملک پر فخر کرنے کے جذبہ سے معذرت کرتے ہوئے کہنا پڑ رہا ہے کہ) حیوانیت، درندگی، خوں آشامی اور خوں خواری کی لپیٹ میں آ گیا ہے، اور اس وقت اس کی ایک ایسی تیز لہر ملک کے متعدد حصّوں اور علاقوں میں چل رہی ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

جو کسی طوفان یا سائکلون سے کم نہیں کہی جاسکتی، اس سلسلہ میں ریاست بہار کے ضلع بھاگل پور اور اس کے اطراف میں جو کچھ ہوا، اخبارات اور سماجی کام کرنے والوں کے ذریعہ آپ کو اس کی کچھ نہ کچھ ضرور خبر ہوگی میں اس وقت جگر تھام کر اور دل پکڑ کر بہار کے ایک ایسے ممتاز عالم دین، سماجی کارکن اور ایک ایسی باوقار شخصیت کے ایک نجی خط کے اقتباسات پیش کر رہا ہوں، جو پبلک اور حکومت دونوں کی نظر میں بڑی وقعت رکھتے ہیں، ہندوستان کی صف اول کے مذہبی رہنماؤں میں ہیں، اور جو اپنے نظریات اور طریق فکر کے لحاظ سے شروع سے اس وقت تک نیشنلسٹ رہے ہیں، اور جو ملک کی تقسیم کے نظریہ سے بھی اتفاق نہیں رکھتے تھے، وہ اپنے ایک تازہ خط میں جو ۱۶ر دسمبر ۱۹۸۹ء کا لکھا ہوا ہے، لکھتے ہیں:۔

"محترما! اس دفعہ فرقہ واریت کے ننگے ناچ کا جو جنون دیکھنے میں آیا اس کے تصور سے بھی کانپ اٹھتا ہوں، درندے بھی ایسی وحشیانہ حرکتیں نہ کرتے ہوں گے، جو انسانوں نے انسانوں کے ساتھ کی ہیں، بچپن سے سُن رکھا تھا اور اب بھی اپنا یقین یہی ہے کہ انسان کی جان لینا اور اسے مار ڈالنا مشکل ترین کام ہے، اچھے اچھے شکاریوں کے ہاتھ کانپ جاتے ہیں، بندوق اور رائفل ہاتھ سے چھوٹ کر گر جاتی ہے لیکن اس دفعہ جو کچھ ہوا وہ یہ کہ انسانوں کے قتل کرنے اور مار ڈالنے کا ایک اچھا ذوق پیدا ہو گیا اس مرتبہ وحشت و بربریت کے ایسے دردناک واقعات پیش آئے ہیں، کہ ان کے سننے کے لئے بھی پتھر کا دل چاہئے۔

www.abulhasanalinadwi.org

بھاگل پور ضلع میں "نوگائیں" نامی ایک گاؤں ہے، بھاگل پور سے ۳۲ کلو میٹر دور ایک چھوٹی سی مسلم آبادی یہاں بستی تھی، اہنسا کے پجاریوں اور "جیو ہتّیا" کو سب سے بڑا پاپ ماننے والوں[1] نے، اس آبادی کو گھیرا اور ہر طرف آگ لگائی، جب شعلے بھڑکے تو مرد، عورتیں، بوڑھے، جوان اور بچے بچیاں گھروں سے نکل کر باہر بھاگے، انھوں نے مردوں، عورتوں کو قتل کیا، بچوں اور بچیوں کو ماں کی گود سے چھین چھین کر آگ میں ڈالا، ۳۲ اجسام بحق تسلیم ہوئے، (موت کے گھاٹ اترے) لاشیں گاؤں سے باہر اور گاؤں کے جلے ہوئے ملبہ پر سڑتی رہیں، آج بھی اس گاؤں کے پاس جانا مشکل ہے۔

مونگیر ضلع جھاجھا کے علاقہ میں تین مظلوموں کو پکڑا اور یکے بعد دیگرے ایک کو دوسرے کے سامنے مزہ لے لے کر قتل کیا، ایک کو قتل گاہ میں لائے، پہلے اس کے کان کاٹے پھر یکے بعد دیگرے دونوں ہاتھ کاٹے، جب وہ چیختا چلّاتا اور تڑپتا رہا تو یہ جیو ہتّیا کو سب سے بڑا گناہ سمجھنے والے ہنستے اور گالی دے کر کہتے کہ اور چیخو، جب تیسرے کی باری آئی اور خدا بخش مقتل میں لایا گیا، تو اس نے بڑی خوشامد سے ان لوگوں سے کہا کہ قتل تو مجھ کو ہونا ہی ہے، ایک درخواست ہے، جس طرح تم نے ان دونوں کو قتل کیا ہے، مجھے اس طرح قتل نہ کرو، بس ایک وار میں میرا کام تمام کردو، خدا بخش کی درخواست منظور ہوئی اور وہ مرکوع کی شکل میں (جھک کر) کھڑا ہو گیا،

---

[1] یہ الفاظ بعینہٖ نقل کر دیئے گئے ہیں، ان کے لئے معافی چاہتا ہوں۔

www.abulhasanalinadwi.org

اس کی گردن پر ایک وار کیا گیا اور وہ شہید ہو گیا، یہ سارا دردناک منظر ایک گھر سے چار آدمی دیکھ رہے تھے جن میں تین مسلمان اور ایک ہندو تھا"۔

راقم نے اس خط کے حوالہ سے جو ابھی اس کے پاس محفوظ ہے، قتل اور سنگدلی کے صرف دو واقعات نقل کئے ہیں، ورنہ اردو انگریزی کے معتبر اخبارات کے جو تراشے اور مضامین میرے پاس محفوظ ہیں ان سے ایسے درجنوں واقعات کا علم ہوتا ہے جن میں سنگدلی اور بے رحمی کے ایسے واقعات کی شہادت موجود ہے جن کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ملیٹری کا ننانوے مسلمانوں کو پولیس کی حفاظت میں دے دینا اور پولیس کا مجموعی طور پر ان کا قتل کر دینا، کمسن بچوں بچیوں کی ٹانگیں کاٹ کر پانی میں ڈال دینا، درجنوں انسانوں کو مار کر کے مٹی میں گاڑ دینا، اور اس پر غلّہ یا ترکاری کا اُگانا، ایک عام بات ہے، خط تحریر کرنے والے ذمّہ دار اور نامور عالم اور مسلمان قائد نے مذکورہ بالا دونوں واقعات کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:۔

"میں نے ۱۹۴۶ء کے تاریخی فساد میں بھی کام کیا ہے، اس وقت میں جوان تھا، اپنے بس بھر خوب محنت کی، یکم نومبر ۱۹۴۶ء کو فساد شروع ہوا، لکھن پور، غازی پور اور تارا پور (ضلع مونگیر) کے علاقہ میں ساڑھے چھ ۶۵۰۰ ہزار مسلمان شہید کئے گئے، خود میں نے سروے کیا تھا، رپورٹ تیار کی تھی، ۵ نومبر کو پہلا غیر سرکاری مسلمان اس علاقہ میں جانے والا میں ہی تھا، جو فوج کے ٹرک پر گیا، لیکن ۴۶ء اور ۸۹ء کے حالات میں بہت بڑا

www.abulhasanalinadwi.org

فرق ہے، ۱۹۴۶ء میں فساد کے موقعہ پر لاٹھی، تلوار، بلّم، برچھا، اس طرح کی چیزیں استعمال ہوتی تھیں، پولیس بڑی حد تک غیر جانب دار تھی، ۱۹۴۶ء کے فساد میں پورے صوبہ کے اندر صرف ایک جگہ پولیس کی نافرمانی کا واقعہ پیش آیا، اور پنڈت جواہر لال نہرو کو رائفل چھین کر خود چلانا پڑی، اور اس دفعہ تو بندوق، رائفل اور بموں کا بے تکلف استعمال ہوا، چنانچہ آج کی تاریخ (۱۶ر دسمبر) میں بھی شہر مونگیر کے گلزار پوکھر محلہ کے قریب بم کا دھماکہ ہوا اور گولی چلنے کی بھی آواز سنی گئی، فساد شروع ہوئے آج ڈیڑھ ماہ ہو چکے ہیں، اکثر جگہ بہار ملیٹری پولیس (B. M. P.) نے بلوائیوں کی قیادت کی ہے، اور اپنی رائفلوں سے مظلوموں پر گولیاں برسائی ہیں۔

دوسرا بڑا فرق یہ ہے کہ آج ان واقعات پر کوئی ندامت نہیں ہے، ۱۹۴۶ء میں جہاں جانا ہوتا لوگ معافی طلب کرتے تھے کہ بہت بڑی غلطی ہوگئی، ہم لوگ شرمندہ ہیں، اس موقعہ پر یہ بھی عرض کردوں کہ یہ ساری درندگی..... کے تربیت یافتہ رضاکاروں کے ذریعہ انجام پائی ہے، ۴-۵ سو یہ رضاکار اور ان کے ساتھ مختلف موقعوں پر ہزاروں کا مجمع گھوم گھوم کر اور سانس لے لے کر ۲۴ / ۲۹ر اکتوبر تک پورے ذوق وشوق کے ساتھ قتل عام کا نیک کام انجام دیتا رہا، ایک بات یہ بھی عرض کردوں کہ ۱۹۴۶ء کا فساد ہفتہ عشرہ میں ختم ہو گیا تھا، اور ۱۹۸۹ء کا فساد ۲۲ر اکتوبر سے شروع ہوا ہے اور اب تک فضا مکدّر ہے اور بموں کی آوازیں ہم لوگ

www.abulhasanalinadwi.org

سنتے ہیں"۔

محترمی! انسان کے لئے بیماری کوئی غیر فطری چیز نہیں ہے صحت کا اعتدال سے ہٹ جانا اور بیماری کا شکار ہو جانا انسانی فطرت کے خلاف نہیں ہے' بلکہ یہ ایک طرح سے زندگی کی علامت ہے' پتھر غلطی نہیں کر سکتا' درخت غلطی نہیں کر سکتا' انسان ہی غلطی کرتا ہے' اس لئے غلطی زیادہ پریشانی کی بات نہیں' اور اس پر مایوس ہونے کی ضرورت نہیں' انسانوں کی ایک بڑی جماعت کا کسی غلط راستہ پر پڑ جانا' اپنی سفلی خواہشات اور پست درجہ کے مقاصد کی تکمیل کے پیچھے دیوانہ ہو جانا' تاریخ انسانی کے لئے بھی اور تقدیر انسانی کے لئے بھی شدید تشویش کی بات نہیں' تشویش کی بات یہ ہے کہ بگڑے ہوئے حالات سے پنجہ آزمائی کرنے' فساد و انتشار پیدا کرنے والی طاقتوں سے آنکھیں ملانے والے اور اپنے کو خطرہ میں ڈال کر میدان میں اترنے والے نایاب ہو جائیں' اصل تشویش کی بات یہ ہے' انسان بارہا فساد انگیز اور انتشار پسند طاقتوں یا سازشوں کے شکار ہو گئے ہیں' اور ایسا نظر آنے لگا ہے کہ انسانیت سکرات کے عالم میں ہے' وہ جلد دم توڑ دے گی' لیکن تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ایسے ہر موقعہ پر کچھ ایسے افراد میدان میں آگئے' جنھوں نے زمانہ کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر حالات کا مقابلہ کیا اور انھوں نے جان کی بازی لگا دی' انسانی تہذیب اور انسانی خصوصیات' اعلیٰ مقاصد اور اخلاقی تعلیمات کا تسلسل جو ہر دور میں رہا ہے' اور اس وقت تک چلا آرہا ہے' درحقیقت

www.abulhasanalinadwi.org

انھیں لوگوں کا رہین منّت ہے، جنھوں نے بگڑے ہوئے حالات سے پنجہ آزمائی کی اور زمانہ کی کلائی موڑ دی، کسی سماج کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ ظلم کو ناپسند کرنے والے اور اس کو روکنے کے لئے میدان میں اُتر آنے والے انگلیوں پر بھی گنے نہ جاسکتے ہوں۔

جب کسی دور میں اخلاقی گراوٹ کا ایسا دورہ پڑتا ہے تو اس وقت دو طبقے میدان میں آتے ہیں، ایک مذہبی پیشواؤں اور مذہبی انسانوں کا طبقہ، دوسرا دانشوروں کا طبقہ، اس وقت بھی ضرورت ہے کہ مذہبی پیشوا اور مذہبی انسان اور دانشور میدان میں آئیں، وہی اس وقت معاشرہ کو بچا سکتے ہیں، مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ کا مؤرخ جب اس دور اور معاشرہ کی تاریخ لکھے گا تو یہ لکھ دے گا کہ ان مذہبی پیشواؤں، ماہرین مذہبیات، امن و محبت کا پیام دینے والوں اور دانشوروں اور مفکّروں کی موجودگی میں بلکہ ان کی دیوار کے نیچے اور ان کے سایہ میں سب کچھ ہو رہا تھا (اور مجھے معاف کیا جائے) وہ اپنی عبادت گاہوں اور مطالعہ و تصنیف کے گوشوں میں بیٹھے ہوئے عبادت اور مطالعہ کا لطف لے رہے تھے، یہ بھی ایک تاریخی حقیقت اور تجربہ ہے کہ فساد کی لہر اور قتل و بدامنی کا یہ طوفان پھر ان عبادت گاہوں اور مطالعہ و تصنیف اور ریاست اور صحافت کے ان حصاروں اور قلعوں کو بھی نہیں چھوڑتا جہاں باہر کی گرم و سرد ہوا بھی پہونچنے نہیں پاتی، اس وقت بغیر کسی مبالغہ کے ملک کوہ آتش فشاں کے دہانہ پر کھڑا ہے، اور زندگی کی کشتی طوفان و سیلاب کی موجوں کے درمیان ڈانواڈول

www.abulhasanalinadwi.org

ہورہی ہے، اس لئے ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ملک کے حالات وحقائق کا حقیقت پسندی، اخلاقی جرأت اور بلند مذہبی وعلمی ذہن وشعور کے ساتھ جائزہ لیں اور جلد کہیں جمع ہوکر اس خطرہ کو دور کرنے اور اس ملک کو راہ پر لگانے اور انسانی ضمیر اخلاقی حس، اور خوفِ خدا اور انسانیت کے احترام کو آواز دے کر اور جگا کر اس ملک کو تباہی بلکہ قہر خداوندی سے بچانے کی کوشش کریں (جس کا مذہبی کتابوں اور تاریخ کے صحیفوں کے مطالعہ کی بنا پر) قریب ہی خطرہ نظر آرہا ہے، وقت کا یہ سب سے اہم اور ضروری کام اور ملک ومذہب کی یہ سب سے بڑی خدمت اب کسی تاخیر کی متحمل نہیں۔

آپ سب حضرات جب کسی جگہ اور کسی وقت جمع ہونے کا فیصلہ فرمائیں گے، تو چوٹی کے مسلمان، عالم اور دانشور بھی اس موقعہ پر جمع ہوجائیں گے، اور باہمی مشورہ اور خلوص وبے غرضی کے ساتھ ملک کو اس تباہی وبدنامی سے (جو پہلی مرتبہ سب سے بڑے وسیع پیمانہ پر بیرونی ممالک یورپ، امریکہ اور مسلم وعرب ممالک میں پھیل گئی ہے جس کی نظیر اس سے پہلے نہیں ملتی) بچانے کا اور ملک کی توانائیوں اور اہلِ ملک کی صلاحیتوں کو ملک کی تعمیر وترقی بلکہ دنیا کی اخلاقی قیادت اور مظلوم قوموں اور طبقوں کی مدد کے منصب پر فائز کرنے کا تاریخ ساز کام ہوسکتا ہے، امید ہے میری ان گذارشات کو غور وہمدردی کے ساتھ دیکھا جائے گا، اور جلد کہیں مجتمع ہونے کا پروگرام بنایا جائے گا، اور بلا تاخیر اپنے

www.abulhasanalinadwi.org

عقیدت مندوں اور تعلق والوں میں یہ کام شروع کردیا جائے گا۔

اخیر میں میری طرف سے پھر تسلیمات وآداب اور نیک تمنّائیں اور دعائیں"۔

راقم

ابوالحسن علی ندوی
دفتر "پیام انسانیت" ندوۃ العلماء لکھنؤ
۲۵ر دسمبر ۱۹۸۹ء

دہلی میں پیامِ انسانیت کا تاریخی کنونشن

کنونشن وقت مقررہ پر ۷ر مارچ دہلی میں (CONSTITUTION CLUB) میں ہوا ہال تقریباً بھر گیا تھا، اور اس میں ہندوستان کے چیدہ ترین افراد نظر آرہے تھے، وشمبر ناتھ پانڈے جی سابق گورنر اڑیسہ نے صدارت کے فرائض انجام دیئے، پہلے مولانا پاریکھ صاحب نے تمہیدی تقریر کی، اس کے بعد صدر صاحب نے اور میں نے زبانی خطاب کیا، پھر حاضرین میں سے چند ممتاز ترین افراد نے فرقہ وارانہ فسادات، انسان کشی اور درندگی وحیوانیت کے خلاف جن کا ماضی قریب میں مشاہدہ ہوا تھا، اپنے جذبات کا اظہار کیا، ان مقرّرین کی فہرست طویل ہے، ان میں ہندوستان کے نامور ماہرین قانون بھی تھے، اور ممتاز ترین دانشور اور سیاسی اشخاص بھی، جلسہ کے اختتام پر معقول لنچ کا بھی انتظام تھا۔

یہاں پر مشہور ہندی اخبار سنڈے آبزرور میں اس کی جو رپورٹ شائع ہوئی، اور اس کے ایڈیٹر ایبید رباجپئی جی نے اسی سلسلہ میں جو لکھا کسی قدر حذف و اختصار کے ساتھ وہ نقل کیا جاتا ہے کہ اس سے اجلاس کی ایک تصویر سامنے آجاتی ہے:۔

www.abulhasanalinadwi.org

"ملک کے کچھ حصوں میں پچھلے دنوں اس طرح کی فرقہ پرستی بھڑکی ہے کہ وہ سیکڑوں جانیں لے چکی ہے، اور اس کی پیاس ابھی بجھی نہیں ہے، اس کی چنگاری دلّی تک پہونچ چکی ہے، اس کی داستان سننے پر لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجانا چاہیئے، لیکن جہاں اس طرح کے واقعات رونما ہوئے ہیں؛ ان جگہوں کو چھوڑ کر کہیں کوئی خاص دلچسپی نظر نہیں آتی۔

یہ آگ جلد بجھائی جاسکے گی یا ابھی اور پھیلے گی، اس کا اطمینان بخش جواب کوئی نہیں دے پا رہا ہے، وہ لوگ بھی ایک دوسرے کی تشکیک دیکھ رہے ہیں، جن پر اس ملک کا نظام چلانے کی ذمّہ داری سمجھی جاتی ہے، ایسا لگتا ہے کہ سب کو ایک دوسرے پر شک ہے کہ کہیں کوئی آنکھ بچا کر اس آگ پر تیل ڈالنے کا کام تو نہیں کر رہا ہے۔

اس نقطۂ نظر سے گذشتہ ہفتہ دلّی میں فرقہ پرستی کے وجوہ کی جانچ کرنے اور ان کا حل ڈھونڈھنے کے لئے جو اجلاس ہوا، اس پر خاصی کھُل کر بات کرنے کی لوگوں نے کوشش کی، اجلاس کے صدر اڑیسہ کے سابق گورنر مسٹر وشمبھر ناتھ پانڈے تھے، جنھوں نے کانگریس کی لمبی تاریخ کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے، اور کئی حصوں میں وہ مضمون شائع ہوچکا ہے، فرقہ واریت میں امن قائم کرنے کے سلسلہ میں بھی اُن کی عرصہ سے امتیازی خصوصیت رہی ہے، وقتاً فوقتاً ان کا درد ظاہر ہوتا رہا ہے کہ فرقہ وارانہ دنگے اس ملک کی ترقی میں کس طرح مخل ہیں۔

اجلاس کا افتتاح اسلام کے جانے مانے عالم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

www.abulhasanalinadwi.org

نے کیا، ان دونوں کے علاوہ اجلاس میں جن لوگوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ان میں بھارتی کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سکریٹری راجیشور راؤ، جانے مانے سیاست داں پی، این ہکسر[۱] (P. N. HAKSAR) جنتا دل کے شری سریندر موہن، بہار کے گورنر یونس سلیم، سکھ سنت بابا برسا سنگھ جی (VIRSA SINGHJI) قانونی دنیا کے دو عالم جسٹس تارکنڈے[۲] (TARKUNDE) اور جسٹس ایچ، آر کھنّا[۳]، مہاراشٹر کے سابق وزیر اعلیٰ عبدالرحمٰن انتولے مہاتما گاندھی کے پوتے ڈاکٹر رام چندر گاندھی اور بھارت کے وزیر داخلہ مفتی محمد سعید[۴] نے تقریر کی، مہمانوں کا خیر مقدم ناگپور کے مولانا عبدالکریم پاریکھ نے جس طرح کیا اس سے پتہ نہیں چلتا یہ کوئی سنسکرت کا پنڈت ہے یا قرآن کی تفسیر کرنے والا بہت بڑا مولوی۔

پچھلے دنوں بھاگل پور میں جو فساد ہوا، کشمیر میں سیاست جس طرح کی فرقہ وارانہ کروٹ لے رہی ہے اور کئی جگہوں سے جو تعجب خیز خبریں آرہی ہیں ان کے پس منظر میں ہندو مسلم تناؤ، بابری مسجد، رام جنم بھومی کا مسئلہ، سیاست میں سخت رویّہ رکھنے والوں اور مجرموں کا بڑھاوا، خاص طور سے مختلف مقرّروں کی تقریروں میں دیکھنے کو ملا۔

علی میاں نے اپنی تقریر میں متنبہ کیا کہ تاریخ کا باب ایک سویا ہوا شیر ہے، شیر سوتا رہے آپ بغل سے اپنے راستہ نکل جائیے، شیر جگا دینے پر

---

[۱] مشہور ڈپلومیٹ اور شریمتی اندرا گاندھی کے خصوصی سکریٹری [۲] سابق چیف جج سپریم کورٹ دہلی۔
[۳] سابق جج سپریم کورٹ [۴] یہاں پر میر جعفر شریف اور سیف الدین سوز صاحب کے ناموں کا اضافہ کرلیا جائے۔

www.abulhasanalinadwi.org

آپ اپنا راستہ خود طے کرنے کے لائق نہیں رہ جائیں گے' فرقہ واریت کی نفرت میں آدمی خدا سے لڑتا ہے' یہ بتانے کے لئے علی میاں نے کہا کہ کمہار گھڑے بناتا ہے کبھی اس کے دو چار گھڑے توڑ کر دیکھو تو کیا ہوتا ہے' انسان کو تو خدا نے بنایا ہے' پھر بھی اس کی پرواہ کئے بغیر پاگل انسان انسانوں کو مارنے پر آمادہ ہو جاتا ہے[1]۔

ہمارے رفقائے کار[2] نے تقریباً ایک ہفتہ دہلی میں ٹھہر کر شب و روز محنت کی' ذاتی طور پر ملاقاتیں کیں اور اس کام کے لئے وقف رہے' ان حضرات نے ۱۶ مارچ کو ایک پریس کانفرنس بھی کی جس میں اچھی حاضری تھی، پاریکھ صاحب نے اس کو خطاب کیا اور سوالات کے جواب دیئے، جہاں تک کنونشن کو کامیاب بنانے کی کوشش کا تعلق ہے' ہمارے رفقاء نے سعی و کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، پریس کانفرنس بھی بہت کامیاب ہوئی۔

مجھے ۱۵ مارچ کو اجراڑہ ضلع میرٹھ کے ایک دینی مدرسہ کے اجتماع میں شرکت کرنی تھی، جہاں سے فارغ ہو کر اسی روز بعد مغرب دہلی پہونچا ہوا عزیز گرامی مولوی ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی کی دہلی کی نئی قیام گاہ واقع اوکھلا میں ٹھہرنا ہوا، وہاں پہونچ کر احباب و رفقاء سے جو ملنے آئے معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ کنونشن کو کامیاب بنانے کے لئے کوشش میں کوئی کوتاہی نہیں ہوئی، پریس کانفرنس بھی بہت مؤثر اور کامیاب ہوئی تفصیلات معلوم کر کے مسرت ہوئی اور اطمینان

---

[1] مضمون اُپیندر باجپئی، ہندی سے ترجمہ: خلیل احمد صاحب پرتاب گڑھی۔ [2] یہ رفقائے کار اور احباب حسب ذیل حضرات تھے' مولانا عبد الکریم پاریکھ' قاضی عبد الحمید صاحب، انیس چشتی صاحب، ادیب لکھنوی اور عبد المنان صاحب۔

www.abulhasanalinadwi.org

ہوا کہ کنونشن نمائندہ، مؤثر اور کامیاب ہوگا۔

اس اجتماع کو حاضری، حاضرین کی حیثیت و مرتبہ، تقریروں کی معنویت واثر کے لحاظ سے ایک مثالی اجتماع کہا جاسکتا ہے جس کی نظیر صرف "پیامِ انسانیت" ہی کی تحریک کی مختصر تاریخ میں نہیں، پچھلے برسوں کی تاریخ میں بھی ملنی مشکل ہے، جلسہ کے لئے جو مقالہ تیار کیا گیا تھا، وہ معقول تعداد میں اُردو، ہندی، انگریزی میں فوٹو اسٹیٹ کرایا گیا تھا، جس نے جو زبان پسند کی اس کو پیش کردیا گیا تھا، لیکن راقم نے مقالہ پڑھنے کے بجائے زبانی خطاب کو ترجیح دی، ملک کی تازہ صورت حال کی تصویر کھینچ کر اپنی گہری تشویش کا اظہار کیا، اور ملک کے ذمہ داروں، اہلِ فکر وصاحبِ ضمیر انسانوں کو ان کی ذمہ داری یاد دلائی، اور جس طرح کوئی اپنے گھر میں اور خاندان کے سامنے اپنا دکھ درد بیان کرتا ہے اور شکایت واحتجاج بھی کرتا ہے، اس طرح بغیر کسی تکلف وتصنّع کے اپنے جذبات وتأثرات کا اظہار کیا۔

لیکن اگلے دن اخبارات سے لوگوں کو صرف یہ معلوم ہوا کہ وزیر داخلہ مفتی محمد سعید صاحب کی دعوت وایماء پر ایک جلسہ ہوا، جس کے روحِ رواں اور داعی و مقرر وہی تھے، اخیر میں حاضرین کی ایک فہرست پیش کردی گئی، جس میں آخر میں غلط وصحیح اس راقم کا بھی نام تھا، اس صورت حال کو دیکھ کر پریس اور ذرائع ابلاغ کی اس دیانت وامانت کا تجربہ کرکے ان کارکنوں وہمدردوں کو بڑا صدمہ اور ناامیدی ہوئی جنھوں نے اس کنونشن کو کامیاب بنانے کے لئے رات دن ایک کردیئے تھے۔

لیکن شکر ہے کہ اس کنونشن کے اختتام پر ایک کمیٹی صدر اجلاس کی صدارت میں

www.abulhasanalinadwi.org

بن گئی تھی، اس نے اپنا کام شروع کر دیا جو جاری ہے۔

مدراس کا سفر اور شنکراچاریہ جی سے ملاقات

غالباً نومبر یا دسمبر میں محترمی الحاج محمد یونس سلیم صاحب[۱] اور پارلیمنٹ کے ایک اہم ممبر کرشن کانت جی[۲] راقم سے لکھنؤ میں ملے، اور انھوں نے دو مسلّم و محترم ہندو پیشواؤں سے جو شنکراچاریہ کے لقب سے مشہور و معروف ہیں، اور مدراس شہر سے کچھ فاصلہ پر اُن کی قیام گاہ اور مٹھ واقع ہے، میری ملاقات اور رام جنم بھومی و بابری مسجد کے سلسلہ میں گفتگو کی ضرورت اور افادیت بتائی، اور اس کا بھی ذکر کیا کہ وہ آپ ہی سے گفتگو کرنا مفید و مؤثر بتاتے ہیں، اور ملنے کے خواہش مند ہیں، ان دونوں صاحبان نے میری ملاقات کو بڑی اہمیت دی اور اس کے لئے اصرار کیا، وسط دسمبر میں جب محترمی یونس سلیم صاحب اور کرشن کانت جی (جو پرائم منسٹر وی، پی، سنگھ جی کا تعزیتی خط لے کر آئے تھے) راقم سے رائے بریلی میں ملے تو پھر انھوں نے یہ بات یاد دلائی، اس کے بعد بھی لکھنؤ میں متعدد بار ان صاحبان کی طرف سے یاد دہانی و تقاضہ ہوتا رہا۔

مجھے تنہا اس گفتگو میں حصّہ لینے اور کسی نتیجہ یا فیصلہ پر پہونچنے میں بڑی نزاکت اور خوف محسوس ہوتا تھا، مسئلہ بڑا جذباتی، عوامی اور دونوں فرقوں کے وقار کا سوال بن گیا ہے، اور اس کو (ہزار خوش نیّتی و کوشش کے باوجود) اپنی ذمّہ داری پر طے کرنا سخت مشکلات اور بدگمانیوں کا باعث بن سکتا ہے، پھر اس مسئلہ سے

---

[۱] حال گورنر بہار۔ [۲] حال گورنر آندھرا پردیش۔

www.abulhasanalinadwi.org

یا بری ایکشن کمیٹی (جس نے مہینوں سے یہ تحریک چلا رکھی ہے، اور وہ اس کی اسی پیمانہ پر نمائندہ و وکیل اور اس تحریک کی علمبردار بنی ہوئی ہے) نظرانداز کرنا آسان، قابلِ عمل اور منصفانہ نہیں۔

لیکن اس کوشش میں افادیت و امید کا ایک پہلو بھی تھا، وہ یہ کہ جنوبی ہند کے یہ دو[۲] نامور اور قابلِ احترام مذہبی پیشوا اگر مذہبی رواداری اور وسیع القلبی سے کسی نتیجہ پر پہونچ جائیں، اور اپنے فرقہ کو مسجد کے باقی اور محفوظ رہنے اور گفت و شنید اور مفاہمت کے ذریعہ فاصلہ سے مندر کی تعمیر پر آمادہ کرنے پر تیار ہو جائیں، تو اس سے شاید اس مسئلہ کے حل کرنے میں مدد ملے، اور ملک کی وہ شدید منافرت و اشتعال کی فضا ختم ہو، جو اس آزاد جمہوری و نامذہبی ملک کے لئے سخت خطرہ بنی ہوئی ہے، اور اس کی موجودگی میں نہ صرف یہ کہ کسی تعمیری کام کی گنجائش نہیں ہے، بلکہ عبادت گاہیں (معابد و مساجد) تعلیم گاہیں (مکاتب و مدارس) اور اس سے آگے بڑھ کر دونوں فرقوں کے افراد کی جان و مال و عزت و آبرو سب خطرہ میں ہے، اور کہیں بھی اور کسی وقت بھی (بھاگل پور کی طرح) ہولناک فرقہ وارانہ فساد ہو سکتا ہے، امید کی اس کرن اور سفر و گفتگو کو نہ صرف ملک بلکہ ملّت اسلامیہ کی حفاظت کا ایک ذریعہ سمجھ کر اخیر میں میں نے اپنے کو سفر پر آمادہ کیا، لیکن اس کے ساتھ دو[۲] تین[۳] احتیاطی شرطیں لگا دیں، ایک یہ کہ یہ گفتگو اختتامی اور فیصلہ کن نہیں ہوگی، اور میں تنہا اپنی ذمہ داری پر کسی سمجھوتہ یا حل پر دستخط نہیں کروں گا، یہ ملاقات اور گفتگو تمہیدی و ابتدائی ہوگی، اس کے نتیجہ پر غور کرنے اور اس پر مشورہ کرنے کی گنجائش باقی رہے گی، دوسرے یہ کہ میرے ساتھ میرے ایک معتمد اور مخلص رفیق مولانا عبدالکریم پاریکھ بھی ہوں گے،

www.abulhasanalinadwi.org

تیسری یہ کہ چونکہ اس وقت تک یہ دونوں حضرات ایک ایک ریاست کے گورنر منتخب ہو چکے تھے، اور ان کا سفر اسی حیثیت وسطح سے ہونا ضروری تھا جس کے لئے ریاستی حکومت کو انتظامات بھی کرنے ہوتے ہیں، میں نے یہ شرط کر دی کہ میں مدراس میں اپنے کسی بے تکلف دوست کے یہاں قیام کروں گا جہاں میں سالہا سال سے قیام کرتا ہوں، ان دونوں حضرات نے یہ تینوں شرطیں مان لیں، اور میں دہلی کے کنونشن سے فارغ ہو کر ۱۸ مارچ کو شب میں اپنے دو رفیقوں مولانا پاریکھ اور عزیزی عبد الرزاق کی معیت میں (جو اندرون ہند کے سفروں میں بالعموم میرے ساتھ رہتے ہیں، اور دواؤں اور میرے معمولات وراحت کا خیال رکھتے ہیں) مدراس کے لئے روانہ ہوا، دہلی سے میں نے اپنے قدیم میزبان ومہربان مدراس کے تاجر جرم عماد الدین خطیب صاحب کو ٹیلیفون کر دیا تھا، مدراس ایر پورٹ پر دونوں گورنر صاحبان کے لئے حکومتی پیمانہ پر استقبال اور گورنر ہاؤس پہونچنے اور وہاں قیام کرنے کے لئے انتظامات تھے، ہمارے میزبان چند دوستوں کے ساتھ ہمیں لینے کے لئے ہوائی اڈہ پر موجود تھے۔

اگلے دن ۱۹ مارچ کو کانچی پورم (KANCHI PURAM MATH) کے لئے پروگرام بنا، جو مدراس سے بہتر کلو میٹر پر واقع ہے، ہم لوگ ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر دو کاروں پر روانہ ہوئے گورنر صاحبان کے ساتھ حفاظتی انتظام بھی تھا، ملیٹری کے ایک کیپٹن یونس سلیم صاحب کے ساتھ پٹنہ سے آئے تھے، وہاں دو شنکراچاریہ تھے، ایک (SHRI VIJENDRA ACHARYA) دوسرے (SHRI PARAM ACHARYA) ہم پہلے ثانی الذکر (نمبر ۲) کے پاس پہونچے جو پہلے شنکراچاریہ جی کے جانشین اور

www.abulhasanalinadwi.org

دوسرے مرتبہ کے سمجھے جاتے ہیں، وہاں پہونچے تو دیکھا کہ ایک خس پوش، نیم خام اور نیم پختہ مٹھ ہے، باہر اچاریہ جی کے چیلوں نے ہمارا استقبال کیا، عصر کا وقت ہوگیا تھا، اس لئے پہلے ہم نے بلند اقامت کے ساتھ عصر کی دو دو رکعتیں پڑھیں، پھر اندر گئے دیکھا کہ اچاریہ جی سادھوؤں کے لباس میں بیٹھے ہوئے ہیں، اور چاروں طرف پھلوں کے ٹوکرے رکھے ہیں، جن میں سے نکال نکال کر وہ پرشاد دیا کرتے ہیں، ایک ایک لیموں ہم کو بھی دیا، گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ہم نے سلمان رشدی[1] کی مذمت کی تھی، میں اپنے ساتھ آکسفورڈ میں پڑھا جانے والا مقالہ" انسانیت کے محسن اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شریف و متمدن دنیا کا اخلاقی فرض" انگریزی میں، اور اسمائے حسنیٰ پر ایک رسالہ ہندی میں (جس میں اسمائے حسنیٰ کا ترجمہ و تشریح و اثر بتایا گیا ہے) لے کر گیا تھا، وہ میں نے پیش کیا۔

مسئلہ پر گفتگو شروع ہوئی، یہ معلوم کرکے مسرت بھی ہوئی اور تعجب بھی، کہ اچاریہ جی مسجد کے انہدام کی رائے نہیں رکھتے، بلکہ انھوں نے یہاں تک کہا کہ جب وہ مسجد ہے تو وہاں نمازیں بھی پڑھنے کی اجازت ہونی چاہیئے، مورتیوں کے اخراج کے بارے میں انھوں نے صاف بات نہیں کہی اس میں عجلت سے کام لینے سے ان کو اور کرشن کانت جی کو اندیشہ معلوم ہوتا تھا، البتہ مندر کے فاصلہ پر تعمیر ہونے اور مسلمانوں کی رضامندی سے کام ہونے پر ان کو اختلاف نہیں تھا، گفتگو اچھی فضا، سنجیدگی و احترام کے ساتھ ہوئی، اور یہ محسوس ہوا کہ جنوب کے حکمت گرو اور

---

[1] ان کو رشدی کا نام یاد نہیں تھا ہم لوگ قرینہ سے سمجھے اور بعد میں اس کی تصدیق بھی ہوئی۔

www.abulhasanalinadwi.org

مذہبی پیشوا شاید شمال کے مذہبی پیشواؤں سے زیادہ فراخ دل و وسیع الخیال ہیں۔

اس مٹھ میں جو ایک بڑے مذہبی پیشوا جگت گرو کی رہائش گاہ بھی ہے، اور عبادت گاہ بھی، شدت سے وہ فرق محسوس ہوا جو ایسے مٹھ اور اللہ والوں اور مسلمانوں کے روحانی و دینی مرکزوں میں پایا جاتا ہے، ہمیں بے تکلف دین پور[1] (ریاست بہاول پور) اور رائے پور[2] (ضلع سہارنپور) کی خانقاہ یاد آئی، جہاں کے در و دیوار سے ذکر اللہ کی صدا اور اللہ اللہ کی آواز سنائی دیتی معلوم ہوتی تھی، اور توحید خالص کی فضا اور روحانیت و سکینت کا ایک شامیانہ تنا ہوا معلوم ہوتا تھا، یہاں اس میں سے کوئی چیز محسوس نہیں ہوئی۔

اگلے دن دوسرے شنکر اچاریہ جی (SHRI PARAM ACHARYA) سے ملنے کا پروگرام تھا، معلوم ہوا کہ اُن کو سخت ثقل سماعت ہے، وہ مشکل سے بات سن سکتے ہیں، راقم تھکا ہوا تھا، اس نے حاضری سے معافی چاہی اور محترمان یونس سلیم صاحب کا کرشن کانت جی

---

[1] دین پور، خان پور (ریاست بہاول پور) کے قریب حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (شیخ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ) کی خانقاہ تھی، جہاں راقم کو ۳۲-۱۹۳۳ء میں چند دن گذارنے کا موقع ملا خلیفہ صاحب سندھ کے سلسلۂ قادریہ راشدیہ کے ایک بلند مرتبہ اور برگزیدہ شیخ و مرشد تھے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کو بھی ان سے اجازت حاصل تھی، اس آبادی کی پوری فضا ذکر اللہ سے گونجتی رہتی تھی، اور سوائے اللہ اللہ اور الا اللہ کے مشکل سے کوئی آواز سننے میں آتی تھی۔ [2] رائے پور (ضلع سہارنپور) سے ہمارے شیخ و مرشد حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی قیام گاہ و خانقاہ مراد ہے جہاں زائرین کے بقول پتّہ پتّہ سے اللہ اللہ کی آواز آتی تھی اور پچھلے پہر ساری خانقاہ ذکر کی صدا سے گونجتی تھی، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "سوانح حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری" از راقم۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور مولانا پاریکھ صاحب جا کر ملے، گفتگو اچھی فضا میں ہوئی گفتگو کے اس دور میں شنکر اچاریہ جی کے مٹھ کے بازو کی ایک مسجد سے اذان کی آواز سنائی دی، شنکر اچاریہ جی نے مولانا پاریکھ کو متوجہ کیا اور کہا کہ دیکھئے ہمارے پڑوس میں بھی ایک مسجد ہے اور ہمارا اُن کا کوئی جھگڑا نہیں ہے، مولانا نے جواب میں کہا کہ کیا خوب ہو کہ بابری مسجد میں اسی طرح اذان دی جاتی رہے، مسلمان حسب سابق نماز پڑھتے رہیں اور ہندو بھائی جہاں اُن کی اپنی خریدی ہوئی زمین یا اپنی ملکیت کی زمین ہو وہاں اپنی پسند سے جیسا چاہیں مندر بنالیں۔

ہمارے قدیم مخلص دوست قاری قاسم صاحب جو پربمیٹ مسجد کے امام و خطیب ہیں، اور ہمارے بھوپال کے یمنی استادوں[1] کے خاندان کے شاگرد برابر آتے رہے، اور دل بستگی و موانست رہی، اور ہم نے کوئی اجنبیت محسوس نہیں کی، ۲۰ر مارچ ۹۰ء کو ہم تینوں، دونوں گورنر صاحبان اور اُن کے عملہ کے ساتھ دہلی واپس ہوئے اور وہاں سے ہم تینوں ماہ مبارک کے قرب کی بنا پر اگلے ہی روز لکھنؤ واپس ہو گئے۔

پروفیسر مشیر الحق وائس چانسلر کشمیر یونیورسٹی کی شہادت کا افسوسناک واقعہ

رمضان المبارک کا مہینہ تھا، اور اپریل کی کوئی تاریخ کہ اخبارات سے اچانک معلوم ہوا کہ کشمیر یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر مشیر الحق کو دوسرے

---

[1] اس سے مراد مولانا خلیل بن محمد عرب اور ان کے یمنی اعمام ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

اشخاص عبدالغنی صاحب سکریٹری، اور ایچ، ایم ٹی لمیٹڈ سری نگر کے جنرل منیجر مسٹر کھیڑا کے ساتھ کشمیر کے تحریک آزادی چلاتے والوں نے اغوا کرلیا، وہ تشدّد ولاقانونیت کے واقعات شروع ہوتے کے بعد سے اپنے بنگلہ میں محصور ومحفوظ تھے، کہ جمعہ ۶ اپریل کو وہ ازخود یا بلائے جاتے پر گورنر کشمیر جگ موہن صاحب سے ملنے گئے، ایک روایت یہ ہے کہ انھوں نے ملاقات سے فارغ ہو کر جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد کا رُخ کیا کہ اُن کو ڈرا دھمکا کر قبضہ میں کرلیا گیا، اور مطالبہ کیا گیا کہ اگران کے بدلہ میں فلاں فلاں مجرموں کو نہ چھوڑا گیا تو اُن کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے گا، اس وحشت ناک غیر متوقع خبر سے علمی و تعلیمی، نیز سنجیدہ و علم دوست حلقوں میں بڑی تشویش پیدا ہوئی، اور ناپسندیدگی اور احتجاج کی ایک لہر دوڑ گئی، راقم نے اس کے سننے کے بعد ہی ایک بیان لکھ کر "قومی آواز" میں اشاعت کے لئے بھیجا، جس میں اُن کے علمی، تعلیمی و تحقیقی امتیازات کا تذکرہ تھا، اور اس اقدام پر سخت رنج و ملال کا اظہار، اس کے دو ہی تین دن بعد ایک پیغام لکھوا کر اپنا ایک مستقل نمائندہ لکھنؤ بھیجا کہ کسی طریقہ سے پرائم منسٹر وی، پی سنگھ صاحب کو ذاتی طور پر ٹیلیفون کرکے سنا دیا جائے، پیغام میں راقم نے لکھا تھا کہ میں خود اپنی زبان سے عرض کرتا لیکن نقرس (GOUT) کی تکلیف اور اپنے وطن رائے بریلی میں دیہات میں مقیم ہونے کی وجہ سے جہاں قریب میں کوئی ٹیلیفون نہیں ہے، اور رمضان کی وجہ سے بھی خود لکھنؤ نہیں آسکا، یہ پیغام بھیج رہا ہوں، جو پڑھ کر سنا دیا جائے گا، عزیزی ڈاکٹر یونس نگرامی نے اپنے تعلق اور مستعدی کی بنا پر ایک وزیر ریاست کی مدد سے اُن کے ٹیلیفون پر وزیر اعظم صاحب تک یہ پیغام پہونچا دیا، کہ اس سلسلہ

www.abulhasanalinadwi.org

ہیں وہ جو کچھ بھی کوشش اور تدبیر کرسکیں اس میں ذرا سی بھی کمی نہ کریں، اور پروفیسر مشیر الحق صاحب کو ہر قیمت پر رہا کرانے کی کوشش کریں، معلوم ہوا کہ وی، پی سنگھ صاحب نے اپنی دلچسپی اور ہمدردی کا اظہار کیا، لیکن ۱۴ رمضان المبارک ۱۱ر اپریل کو ٹھیک اس وقت جب تراویح کے بعد ہونے والی مجلس برخاست ہو رہی تھی، اور میں لیٹنے جا رہا تھا، عزیزی مولوی محمد رابع سلمہ سے معلوم ہوا کہ ریڈیو سے معلوم ہوا کہ ۱۰ر اپریل کو ان کے دونوں ساتھیوں ان کے سکریٹری عبدالغنی اور تیسرے محبوس کھیڑا کے ساتھ اُن کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا، اس کا سخت صدمہ ہوا، اور دیر تک طبیعت پر اثر رہا۔

مشیر الحق مرحوم نے درجۂ عالمیت تک دار العلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم پائی تھی، اور راقم کے بھی بعض اسباق و درجوں میں شریک ہوتے تھے، میں اس وقت دار العلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی فرائض انجام دیتا تھا، اُن کی سعادت مندی اور ذہانت کی وجہ سے خصوصی تعلق تھا، پھر وہ ادارۂ تعلیمات اسلام، امین آباد لکھنؤ سے وابستہ ہو گئے، جو مُحب محترم مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی نے مئی ۱۹۴۳ء میں قائم کیا تھا، اور میں بھی اس کے ذمہ داروں میں تھا، مشیر الحق مرحوم کئی سال تک اس میں کام کرتے رہے، اور راقم کے بعض رسائل و مضامین کے مجموعوں کا جو عربی میں تھے، ترجمہ بھی کیا، جس میں "شرق اوسط میں کیا دیکھا" کا رسالہ بھی تھا۔[1]

ادارہ کی طرف سے ایک پندرہ روزہ رسالہ "تعمیر" کے نام سے بھی نکلتا تھا،

---

[1] کتاب پر تاریخ اشاعت جنوری ۱۹۵۳ء ہے، یہ ۴۹ صفحے کا رسالہ ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

جس میں بھی وہ لکھتے تھے، اس کے بعد وہ جامعہ ملیہ چلے گئے، وہاں تعلیم مکمل کرتے کے بعد مانٹریال کنیڈا میں میکگل (MACGILL) یونیورسٹی میں تعلیم وتحقیق کا کام جاری رکھا، پروفیسر اسمتھ سے خاص تلمذ حاصل تھا، اس لئے ان کے خیالات میں کچھ "ترقی پسندی" کی بُو آ گئی تھی، جس سے ہمارا دینی حلقہ اتفاق نہیں کرتا، لیکن انھوں نے ہمیشہ دین اور اپنے اساتذہ اور بڑوں کا ادب و احترام ملحوظ رکھا، اور تواضع اور شرافت کا دامن کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا، وہ جب ملتے تھے، یا کسی سیمنار وغیرہ میں شریک ہوتے تھے تو وہ علمی ندوی خاندان کے ایک مؤدّب فرد اور ایک مہذّب و ادب شناس شریکِ محفل نظر آتے تھے، آخر میں اُن کو وہ علمی اعزاز حاصل ہوا، جو بہت ممتاز لوگوں کو بڑی منزلیں طے کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے لیکن اس اعزاز سے بڑھ کر اُن کو شہادت کا اعزاز و افتخار حاصل ہوا، جس سے بڑا درجہ وسعادت ایک مسلمان کے لئے نہیں ہو سکتی، مگر اس سے ایک افسوسناک و قابلِ تشویش وملامت نظیر و روایت قائم ہوئی، جس کے لئے کوئی اخلاقی جواز اور عذر نہیں ہو سکتا۔

یہ معلوم کر کے مزید افسوس ہوا کہ اغوا کرنے والوں نے آخر میں ان کی زندگی کے لئے یہ مطالبہ کیا تھا کہ کرفیو میں ۲ دو گھنٹے کی ڈھیل دے دی جائے، اس کو بھی منظور نہیں کیا گیا، جس سے اندازہ ہوا کہ ان کی زندگی بچانے کے لئے ادنیٰ درجہ کی بھی جد و جہد نہیں کی گئی۔

وزیرِ اعظم صاحب سے مسلم پرسنل لا بورڈ کے وفد کی ملاقات

مسلم پرسنل لا کے تحفّظ کے بارے میں محترم وزیرِ اعظم وی، پی سنگھ صاحب کی

www.abulhasanalinadwi.org

یقین دہانی اور وعدہ کے باوجود حکومت میں بھارتیہ جنتا پارٹی کی شرکت کابینہ کے بعض ارکان کے مشکوک رویّہ، اور یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ کے لئے دستور میں مشروط لیکن واضح دفعہ کی موجودگی کی بنا پر نہ صرف آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے ارکان، بلکہ حقیقت شناس، اور دور بین نگاہ رکھنے والوں کو بھی اس بارہ میں کبھی کلّی طور پر اطمینان نہیں ہوا، خاص طور پر پارلیمنٹ میں ایک سوال کے جواب میں عارف محمد خاں صاحب نے پھر یونیفارم سول کوڈ کی بات کہی، اور یہ کہ فضا سازگار ہونے اور متعلقہ جماعتوں یا اقلیتوں کی طرف سے مطالبہ ہونے یا اُن کی رضامندی ظاہر کرنے پر اس کا نفاذ کیا جائے گا، اس بارہ میں اور بھی اندیشہ و شکوک پیدا ہو گئے، راقم نے وی، پی سنگھ صاحب کے نام ایک نجی خط لکھا جس میں ان کو خلوص سے مشورہ دیا کہ انھوں نے جنتا حکومت کی تشکیل کے بعد رائے عامّہ کے احترام اور اقلیتوں کے تحفّظ کے جو اشارے دیئے، اور اس سے خود ملک کی سب سے بڑی اقلیت مسلمانوں میں حکومت کے ساتھ ہمدردی اور تائید کی ایک فضا پیدا ہوئی، اس کو وہ کسی حال میں کمزور و مجروح نہ کریں، اور یہ کہ پرسنل لا مسلمانوں کے عقیدہ اور نقطۂ نظر سے ان کے مذہب کا ایک جزء اور شعبہ ہے، اس خط کو جو ایک ہمدردانہ و مخلصانہ انداز سے لکھا گیا تھا، ذاتی طور پر ان تک پہونچانے کی کوشش کی گئی، اور معلوم ہوا کہ وہ خط ان تک پہونچ گیا۔

اِدھر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے سکریٹریٹ کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ بورڈ کا ایک ذمّہ دار و نمائندہ وفد وزیر اعظم صاحب سے

www.abulhasanalinadwi.org

ملاقات کرے، اور اس مسئلہ میں نہ صرف ارکان بورڈ بلکہ عام مسلمانوں کے جذبات وخیالات، اور شکوک وشبہات، صفائی اور بے تکلفی کے ساتھ ان تک پہونچادے، راقم کو اپریل کے آخری ہفتہ کی کسی تاریخ کو جناب عبدالرحیم قریشی صاحب سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا رائے بریلی میں تار ملا کہ وزیر اعظم صاحب نے ۳۰ر اپریل کو ملنے کے لئے وقت دیا ہے، میں ۳۰ر اپریل کی صبح کو دہلی پہونچ گیا، اور بورڈ کے ان ارکان سے رابطہ قائم کیا جو اس ملاقات کے لئے دہلی آگئے تھے، پہلے معلوم ہوا کہ ڈیڑھ بجے دن کا وقت ملاقات کے لئے مقرر ہوا ہے، پھر معلوم ہوا کہ جاپانی وزیر اعظم کی آمد اور ملاقات کی وجہ سے وی، پی سنگھ صاحب نے آج ملنے سے معذرت ظاہر کی ہے، اور کل یکم مئی کو ۱½ بجے کا وقت مقرر ہو گیا ہے، ۳۰ر اپریل کو مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ، کی تجویز پر وفد میں جانے والے ارکان تاج محل ہوٹل میں جمع ہوئے، اور ان نقاط پر گفتگو اور مشورہ کیا، جو وزیر اعظم صاحب کے سامنے پیش کرنے ہیں، اس ملاقات کے لئے بمبئی سے عبدالستار شیخ صاحب، یوسف حاتم مچھالہ صاحب اور شبیر بھائی نورالدین، حیدرآباد سے عبدالرحیم قریشی صاحب اور پٹنہ سے مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی اور مولوی ولی رحمانی صاحب آگئے تھے، مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب کو ناگپور سے آنا تھا، مگر کسی مانع کی وجہ سے نہیں آسکے، شبیر بھائی نورالدین کو کسی اہم ضرورت کے لئے اسی دن بمبئی جانا تھا، انھوں نے گفتگو میں شرکت کی لیکن وفد میں جانے سے معذوری کا اظہار کیا، عبدالرحیم قریشی صاحب نے وزیر اعظم صاحب کو

www.abulhasanalinadwi.org

پیش کرنے کے لئے، ایک یادداشت تیار کر رکھی تھی، جس کے اہم مشتملات میں سے حقوق مسلم مطلقہ ایکٹ ۱۹۸۶ء کی بعض لفظی خامیوں کی نشاندہی تھی، جو عجلت میں پاس ہو گیا تھا، اور اس کے سلسلہ میں ترمیمات سابق وزیر اعظم راجیو گاندھی صاحب کو براہ راست پیش کر دی گئیں تھیں، انھوں نے اس کی روشنی میں اصلاح و ترمیمات کا وعدہ کیا تھا، یادداشت میں بتایا گیا تھا کہ ان کوتاہیوں کی وجہ سے مختلف ریاستوں کی متعدد عدالت ہائے عالیہ نے مخالفانہ فیصلے کئے، اب ان ترمیمات کے مطابق جو زیادہ تر ترجمہ و تعبیر کی کوتاہیوں پر مبنی ہیں، اصلاح ہو جانی چاہیے، دوسرے یہ کہ چونکہ مسلم مطلقہ قانون سے متعلق ایکٹ پارلیمنٹ کا پاس کیا ہوا، اور حکومت کا بنایا اور منظور کیا ہوا ہے، اس لئے حکومت کو خود اس کا دفاع کرنا چاہیئے، اور اس کے لئے حکومت کے کسی ایسے قانون داں نمائندہ کا انتخاب کرنا چاہیئے، جو ذہنی طور پر اس سے متفق ہو اور ہمدردی و دلچسپی کے ساتھ اس کی وکالت کا فرض انجام دے سکے، تیسرے یہ کہ پارلیمنٹ میں پیش کئے ہوئے سوال کا حکومت کے ایک رکن نے جو جواب دیا اس سے حکومت کے رویّہ کے بارہ میں شکوک پیدا ہو گئے ہیں، اس غلط فہمی کو دور کرنے کی بھی کوشش کرنی چاہیئے۔

یکم مئی کو تقریباً ۲½ بجے دن کو وزیر اعظم صاحب سے پارلیمنٹ ہی کے ایک کمرہ میں ان کی نشست گاہ پر بہت بے تکلفانہ اور آزادانہ فضا میں ملاقات ہوئی، انھوں نے بغیر کسی تحفّظ اور سمیّت کے بات چیت کی، پہلے تو انھوں نے راقم سے کہا کہ آپ کا خط مجھے مل گیا تھا، میں جواب دینے والا تھا کہ ملاقات کا وقت مقرر ہو گیا پھر انھوں نے وفد کے ایک ایک مطالبہ اور یادداشت کے مندرجات پر اتفاق رائے

www.abulhasanalinadwi.org

کا اظہار کیا اور اس کی تکمیل کا وعدہ کیا، حکومت کی طرف سے ایکٹ کے دفاع کے لئے حکومت کے جس ترجمان اور ماہر قانون کا نام پیش کیا گیا اس کو منظور کیا، پارلیمنٹ میں پیش کردہ سوال کے بارہ میں جواب سے جو غلط فہمی پیدا ہوئی، اس کے ازالہ کا بھی وعدہ کیا، اور کہا کہ دوبارہ سوال کرا کر حکومت کی طرف سے یہ بات واضح کر دی جائے گی، کہ اس کا مسلم پرسنل لا میں کسی مداخلت کا ارادہ نہیں، اور یہ کہ یونیفارم سول کوڈ کو مختلف فرقوں اور اقلیتوں پر تھوپا نہیں جائے گا۔

اس ملاقات سے جس کا جلد جلد اور بار بار ہونا مشکل ہوتا ہے، میں نے فائدہ اٹھاتے ہوئے، وی، پی سنگھ جی کی توجہ، فرقہ وارانہ فسادات اور تشدّد کی طرف منعطف کرائی، اور صفائی سے عرض کیا کہ اس سلسلہ میں سب سے مفید و مؤثر چیز یہ ہے کہ ملک کے انتظامیہ (ADMINISTRATION) اور ریاستی حکومتوں کو معلوم ہو جائے کہ مرکزی حکومت کسی طرح بھی فساد اور تشدّد کو برداشت نہیں کرے گی، اور یہ اس کی ایک طے شدہ پالیسی اور فیصلہ ہے، پھر ان کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ایسے فرقہ وارانہ فسادات اور تشدّد کی انتظامیہ کے ذمّہ داروں اور پولیس افسران کو قیمت ادا کرنی پڑے گی، اور اس کا تاوان برداشت کرنا پڑے گا، میں نے کہا کہ آپ ڈاکٹر عبدالجلیل صاحب فریدی مرحوم سے واقف ہوں گے، انھوں نے ایک مرتبہ یو۔پی کونسل میں جس کے وہ ممبر تھے، ایک کاغذ ہاتھ میں لے کر کہا کہ میرے پاس اس بات کو ثابت کرنے کے لئے حقائق اور اعداد و شمار (FACTS & FIGURES) موجود ہیں کہ جن اضلاع اور شہروں میں فرقہ وارانہ فسادات ہوئے، وہاں کے ذمّہ دار انتظامیہ اور پولیس کے افسروں کو ترقی دی گئی، اور ان کو اپنے اس تغافل

www.abulhasanalinadwi.org

یا اقدام کا انعام ملا، پھر فسادات کیسے رُک سکتے ہیں؟

اس پر وی، پی سنگھ جی نے کہا کہ میں آپ کے مضامین اور تحریریں جو "پیامِ انسانیت" کے سلسلہ میں ہیں پڑھتا رہتا ہوں، بلکہ جب کوئی اہم پبلک اسپیچ دینے جانے لگتا ہوں تو آپ کی کوئی تقریر یا رسالہ پڑھ لیتا ہوں، آپ نے ایک جگہ بہت صحیح لکھا ہے کہ "آگ کو جب کوئی چیز کھانے کو نہیں ملتی تو وہ اپنے آپ کو کھانے لگتی ہے"[1]۔

یہ ملاقات اور گفتگو، باہمی اعتماد و احترام، اور ایک جمہوری فضا میں ہوئی اگلے دن پریس میں بھی اس کی اچھی رپورٹ آئی، اور صفائی سے کہا گیا کہ حکومت کا ارادہ مسلم پرسنل لا میں کسی مداخلت کا نہیں ہے، اور یہ کہ وہ زبردستی کسی فرقہ کے سر منڈھا نہیں جائے گا۔

باقی غیب اور مستقبل کا حال اللہ کو معلوم ہے، ہندوستان کی ملتِ اسلامی کو بہر حال حالات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیتے رہنا چاہئے اور ملت کے حال و مستقبل پر اثر ڈالنے والے مسائل، اہلِ ملک کے رجحانات اور مستقبل کے خطرات کے بارہ میں چوکنا رہنا چاہئے، اور جیسا کہ راقم نے اپنی متعدد تقریروں اور تحریروں میں کہا ہے، فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کی اس وصیت پر عمل کرنا چاہئے کہ "اَنْتُمْ فِی رِبَاطٍ دَائِمٍ" "مصر کے فاتح عرب مسلمانو! (مصر اگرچہ فتح ہو چکا ہے) لیکن تم کو سمجھنا چاہئے کہ تم سرحد پر کھڑے ہوئے ہو، اور اس کی حفاظت تمھاری

---

[1] یعنی تشدد کے لئے جب کوئی باہر کا نشانہ نہیں ملتا تو وہ اپنے اندر ہی اندر کام کرنے لگتا ہے، وی پی سنگھ جی نے یہ سمجھا کہ میں نے قرآن شریف کی کسی آیت کا ترجمہ کیا ہے، حقیقتاً وہ عربی کے اس شعر کا ترجمہ تھا ؎

النار تاکل نفسها ان لم تجد ما تاکلہ

www.abulhasanalinadwi.org

دائمی ذمہ داری ہے؟!

میر واعظ مولوی محمد فاروق صاحب کی شہادت کا المناک واقعہ

راقم سطور کا کشمیر کا پہلا سفر ۱۹۴۵ء میں ہوا تھا، اس وقت مولانا محمد یوسف صاحب کشمیر کے میر واعظ اور وہاں کی سب سے بڑی دینی شخصیت تھے، سابقہ تعارف اور مناسبت کی بنا پر میں انھیں کا مہمان رہا، ہفتہ عشرہ وہاں قیام رہا اور انھیں کی رہنمائی اور تعاون سے وادی کا دورہ اور وہاں کے پروگرام رہے، یہ تقدیری بات تھی کہ قوی اور معقول محرکات اور مختلف دواعی اور تقاضوں کے باوجود ۱۹۴۵ء سے لے کر ۱۹۸۱ء تک ۳۶ سال تک کشمیر کے سفر کی نوبت نہیں آئی، اس عرصہ میں مولانا محمد یوسف صاحب پاکستانی حصہ کشمیر (جس کو آزاد کشمیر کہا جاتا ہے) کی طرف منتقل ہو گئے، وہاں کے صدر بھی منتخب ہوئے، اور کچھ عرصہ کے بعد وہاں ان کا انتقال ہو گیا، مولانا کے کشمیر سے تشریف لے جانے کے بعد انھیں کے عزیز قریب اور فرد خاندان مولوی محمد فاروق صاحب کشمیر کے میر واعظ مقرر ہوئے، جو وہاں کا سب سے بڑا دینی، اصلاحی، اور قائدانہ عہدہ اور اعزاز ہے۔[1]

۱۶ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو جب میں حجاز مقدس کے ایک سفر سے (جو جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور رابطہ عالم اسلامی مکہ معظمہ کے مشاورتی و انتظامی جلسوں میں شرکت کے لئے کیا گیا تھا، اور حج کے بعد واپسی ہوئی) لکھنؤ واپس ہوا

[1] جہاں تک یاد آتا ہے مولانا محمد یوسف صاحب میر واعظ مولوی فاروق صاحب کے پھوپھا تھے۔

www.abulhasanalinadwi.org

تو اچانک معلوم ہوا کہ کشمیر یونیورسٹی نے مجھے ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری دینے کا فیصلہ کیا ہے، جو ۲۹ / اکتوبر ۱۹۸۱ء کے جلسۂ تقسیم اسناد (CONVOCATION) میں دی جائے گی، میں اس تقریب سے ۳۶ برس کی طویل مدّت کے بعد عازم کشمیر ہوا، اس طویل عرصہ میں میں اگرچہ کشمیر نہیں جا سکا تھا، لیکن میر واعظ مولوی محمد فاروق صاحب نے مجھ سے برابر رابطہ قائم رکھا، ایک مرتبہ وہ لکھنؤ تشریف لائے، اور دار العلوم ندوۃ العلماء میں وقت گذارا، میری اُن سے کشمیر میں دعوت و تبلیغ خاص طور پر کشمیر میں اصلاح عقائد اور عقیدۂ توحید کی اشاعت و استحکام کے بارے میں بے تکلفانہ گفتگو رہی، اور انھوں نے پوری توجہ اور اہتمام سے سنا، اس کے علاوہ دہلی اور لکھنؤ میں بار بار ملاقاتیں ہوئیں، اور میں نے محسوس کیا کہ وہ بیدار مغز، صاحب ضمیر اور صاحب صلاحیت آدمی ہیں، اور وہ اپنی خاندانی قابل فخر تاریخ اور لائق احترام اسلاف کے رشتہ سے اس اہم منصب پر فائز ہیں، انھوں نے متعدد بار مجھے کشمیر کی دعوت دی لیکن سفر کی نوبت نہ آئی، اب اس مرتبہ ۲۸ / اکتوبر کو جب میں سری نگر پہونچا، تو میر واعظ صاحب نے بڑے مخلصانہ اور محبانہ طریقہ پر خیر مقدم کیا، اور میرے قیام سے (جو ۹ دن کی مدّت پر مشتمل تھا) پورا فائدہ اٹھایا، انھوں نے مختلف مجالس کا انتظام کیا، اور مجھے اپنے خیالات کے اظہار کا آزادانہ موقعہ دیا، میری ایک تقریر یکم محرم الحرام ۱۴۰۲ھ (۳۰ / اکتوبر ۱۹۸۱ء) کو جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پیشتر جامع مسجد سری نگر میں (جس کے میر واعظ صاحب امام و خطیب تھے) مجمع عظیم کے سامنے ہوئی، جس میں ہزاروں کی تعداد میں سری نگر اور اطراف کے مسلمان شریک تھے، اس تقریر کا عنوان "وادی کشمیر میں توحید

www.abulhasanalinadwi.org

خالص کا پہلا پیغام اور اس کے علمبردار" تھا[1]، دوسری تقریر میر واعظ منزل میں اسی دن بعد نماز عصر علماء، ائمۂ مساجد اور خواص کے ایک مؤقر مجمع کے سامنے ہوئی، اس کی خصوصی دعوت و اہتمام میر واعظ صاحب نے کیا تھا[2]، تیسری تقریر انجمن نصرۃ الاسلام ہال میں (جس کے سرپرست اور روح رواں میر واعظ صاحب ہی تھے) ۴ نومبر ۱۹۸۱ء کو ہوئی جہاں مقرر کے اعزاز اور وداع کی تقریب میں میر واعظ صاحب نے ایک بڑے جلسہ کا اہتمام کیا تھا، اس کا عنوان "نصرتِ الٰہی کے شرائط، اور نصرتِ اسلام کا سیدھا راستہ" تھا[3]۔

راقم کا قیام اگرچہ ضابطہ سے کشمیر یونیورسٹی کے وائس چانسلر محترمی ڈاکٹر وحید الدین ملک صاحب کے یہاں تھا، لیکن میر واعظ مولوی فاروق صاحب بھی اس میزبانی اور پروگراموں کی ترتیب اور وادی کے قیام سے لطف اندوز ہونے میں شریک تھے، اکثر سیر و تفریح قابل زیارت مقامات اور نقل و حرکت میں وہ رہنما اور منتظم ہوتے، اس رفاقت سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کشمیری مسلمانوں میں کتنے مقبول اور ہر دل عزیز ہیں، ان کے اشارے پر لوگ دوڑ دوڑ کر کام کرتے تھے، بعض مرتبہ دیکھا کہ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ میر واعظ صاحب کی موٹر ہے تو اس کو عقیدت و محبت سے بوسہ دینے لگے۔

مجھے میر واعظ صاحب کے مزاج میں اعتدال اور سلامت روی اور حق پسندی کا مادّہ نظر آیا، وہ انجمن نصرت اسلام، اس کے ماتحت مدرسے، اس کی طرف سے نکلنے والے آرگن، اور اپنے مواعظ کے ذریعہ اہلِ کشمیر کی بڑی

---

[1] ملاحظہ ہو "تحفۂ کشمیر" ص ۱۱-۲۲ [2] ایضاً ص ۲۳-۳۶ [3] ایضاً ص ۷۷-۹۳

www.abulhasanalinadwi.org

دینی خدمت انجام دے رہے تھے، جہاں تک اندازہ ہوا (والغیب عنداللہ) وہ انتہا پسندی، اور اس بڑھی ہوئی جذباتیت سے بہت کچھ محفوظ تھے، جو مسلمانانِ کشمیر کی کمزوری بتائی جاتی ہے، انھوں نے اپنے ہم نام ڈاکٹر فاروق عبداللہ وزیر اعلیٰ کشمیر کو بھی مفید مشورہ دینے، اور بعض غلطیوں سے بچانے کی بھی (میرے علم میں) ایک حد تک، اور ایک عرصہ تک کوشش کی لیکن پھر نباہ نہیں ہو سکا۔

ایسے مقبول عوام اور اعتدال پسند دینی رہنما کے باقی رہنے اور کام کرنے کی کشمیر جیسے نازک اور حسّاس علاقہ میں بڑی اہمیت و افادیت تھی، جو خاندانی طور پر ایک دینی منصب پر فائز، اور عوام کے احترام و اعتماد کا مرکز ہو، حکومت اور انتظامیہ، اور جمہوری قدروں کا احترام کرنے والوں کو بھی اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے، لیکن افسوس ہے کہ جگموہن صاحب گورنر کشمیر کے نظم و نسق سنبھالنے کے بعد "تشدّد" اور بعض تبصرہ کرنے والوں کی زبان میں "نسل کُشی" (GENOCIDE) کی جو رَو چلی اس میں جہاں عزیز گرامی ڈاکٹر مشیر الحق کی شہادت کا حادثہ پیش آیا، جس کا اوپر تذکرہ ہو چکا ہے، وہاں اچانک راقم نے اپنے بمبئی کے زمانۂ قیام میں ۲۱ مئی ۱۹۹۰ء کی تاریخ کو اخبارات میں اچانک یہ خبر پڑھی کہ میر واعظ صاحب کے دولت خانہ میں تین آدمی داخل ہوئے، انھوں نے بتایا کہ ان کی ملاقات کا وقت مقرر ہو چکا ہے، اور اچانک اُن پر گولیاں چلا کر شہید کر دیا، اس سے زیادہ افسوسناک اور قابلِ مذمت بات یہ پیش آئی کہ ان کے جنازہ کے مجمع پر بھی گولیاں چلائی گئیں، جس کے نتیجہ میں پچاس آدمیوں کی شہادت واقع ہوئی اور خود ان کا شہید جسم اور کفن بھی نہیں بچ سکا، اس واقعہ کی مذمت ہندوستان اور

www.abulhasanalinadwi.org

بیرونِ ہند ہر جگہ کی گئی، اور غالباً اسی کے نتیجہ میں حکومت ہند کو جگموہن صاحب کو کشمیر سے واپس بلانا پڑا، اس لئے کہ وہ شدّت سے تنقید و ملامت کا نشانہ بنے ہوئے تھے، اور باہر کی خبر رساں ایجنسیوں، پریس، اور تبصرہ کرنے والوں نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا، راقم سفر میں ہوتے، اور رابطہ کے وسائل کے فقدان اور مشکلات کی وجہ سے فوری طور پر کوئی بیان نہیں دے سکا، تاخیر سے ۳۱ مئی ۱۹۹۰ء کو لکھنؤ کے روزنامہ "قومی آواز" میں میرا بیان شائع ہوا، جس میں میں نے اس ناشدنی واقعہ پر لفظوں میں اپنے تأثرات وجذبات کا اظہار کیا کہ یہ ایک ادنیٰ اخلاقی و انسانی فرض، اور جانے والے محترم دوست اور خادمِ ملت کا ادنیٰ حق تھا ؎

آسماں اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

بمبئی، بنگلور کا سفر، بنگلور میں مجمع الفقہ الاسلامی (الہند) (فقہ اسلامی اکیڈمی ہند) کے تیسرے عمومی سیمنار میں شرکت

لکھنؤ اور اس کے اطراف میں شدید گرمی کی بنا پر کئی سال سے مئی جون کے مہینوں میں رمضان المبارک کے بعد آرام اور کچھ تحریری کام کے لئے بمبئی کے سفر کا معمول رہا ہے، جہاں اپنے عزیز و مخلص دوست اور کرم فرما الحاج غلام محمد (محمد بھائی مالک بمبئی، آندھرا ٹرانسپورٹ) کے دولت خانہ واقع بائی کلا میں کچھ قیام رہتا ہے، اور شمالی ہند میں بارش کا موسم شروع ہوجانے اور گرمی میں تخفیف کے بعد واپسی ہوتی ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

راقم کی متعدد تصنیفات کے مختلف حصّے وہیں تحریر میں آئے، ۱۴۱۰ھ (۱۹۹۰ء)
کے رمضان کے بعد بھی جب ہمارے اطراف میں شدید گرمی پڑ رہی تھی، آرام اور
بعض کاموں کی تکمیل کے لئے بمبئی کا عزم سفر کیا اور (۲۰ مئی ۱۹۹۰ء کو عزیزگرامی
مولوی معین اللہ صاحب ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء اور اپنے رفیق ومعاون
حاجی عبدالرزاق اور اپنے تحریری معاون وناقل عزیزی مولوی نثارالحق ندوی کی
معیت ورفاقت میں بمبئی روانگی ہوئی، اور ۲۱ مئی کو شب میں وہاں پہونچنا ہوا، ۲۲ مئی
۱۹۹۰ء سے ۷ رجون ۱۹۹۰ء تک دو ہفتے بمبئی قیام رہا جس میں زیادہ تر
"کاروانِ زندگی" حصۂ چہارم کی تسوید وتحریر کا کچھ کام انجام پایا، ایک جمعہ کو
جامع مسجد بمبئی میں عمومی خطاب اور ایک دن صابو صدیق مسافر خانہ میں حجاج
سے (جو بحری جہاز سے عازمِ حج اور سفر کے لئے بالکل پابرکاب تھے) خصوصی خطاب ہوا۔

۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷ ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ (۸، ۹، ۱۰، ۱۱ رجون ۱۹۹۰ء) کی تاریخوں
میں مجمع الفقہ الاسلامی الہند (آل انڈیا فقہ اکیڈمی) کا تیسرا عالمی مذاکرۂ علمی
(سیمنار) بنگلور میں دارالعلوم سبیل الرشاد کے احاطہ میں منعقد ہونے والا تھا،
جس میں ہندوستان کی دینی جامعات اور نامور مدارس عربیہ کے کبار اساتذہ اور
فقہی مباحث سے خصوصی مناسبت وتعلق رکھنے والے اور ان پر تحقیقی کام کرنے والے
علماء کے علاوہ، بیرونِ ہند (ممالکِ عربیہ وپاکستان) کے ممتاز فضلاء کی شرکت
ونمائندگی، اور علمی بحث ومذاکرہ میں حصہ لینے کی توقع تھی، مجلس کے بانی وروحِ رواں
مولانا مجاہدالاسلام صاحب قاسمی نے راقم کو بھی شرکت کی خصوصی دعوت دی تھی،
اور برنبائے احتیاط وتیقّن میرے اور میرے عمومی معاون ورفیق سفر حاجی عبدالرزاق

www.abulhasanalinadwi.org

کے ہوائی جہاز کے ٹکٹ سفر و واپسی کے مہینہ ڈیڑھ مہینے پہلے سے خرید کر حوالہ کر دیئے تھے، میں نے رائے بریلی کے قیام میں احتیاطاً مجلس کے لئے مقالہ عربی میں تیار کر لیا تھا، جو کسی خاص مسئلہ کے بجائے ایک اصولی اور رہنما بحث و مقدمہ کی حیثیت رکھتا تھا، اس کا عنوان تھا۔

البحثُ العلمي والفقهي، والتحقيق والإجتهاد، الحاجةُ إلى ذلك وآدابه۔

(علمی و فقہی تلاش و تحقیق کا کام، تحقیق و اجتہاد، ان کی ضرورت اور ان کے آداب) عربی میں یہ مقالہ اس خیال سے تیار کیا گیا تھا کہ بیرونِ ہند کے متعدد عرب فضلاء اس مذاکرۂ علمی میں شریک ہوں گے، علمی حلقوں و مدارس عربیہ کے فاضل نمائندگان و ارکان کے لئے بھی (عربی میں ہونے کی وجہ سے) زبان کی اجنبیت حائل نہ ہوگی، پھر خالص علمی و دینی موضوع پر (شاید یہ کہنا خود ستائی و افتخار پر محمول نہ کیا جائے گا) عربی میں کچھ لکھنا اور اظہار خیال کرنا، (بکثرت علمی و دینی اصطلاحات و تعبیرات کے اصلاً عربی ہونے کی وجہ سے) راقم کے لئے زیادہ آسان ہوتا ہے۔

مقالہ اگرچہ تیار تھا، اور بنگلور کا موسم بمبئی سے کہیں زیادہ خوشگوار و خُنک بھی ہوتا ہے، پھر وہاں متعدد مخلص احباب اور کریم النفس و وسیع القلب میزبان موجود تھے، جو ہمیشہ راقم کو سفر بنگلور اور گرمیوں میں وہاں قیام کی دعوت دیتے رہتے ہیں، اس کے باوجود اس موقعہ پر سفر کے بارے میں بڑا تردّد تھا، اس کی وجہ یہ احساس تھا کہ فقہ پر راقم کو وہ درجۂ اختصاص اور مطالعہ کی وُسعت و عُمق حاصل نہیں جو اس اہم مذاکرۂ علمی میں شرکت کے لئے ضروری ہے جس میں خاص

www.abulhasanalinadwi.org

تعداد میں وہ مسائل زیر بحث آئیں گے، جو جدید تمدّن و ترقیات اور بدلے ہوئے عالمی اقتصادی نظام و تعامل نے پیدا کردیئے ہیں جن پر گہری فقہی نظر اور واقعات وضروریات زندگی کی روشنی میں دیانت دارانہ وجرأت مندانہ طریقہ پر روشنی ڈالنی اور فیصلہ کرنا ہے، راقم کو اپنی دوسری تحریری و تصنیفی مصروفیات اور فقہ سے عدم اشتغال کی بنا پر ان موضوعات پر غور کرنے اور مطالعہ و تحقیق کا موقعہ بھی نہیں ملا تھا، اس لئے شرکت سے معذرت کا رجحان غالب تھا، پھر صحت و اُفتادِ طبع کی بنا پر جن علمی مجالس میں بہت "دھوم دھام" ہوتی ہے، ان میں شرکت کرتے سے بھی طبیعت گریز کرتی ہے لیکن کچھ تو مولانا مجاہد الاسلام صاحب جیسے قابل احترام، قدیم اہلِ تعلق، اور فاضل داعی سے شرم دامن گیر تھی، دوسرے بنگلور کے دو خصوصی کرم فرما اور میزبانوں جناب ضیاء اللہ شریف صاحب اور الحاج موسیٰ سیٹھ صاحب کے تقاضہ و اصرار، اس کے ساتھ یہ معلوم ہونے پر کہ وہاں اخبارات میں میری آمد کی خبر شائع ہوچکی ہے، سفر کا فیصلہ کرنا پڑا، پھر اس سب پر مستزاد یہ توقع تھی کہ فاضل گرامی قدر اور محب محترم مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب بھی اس مذاکرہ میں شرکت کے لئے خصوصی طور پر کراچی سے تشریف لاتے والے ہیں، بمبئی میں بھی مجھے ان کا خط ملا تھا جس میں اس سفر کی آمادگی، تیاری اور ملاقات کے شوق کا ذکر تھا، ان کے برادر محترم مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب سے بمبئی میں ملاقات بھی ہوئی تھی، جو حیدرآباد کی ایک دعوت پر تشریف لائے تھے، اور مولانا تقی عثمانی صاحب کی آمد و شرکت کے متوقع تھے۔

بہرحال ان اسباب کی بنا پر بنگلور کے سفر کا فیصلہ کرلیا گیا، ہمارے میزبان کرم

www.abulhasanalinadwi.org

الحاج محمد بھائی نے بھی میری سہولت کے لئے سفر و قیام میں رفاقت کا ارادہ کرلیا اور ان کی رفاقت و رہبری اور حاجی عبدالرزاق کی معیّت میں، ۷ رجون کو شب کی بمبئی بنگلور کی پرواز سے بنگلور روانگی ہوئی بنگلور کے ہوائی اڈہ پر مولانا مجاہدالاسلام صاحب بطور خود، مولانا اشرف علی صاحب (فرزند گرامی امیر شریعت کرناٹک، حضرت مولانا مفتی ابوالسعود صاحب سرپرست مدرسہ سبیل الرشاد) ضیاء اللہ شریف صاحب، موسیٰ سیٹھ صاحب اور بنگلور کے متعدد احباب موجود تھے، ضیاء اللہ شریف صاحب کے دولت خانہ پر قیام رہا۔

مجلس مذاکرہ جو مجمع الفقہ الاسلامی کا تیسرا عمومی سیمنار تھا، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷ رذی قعدہ ۱۴۱۰ھ (۸، ۹، ۱۰، ۱۱ رجون ۱۹۹۰ء) کو دارالعلوم سبیل الرشاد کے وسیع احاطہ میں بڑے اہتمام سے منعقد ہو رہا تھا، بنگلور کے دینی ذوق رکھنے والے سربرآوردہ اشخاص تجّار و باشندگان شہر نے اس سے اپنی دلچسپی و قدردانی کا ثبوت پیش کیا تھا، اور اس کے انتظامات میں فراخ دلی اور فیّاضی سے حصہ لیا تھا، مجلس کے انعقاد کی جگہ سے بہت فاصلہ سے بازاروں میں مجلس کی دعوت و اہمیت کے بینر لگے ہوئے تھے، مذاکرہ کا انعقاد ۱۴ رذی قعدہ سے ہو رہا تھا، جو جمعہ کا دن تھا، وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ علمائے عرب میں سے صرف ایک ممتاز فاضل شیخ محمد المحروس المدرّس الأعظمی بغداد سے تشریف لائے ہیں، جو مجمع الامام الأعظم أبی حنیفۃ النعمان (امام ابوحنیفہ اکیڈمی) کے صدر ہیں، اور فقہ حنفی پر بڑی وسیع اور گہری نظر رکھتے ہیں، تقریباً تین سو سال سے ان کے خاندان میں تدریس کا مشغلہ و منصب چلا آرہا ہے، جس کی وجہ سے "المدرّس" ان کے نام کا جزء ہے ۱۹۷۳ء میں جب

www.abulhasanalinadwi.org

رابطۂ عالم اسلامی کے وفد کے قائد کی حیثیت سے میرا چھ عرب ملکوں کا سفر ہوا تھا، اور اس سلسلہ میں بغداد بھی جانا ہوا تھا، اس وقت وہاں کے مدارس دینیہ کے ناظم و نگراں تھے، اور حکومت عراق کی طرف سے وہ بھی وفد کے استقبال کرنے والوں میں تھے، بعد میں جب عراق میں حکومت اور پارٹی کی تبدیلی عمل میں آئی تو وہ اپنے منصب پر نہیں رہے، وہ راقم کی اکثر اہم عربی تصنیفات کا مطالعہ کر چکے تھے، اور غائبانہ تعارف و واقفیت رکھتے تھے۔

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب غالباً سیٹ نہ ملنے کی وجہ سے تشریف نہیں لاسکے، جس کی ذاتی طور پر مجھے بہت کمی محسوس ہوئی، غالباً ان کی عدم شرکت کی بنا پر مجھ ہی کو اس مؤتمر مجلسِ مذاکرہ کا صدر فرض کر لیا گیا، اور میرا مقالہ جو عربی میں تھا ۱۴؍ ذی قعدہ بعد نماز عصر مجلس میں پڑھا اور سنا گیا، میں درمیان میں کہیں کہیں کچھ خطاب اور بعض نقاط کی اردو میں ترجمانی و تشریح کرتا رہا، پورے مقالہ کا نقل کرنا دشوار بھی ہے، اور موجب تطویل و ملال طبع بھی ہے، اس لئے صرف اس کی سرخیاں نقل کی جاتی ہیں[1]۔

۱۔ اسلام اور مسلمانوں میں خاندانی و طبقاتی، مذہبی اجارہ داری اور نسلی، دینی رہنمائی (PRIESTHOOD) (پروہنائی) کا وجود نہیں، لیکن علمی اختصاص اور کسی موضوع پر خصوصی مطالعہ و تیاری اور مہارتِ فن اسلام اور تاریخ اسلام کی قدیم و مسلسل روایت ہے، اور اس کو جاری رہنا چاہئے۔

---

[1] مکمل عربی مقالہ ندوۃ العلماء کے عربی رسالہ "البعث الإسلامی" (ماہ محرم ۱۴۱۱ھ) اور اردو ترجمہ اکیڈمی کے ترجمان رسالہ "بحث و نظر" کے محرم ۱۴۱۱ھ کے پرچہ میں مکمل شائع ہوا، رسالہ "ذکر و فکر" دہلی میں بھی اس کی اشاعت ہوئی۔

www.abulhasanalinadwi.org

۲۔ علم و مطالعہ کے بلند معیار اور سطح کی ضرورت۔

۳۔ مغرب میں استشراق و مستشرقین کے عروج اور پھر انحطاط کے اسباب۔

۴۔ علم و مطالعہ کے لئے ذہنی یکسوئی اور انہماک کی ضرورت۔

۵۔ علم و معرفت کی تشنگی اور رہنمائی کوئی عبوری مرحلہ، عارضی حالت، اور اقبال کے الفاظ میں "یک نَفَس یا دو نَفَس مثلِ شرر" نہیں ہونا چاہیئے۔

۶۔ دینی معلومات و مطالعہ کے سرچشمے ایمان کے اندر پوشیدہ اور مضمر ہیں۔

۷۔ ایسے فیصلوں اور نتائج بحث سے بچنے کی ضرورت ہے، جو مسلم معاشرہ میں ذہنی انتشار پیدا ہونے یا بے عملی کا باعث ہوں۔

۸۔ زمانہ تغیر پذیر بھی ہے، اور سختی سے اپنے اصول و اقدار پر جمنے والا، اور ان کی طرف سے دفاع کرنے والا بھی ہے۔

۹۔ دین زندگی کا محض ہم نوا و ہم سفر نہیں، زندگی کا محافظ و اتالیق اور "محتسب کائنات" بھی ہے۔

۱۰۔ فقہاء اور اہلِ افتا کی وہ غیر معمولی ذہانت (عبقریت) جس کا اظہار زمانہ کے بدلتے ہوئے تقاضوں اور دین کے دوام اور ہر زمانہ میں مقاصد شریعت کی تکمیل کی ضرورت کے درمیان جمع کرنے اور دونوں کا لحاظ رکھنے میں ہوا۔

۱۱۔ برّصغیر ہند و پاک کی ان فقہی کوششوں و نابغات کا مختصر جائزہ اور ان پر ایک طائرانہ نظر جو ماضی قریب میں وجود میں آئیں۔[1]

---

[1] اس موقع پر مقالہ نگار نے ضروری سمجھا کہ ہندوستان میں مذہب حنفی کے علماء اور ترجمانوں کی علمی کاوشوں اور نتائج تحقیق کے ساتھ مسلک اہل حدیث کے بعض ممتاز علماء کی چند (باقی ص۲۲۴ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

اس فقہی جائزہ کے ساتھ راقم نے ضروری سمجھا کہ حاضرین مجلس کو (جو تمام تر علماء و اساتذۂ مدارس دینیہ تھے) حدیث شریف سے خصوصی اشتغال کی طرف متوجہ کیا جائے جس کا ہندوستان گیارہویں صدی کے بعد عالم اسلام میں سب سے بڑا (تدریسی و تصنیفی اور خدمت و اشاعت کا) مرکز بن گیا، اور اس کو ایسی بہت سی حدیث کی نادر کتابوں کی اشاعت و خدمت کا فخر و شرف حاصل ہے، جن کے بیرون ملک کے علماء نام سنتے تھے، اور ان کے مطالعہ اور استفادہ سے محروم تھے۔

آخر میں مجمع الفقہ الاسلامی کی افادیت و اہمیت کا اعتراف کیا گیا، اور اس کو ہندوستان کے لئے ایک قابل فخر و شکر اقدام قرار دیا گیا۔

مقالہ کو اس قابل قدر و عظیم کام کے تذکرہ پر ختم کیا گیا جو مسلمانوں کے عائلی قانون پر ایک واضح اور مستند کتاب کی ترتیب و تالیف کی شکل میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اہتمام اور مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی امیر شریعت بہار و اڑیسہ کی نگرانی و سرپرستی میں امارت شرعیہ بہار کے مرکز میں قریبی دنوں میں تکمیل کو پہونچا ہے، اور جس میں ہندوستان کے مستند دینی مدارس کے متعدد اساتذہ،

(باقی ص ۲۲۳ کا) تصنیفات کی طرف بھی توجہ منعطف کرائے، نیز شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کی تحقیقات اور تالیفات کی طرف بھی متوجہ کرے جو علم و تحقیق کا ایک بڑا خزانہ ہیں، ان کی کتاب "فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ" (جس کا صحیح نام موسوعۃ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ہونا چاہئے تھا) پینتیس ۳۵ جلدوں میں آئی ہے، دو ۲ جلدیں فہرست کی ہیں، کل صفحات ۱۸۸۴۹ ہیں، اسی طرح حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی بے نظیر کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" سے استفادہ کی طرف بھی متوجہ کیا گیا جس کی نظیر مقالہ نگار کے حدود علم میں پورے اسلامی کتب خانہ میں نہیں ملتی۔

www.abulhasanalinadwi.org

ماہرین فقہ اور افتاء کے مشہور مرکزوں کے ذمہ دار شریک رہے، اور اس کی وجہ سے اب عدالتوں اور قانون ساز مجلسوں کو یہ کہنے کا موقعہ باقی نہیں رہا کہ مسلمانوں کے عائلی قانون پر علماء کی کوئی مستند کتاب نہیں، اس لئے ان کتابوں کی طرف رجوع کرنا ناگزیر ہے جو (MOHAMMADEN LAW) کے نام سے موجود و مشہور ہیں۔

سیمنار کے سکریٹریٹ و دفتر نظامت نے (جس میں ممتاز دینی مدارس کے اساتذہ اور نوجوان فضلاء کام کر رہے تھے) بہت سرعت و مستعدی کے ساتھ مقالہ کو عربی میں ٹائپ وسائکلو اسٹائل کرا کر شرکائے محفل کے ہاتھوں تک پہونچا دیا، اور اس کا سلیس و شستہ اردو میں ترجمہ بھی مکمل کر کے سیمنار کے برخاست ہونے سے پہلے مہیّا کر دیا، یہ دفتر نظامت آئے ہوئے مقالات کا مطالعہ کر کے ان کے نتائج تحقیق اور فیصلوں کو تجاویز کی شکل میں بھی برابر پیش کرتا رہا، مولانا مجاہد الاسلام صاحب برابر اس کام کی نگرانی اور رہنمائی میں مصروف رہے۔

راقم نے اپنے خطبۂ صدارت کے علاوہ دو تین بار مجمع کو خطاب بھی کیا، دارالعلوم سبیل الرشاد کے فضلاء کی دستار بندی کی تقریب بھی عمل میں آئی، اور راقم ہی سے اُن کو اُن کی سندِ فضیلت دلائی گئی، توجیہی و ہدایتی کلمات کہلائے گئے، وقتاً فوقتاً مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے بھی اپنے عالمانہ اور ناصحانہ کلام سے سامعین و فضلائے دارالعلوم کو نوازا، اور فاضل گرامی شیخ محمد المحروس المدرّس نے بھی کئی بار خطاب کیا، اس طرح یہ اجلاس فقہی تحقیقات اور علمی بحثوں میں محدود نہیں رہا، اس نے ایک اصلاحی و تربیتی اور دینی اجتماع کا فرض بھی انجام دیا، اور حاضرین جو مسلمانوں کے مختلف طبقوں سے تعلق رکھتے تھے یکساں مستفید ہوئے۔

www.abulhasanalinadwi.org

آخری اجلاس عام گرونانک ہال شہر بنگلور میں ۱۱ر جون دوشنبہ کو بعد نماز مغرب ہوا، جس میں راقم نے پورے دین پر عمل کرنے اور شادی بیاہ وغیرہ کی تقریبات میں سنّت، اسوۂ رسولؐ اور عملِ صحابہ پر عمل کرنے اور ہمسایہ قوم اور غیر مسلموں کی نقل و تقلید سے بچنے کی تلقین کی، اور بعض صحابۂ کرام کے واقعات سنائے جنھوں نے زندگی کے یہ فرائض اور ضروریات ایسی خاموشی اور سادگی سے انجام دیں کہ قریب ترین اور معظّم و محبوب ترین ہمسایوں کو بھی اس کی خبر نہیں ہوئی۔

اس مجلس مذاکرہ میں جو موضوعات زیر بحث آئے وہ حسب ذیل تھے :۔

۱۔ بیع حقوق کا مسئلہ۔

۲۔ غیر سودی بینک کاری۔

۳۔ بلا سودی قرض فراہم کرنے والے ادارے اور سوسائیٹیاں۔

"پیام انسانیت" کا ایک اہم جلسہ

ہمارے محترم میزبان جناب ضیاء اللہ شریف صاحب اس کے خواہش مند اور اس کے لئے کوشاں تھے، کہ ہمارے سفر و قیام کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ بنگلور میں "پیام انسانیت" کے عنوان سے ایک شائستہ اور مؤثّر نشست کا انتظام کریں، اُن کی اس خواہش کے احترام اور مسئلہ کی ضرورت و افادیت کے پیش نظر میں نے اس کو منظور کر لیا، اور یہ خواہش ظاہر کی کہ اپنے اس کام اور دعوت کے خصوصی رفیق مولانا عبد الکریم پاریکھ صاحب کو بھی بنگلور آنے کی زحمت دی جائے، اور وہ بھی اس جلسہ میں خطاب کریں، یہ وہ زمانہ تھا کہ ٹرین اور ہوائی جہاز دونوں سے

www.abulhasanalinadwi.org

سفر کرنے اور کہیں وقت پر پہونچنے میں بڑی صعوبتیں اور طوالت تھی، پاریکھ صاحب کو ناگپور سے بنگلور آنا تھا، یہ خاصا طویل سفر تھا، اور اس کے لئے وقت بہت کم تھا، لیکن محترم الحاج محمد بھائی نے اس کے لئے پوری کوشش کی اور مولانا پاریکھ صاحب وقت پر بنگلور پہونچ گئے، ۱۲ر جون کی شام کو پریسیڈنسی ہال میں جلسہ ہوا جس میں شہر کے پڑھے لکھے طبقہ کے افراد اور سنجیدہ و صاحبِ ذوق سامعین اچھی تعداد میں شریک ہوئے، دعوت و اشاعت کا وقت اور وسائل کم ہونے کی وجہ سے غیر مسلم تعلیم یافتہ اور دانشور و سربرآوردہ حضرات سے زیادہ رابطہ قائم نہیں کیا جا سکا، پھر بھی اُن کی ایک تعداد شریکِ محفل تھی، الحاج میر مقصود علی خاں صاحب مدیر اعلیٰ روزنامہ "سالار" (سابق وزیر کرناٹک و سابق ممبر پارلیمنٹ) نے راقم کا تعارف کرایا اور ان تنظیموں و مجلسوں کا ذکر کیا جن کی صدارت و رکنیت کا اس کو شرف حاصل ہے، انھیں نے آخر میں بڑی سلاست اور خوبی کے ساتھ میری تقریر کا انگریزی میں خُلاصہ بھی بیان کیا، میرے بعد مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب نے حسبِ معمول ایک برمحل اور فکر انگیز تقریر کی، میری تقریر اخبار "سالار" کی جون کی اشاعت اور کچھ تفصیل و اضافہ کے ساتھ (جو ریکارڈنگ نہ ہونے کی وجہ سے "سالار" کی رپورٹ میں نہیں آسکی تھی) "تعمیرِ حیات" کی ۲۵ر جون کی اشاعت میں تمام و کمال آئی ہے یہاں پر اس کا ایک حصہ پیش کیا جاتا ہے۔

غیرت و رحمتِ الٰہی کائنات کے بگاڑ کو پسند نہیں کرتی

حضرات! اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ "وَلَا تُفْسِدُوا

www.abulhasanalinadwi.org

فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا" (اور زمین میں بگاڑ نہ پیدا کرو اور اس کو خراب نہ کرو اس کی اصلاح کے بعد) اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے مختلف زمانوں میں انسانوں کی اصلاح، دنیا میں انسانیت و امن قائم کرنے اور انسانوں کو اپنے خالق و معبود کو پہچاننے، اس کی عبادت کرنے اور دنیا میں شریف و مہذّب انسانوں کی طرح رہنے کا سبق دینے کے لئے پیغمبر بھیجے اور انھوں نے انسانیت کو صحیح راستہ پر لگایا، پھر ان کے بعد ان کے جانشین، ان کے پیغام کے امین اور انسانیت کے بہی خواہ پیدا ہوتے رہے، جو خدا شناسی اور انسان دوستی کا سبق دیتے رہے، فتنہ و فساد، خانہ جنگی اور تخریبی عمل کی مذمّت کرتے رہے، اور اس کو روکتے رہے، ہر ملک اور ہر دور میں انسانیت کے معلّم و مُصلح پیدا ہوتے رہے، ہمارے اس ملک ہندوستان میں خاص طور پر روحانی پیشوا، معلّمینِ اخلاق، خداشناس اور انسان دوست ہستیاں کثرت سے باہر سے بھی آئیں اور یہاں بھی پیدا ہوئیں جن کے نام تاریخ میں روشن ہیں، اس ملک میں اس اصلاحی، اخلاقی، اور روحانی جدّوجہد اور قربانیوں، اور کوششوں کے بعد آسانی کے ساتھ فساد پر آمادہ ہو جانا اور اُن کی کوششوں پر پانی پھیر دینے کی کوشش کرنا بڑی ناشکری و ناقدری اور بڑے خطرہ کی بات ہے۔

اسی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے فساد و افساد کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ کی غیرت و رحمت دونوں جوش میں آجاتی ہیں، غیرت مالکِ کون و مکان کی حیثیت سے، اور رحمت خالقِ انسان کی حیثیت سے، آپ اگر کسی مکان

اور اس مکان کے رہنے والے کسی کنبہ و خاندان پر دست درازی کریں یا اُس مکان کو نقصان پہونچانے اور وہاں کے رہنے والوں کو پریشان کرنے کی کوشش کریں تو اس مکان کے مالک کو پہلے مالکِ مکان کی حیثیت سے غیرت آئے گی کہ آپ نے اس کی ملکیت پر دست درازی کی اور اس مکان کو لاوارث سمجھ لیا، اسی کے ساتھ اس مکان کے مکینوں کے بارے میں جن کو اس نے بسایا ہے، اس کی رحمت کو جوش آئے گا کہ وہ کمزور و بے دست و پا ہیں، اور ان کے پاس حفاظت کے وسائل نہیں ہیں، پھر ان فرقہ وارانہ فسادات، ظلم و سفّاکی اور تخریبی کارروائیوں پر (جو اب اس ملک میں جلد جلد اور جا بجا ہونے لگی ہیں) خدا کو غصہ اور رحم کیوں نہ آئے گا، جو مالک کون و مکان بھی ہے، اور خالق بنی نوع انسان بھی؟

میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ کا یہ شہر اپنے حسن و جمال سرسبزی و شادابی اور موسم کی خوشگواری کے لئے مشہور ہے، اور (GARDEN CITY) کہلاتا ہے، مجھے معلوم نہیں یہاں کوئی (ZOO) ہے یا نہیں؟ (لکھنؤ میں تو ہے) اگر ہے تو اس سے یا کہیں باہر سے دو خونخوار شیر یا دو ظالم بھیڑیئے آجائیں اور بچوں، بوڑھوں اور جوانوں پر بھی حملے شروع کردیں تو آپ برداشت کریں گے؟ اور کیا ان کو آزادی کے ساتھ اپنا کام کرنے دیں گے؟ صاف سُن لیجئے یہ دو خونخوار جانور تشدّد (VIOLENCE) اور رشوت خوری و بدانتظامی (CORRUPTION) کی شکل میں موجود ہیں، اور آپ سب نے ان کو آزاد چھوڑ دیا ہے، یہ کسی طرح ان خونخوار شیروں اور بھیڑیوں سے

www.abulhasanalinadwi.org

کم نہیں ہیں، یہ وہاں بھی پہونچ سکتے ہیں اور پہونچ چکے ہیں، جہاں شیر اور بھیڑیئے نہیں پہونچ سکتے، کوئی بستی اور کوئی محکمہ اُن سے محفوظ نہیں۔

اگر آپ اس ملک کو اور خود اپنے آپ کو تباہی سے بچانا چاہتے ہیں تو آپ ان دو خطرناک دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جائیں، اس ملک کو برباد کرنے والے یہ دو ہی دشمن ہیں، ایک رشوت خوری، دولت کی حد سے بڑھی ہوئی لالچ، دوسرے تشدد، ان دونوں دشمنوں کی جڑیں ایسی مضبوط ہو چکی ہیں کہ ملک ان کی گرفت میں آچکا ہے، اور کھوکھلا بنتا جا رہا ہے، تحریک "پیام انسانیت" اسی لئے وجود میں لائی گئی ہے کہ برادرانِ اسلام اور برادرانِ وطن کو جوڑ کر ایک ہی پلیٹ فارم پر لایا جائے، ان کے درمیان دوستی و محبت کے بیج بوئے جائیں، اور آپس کی نفرت اور کدورت کو دور کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے، اس سمت میں ہمیں ہر جگہ کامیابی کے امکانات نظر آرہے ہیں، اور ہر کوئی ہماری آہ کو اور ہماری کراہ کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہے، یہ مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے کہ اس ملک کو اور اس کے رہنے والوں کو بچانے کے لئے برادرانِ وطن سے تعلقات بڑھائیں، آپس میں میل ملاپ کی فضا پیدا کریں، اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں، اور ابنائے وطن کو نیک مشورہ دینے اور ملک کو بچانے کی ذمہ داری قبول کریں، خدا آپ کی مدد کرے گا، اور اس ملک کی اور یہاں بسنے والے تمام انسانوں کی حفاظت فرمائے گا۔

www.abulhasanalinadwi.org

یہ بھی یاد رکھئے کہ تشدد کسی ایک فرقہ یا طبقہ کے ساتھ مخصوص نہیں رہتا، اس کو اپنے عمل کے لئے کوئی دوسرا فرقہ نہیں ملتا تو وہ اپنے فرقہ اور طبقہ ہی میں اپنا میدان تلاش کر لیتا ہے اور اپنی غذا مہیا کر لیتا ہے، آگ کو جب کوئی غذا نہیں ملتی تو وہ خود کو کھانے لگتی ہے۔

تشدد کا رجحان جو اس ملک میں فرقہ وارانہ و مذہبی بنیاد پر پیدا ہو گیا ہے یہ کسی حد پر جا کر رکنے والا نہیں، یہ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا، اور طبقوں، برادریوں، ذاتوں اور پڑوسیوں کو اپنا شکار بنائے گا، اور یہ ملک کے لئے تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ہے"۔

۱۳ر جون کو بخیر و عافیت براہ دہلی ہوائی جہاز سے لکھنؤ واپسی ہو گئی، والحمد للہ اولاً و آخراً۔

اجلاس سے فارغ ہو کر شیخ محمد المحروس المدرس ایک دن کے لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء آئے، ان کے اعزاز و استقبال میں ایک اچھا جلسہ عباسیہ ہال میں، اور ان کے اعزاز میں ایک دعوت النادی العربی کی طرف سے ہوئی، وہ بہت مانوس و مسرور نظر آئے، اور دارالعلوم کے اغراض و مقاصد، افکار و طریق کار سے اپنی مناسبت کا اظہار کیا۔

لکھنؤ میں فرقہ وارانہ اتحاد و اعتماد اور صلح و آشتی کی تحریک کا ایک اہم اجتماع

دہلی میں ۷ر مارچ ۱۹۹۰ء کو "پیام انسانیت" کے تاریخی اجلاس کے انعقاد اور اس کی کامیابی سے اس تحریک کی ضرورت و اہمیت بہت زیادہ واضح اور

www.abulhasanalinadwi.org

دل نشین ہوئی، اور اس کی ضرورت محسوس ہوئی، کہ اس مقصد کے حصول اور اس کے لئے موافق فضا پیدا کرنے کے لئے ایک مستقل تنظیم قائم ہونا ضروری ہے، جو اس کے لئے جدوجہد کرتی رہے، اس مقصد سے اتفاق کرنے والوں سے رابطہ رکھے، اور مختلف مرکزی مقامات پر وقتاً فوقتاً اجتماعات اور مجالس مذاکرہ منعقد کرتی رہے، دہلی کے جلسہ کو کامیاب بنانے میں ہمارے جن رفقاء (قاضی عبدالحمید صاحب اندوری، انیس چشتی صاحب (پونہ) اور ادیب صاحب لکھنوی) کی مساعی کو خاص دخل تھا، انھوں نے جلسہ کے داعیوں اور تحریک کے ہمدردوں سے رابطہ قائم رکھا، جن میں محترم بشمبھر ناتھ پانڈے جی (سابق گورنر اڑیسہ و حال ممبر راجیہ سبھا) اور سریندر موہن جی (جنتا دل) اور اُپیندر ناتھ بنرجی خاص طور پر قابل ذکر ہیں؛ ان میں بھی خصوصی طور پر بشمبھر ناتھ پانڈے جی (جو امتیازی طور پر کھلے دماغ کے انسان اور وسیع النظر اور انصاف پسند مؤرخ بھی ہیں) کے دل کو یہ بات لگ گئی اور ان پر طاری ہوگئی، وہ ملک اور ملک کے مستقبل کے مفاد میں اس کام کو ضروری اور ناگزیر سمجھنے لگے، اس غور و فکر اور مشورہ کے نتیجہ میں ایک کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی جس کا نام (FORUM FOR COMMUNAL UNDERSTANDING AND SYNTHESIS) (فرقہ وارانہ مفاہمت و ہم آہنگی کا فورم) رکھا گیا، اس کو مختصراً (FOCUS) کہا جانے لگا، اس کے بانیوں اور ارکان نے اس کا ایک بڑا جلسہ ۲ جولائی ۱۹۹۰ء کو منعقد کرنے کا فیصلہ کیا، اور ادیب صاحب نے جو خود لکھنؤ کے ہیں اور سرگرم و فعّال بھی ہیں لکھنؤ آکر اس کے لئے فضا ہموار کرنے کی کوشش شروع کردی۔

مجھے بنگلور کے سفر سے واپسی پر جب معلوم ہوا کہ ۲ جولائی کو گنّا سنستھان

کے آڈیٹوریم میں جلسہ کے انعقاد کا فیصلہ کر لیا گیا ہے، اور اس کے انتظامات شروع کر دیئے گئے ہیں، تو میں نے ضروری سمجھا کہ ہمارے وہ رفقاء اور کارکن جو اس تحریک کے مزاج کو سمجھتے ہیں، اور اس کی نزاکتوں سے واقف ہیں، لکھنؤ میں موجود ہوں اور اس تحریک اور کوشش کو (جو بہت آسانی کے ساتھ کسی غلط اور غیر ضروری رُخ "وحدتِ ادیان" یا ایسی مفاہمت اور دعوت کا رنگ اختیار کر سکتی ہے، جو ایک مذہبی انسان خاص طور پر مسلمان کے لئے قابل قبول نہیں) غلط رُخ پر پڑنے سے محفوظ رکھ سکیں، اس لئے کہ پھر اس کی نسبت "پیامِ انسانیت" کی تحریک اور اس کے اوّلین داعیوں کی طرف کی جائے گی، جن کا ذہن اس بارے میں خدا کی توفیق اور فضل سے پہلے دن سے صاف ہے، اور وہ اس کو دورِ اکبری کی کسی کوشش اور دعوت کے بجائے احترامِ انسانیت، سچّی حبّ الوطنی، اور "بقائے باہم" (CO-EXISTENCE) کے حدود میں رکھنا چاہتے ہیں، وقت کی کمی کے باوجود میری اطلاع پر مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب ناگپور سے، قاضی عبدالحمید صاحب اندور سے اور انیس چشتی صاحب پونہ سے آگئے، خاص طور پر قاضی عبدالحمید صاحب اور انیس چشتی صاحب نے جو پہلے پہونچ گئے تھے، داعیوں اور منتظموں سے رابطہ قائم کیا اور جلسہ کے پیغام اور تحریک کے مزاج و انداز کو محفوظ اور محتاط رکھنے کے لئے پیش بندیاں کیں، میں رائے بریلی سے ایک ہی روز پہلے یکم جولائی کو لکھنؤ آیا، معلوم ہوا کہ جلسہ کے انتظامات وسیع پیمانہ پر اور فراخ دلی و وسیع النظری کے ساتھ کئے گئے ہیں، پانڈے جی صدارت کریں گے، یوپی کے چیف منسٹر شری ملائم سنگھ یادو، کانگریس کے سکریٹری جعفر شریف صاحب اور متعدد ریاستی و مرکزی وزراء اور پارلیمنٹ و اسمبلی کے ممبران شرکت کریں گے، لنچ کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

۲ر جولائی کو ۹½ بجے کے قریب جب میں اپنے رفقاء کے ساتھ گنّا سنستھان آڈیٹوریم میں پہونچا تو حاضرین کی تعداد بہت کم معلوم ہوئی، اور قدرے مایوسی اور پریشانی کا احساس ہوا، لیکن تھوڑی ہی دیر میں دیکھتے دیکھتے لوگوں کی آمد شروع ہوئی' اور آڈیٹوریم کا وسیع اور شاندار ہال کھچا کھچ بھر گیا، وزیر اعلیٰ اپنے رفقاء کے ساتھ تشریف لائے' اور دوسرے مندوبین و معزّزین بھی آنے گئے اور بیٹھنے گئے، ڈائس پر حسب ذیل اصحاب تھے۔

شری داؤجی گپتا میئر لکھنؤ کارپوریشن، سر نیدر موہن (جنتا دل لیڈر) اجیت سنگھ وزیر مرکزی برائے صنعت، بی، این پانڈے صدر اجلاس، راقم سطور، شری ملائم سنگھ یادو وزیر اعلیٰ اترپردیش، زیدؔ احمد سی، پی، آئی، اروِن کمار سنگھ ڈپٹی لیڈر اسمبلی اپوزیشن پارٹی۔

پہلے ادیب صاحب نے مہمانوں کا استقبال کیا، پھر شری ملائم سنگھ یادو نے تقریر کی' جس میں بڑی صاف گوئی اور جرءت سے کام لیا گیا، انھوں نے کہا کہ ہندوستان فرقہ وارانہ ہم آہنگی سے مالا مال رہا ہے' اور اس ورثہ کا ہر قیمت پر تحفّظ کیا جانا چاہیئے، انھوں نے کہا کہ اب بارہ بنکی، ملیانہ، میرٹھ جیسے واقعات نہیں ہوں گے' اقلیتوں کے دلوں میں تحفّظ کا احساس پیدا کرنا ہوگا، اکثریت کا فرض ہے کہ وہ اقلیتوں کا تحفّظ کرے' ان کی حکومت قانون شکنی کرنے والوں کو بخشنے گی نہیں، بابری مسجد کو توڑنے کی کسی بھی حال میں اجازت نہیں دی جائے گی، انھوں نے تنازعہ کے لئے سابق حکومت کو ذمّہ دار ٹھہرایا۔

مرکزی وزیر مسٹر اجیت سنگھ نے کہا کہ اس تنازعہ میں بے دلی سے کی گئی کوششوں

www.abulhasanalinadwi.org

سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، اس موقعہ پر یک جہتی، حکمتِ عملی اختیار کرنی پڑے گی، انھوں نے مسٹر ملائم سنگھ یادو کے اقدامات کی تعریف کی، جنھوں نے کہا ہے کہ اگر مسجد کو توڑنے کی کوشش کی گئی تو سخت اقدامات کئے جائیں گے۔

مسٹر جعفر شریف کانگریس، ارون کمار سنگھ، شری زیڈ احمد، سرینیدر موہن اور متعدد اصحاب نے تقریر کی، شری پانڈے جی صدر اجلاس نے حسب معمول طاقتور اور پُر خلوص تقریر کی جس میں تاریخی اشارات اور اُن کے مطالعہ کے اثرات بھی تھے، کہیں کہیں پس منظر میں وحدتِ ادیان کا وہ سایہ بھی تھا جس سے صُلح جُو، اتحاد پسند غیر مسلم ذہن مشکل سے آزاد ہوتے پاتا ہے، مقررین میں فیض آباد سے منتخب ہونے والے اسمبلی کے دو ہندو ممبران کی بھی تقریریں بہت صاف اور طاقتور ہوئیں، جن میں انھوں نے صفائی سے کہا کہ بابری مسجد اور رام جنم بھومی کا تنازعہ باہر کے لوگوں کا اٹھایا ہوا ہے، اودھ کی مسلم سلطنت کے زمانہ میں بھی مہاراشٹر کی طرف سے ایک ایسی ہی کوشش کی گئی تھی جس کو فیض آباد کی ہندو مسلم آبادی نے ناکام بنا دیا تھا، اب بھی ایسے ہی کیا جائے گا۔

راقم کی تقریر کی نوبت آئی جس کا اعلان صدر اجلاس شری پانڈے جی نے کیا، اور امید ظاہر کی کہ ۲۵ منٹ سے زیادہ وقت نہیں لیا جائے گا، راقم نے ہدایت کی پابندی کرتے ہوئے، اپنی تقریر اس سے کم وقت میں ختم کر دی، یہاں تقریر کا متن پیش کیا جاتا ہے، جو کیسٹ سے نقل کیا گیا ہے:-

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحمت والا ہے

www.abulhasanalinadwi.org

جناب صدر اجلاس اور معزز حاضرین! مختلف مجلسوں میں شریک ہونے والے ایک آدمی کی حیثیت سے میرا تجربہ ہے کہ جس جلسہ میں بڑی تعداد میں ممتاز اور معزز حضرات شریک ہوں، ان کا علیحدہ علیحدہ نام لے کر ان کا استقبال کرنا اور خطاب کرنا ایک خطرناک کام ہے، اگر ایک نام بھی چھوٹ گیا تو شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے، اس لئے میں سب حضرات اور سامعین کو اجتماعی طور پر خطاب کر کے کہتا ہوں کہ اس جلسہ کو دیکھ کر میرا دل امید سے لبریز ہے، میں صاف کہتا ہوں کہ جب اتنے اہم اور معزز حضرات اس درد کو محسوس کریں اور اس کے ساتھ اتنی دلچسپی کا اظہار کریں، تو اس ملک کے متعلق مایوسی کی کوئی وجہ اور اس کے بارے میں کوئی بری پیشین گوئی نہیں کی جا سکتی۔

حضرات! غلطی سب سے ہوتی ہے، انسان ہی غلطی کرتا ہے، پتھر غلطی نہیں کرتا، درخت غلطی نہیں کرتا، بیمار بھی ہوتا ہے تو انسان ہی بیمار ہوتا ہے، پتھر بیمار نہیں ہوتا، غلطی کرنا اور بیمار ہونا کوئی خلاف فطرت بات نہیں، قوموں، ملکوں اور حکومتوں اور معاشروں کی تاریخ غلطی کی نظیروں سے بھری ہوئی ہے لیکن جو چیز خطرناک ہے وہ یہ کہ غلطی کو غلطی مانا نہ جائے، غلطی کو محسوس نہ کیا جائے، پھر اس کے بعد دوسرا درجہ یہ ہے کہ پھر اس کو ہمت کر کے غلطی بتایا نہ جائے، اب امید بنتی ہے اور آس پیدا ہوتی ہے کہ ہم آپ سب غلطی کو غلطی سمجھ رہے ہیں، کس کی غلطی؟ میں کسی جماعت کسی فریق کا نام نہیں لوں گا، ہم کسی کا نام

www.abulhasanalinadwi.org

نہیں لیتے لیکن کہتے ہیں کہ غلطی ہوئی، دنیا کے مذاہب ـــــ سب سے افضل مرتبہ مذہبوں کا ہے ـــــ اس کے بعد تہذیبیں، کلچر، ملک اور سماج یہ سب کے سب اسی طرح بچے ہیں کہ غلطی کو غلطی کہنے والے لوگ وقت پر پیدا ہو گئے، میری اس بات پر بھی آپ دھیان رکھیں کہ وقت پر پیدا ہونا بھی ضروری ہے، وقت گذر جانے کے بعد تنقید و اعتراف کرنے سے کچھ زیادہ فائدہ نہیں ہوتا۔

حضرات! میرے پاس وقت کم ہے، مجھے اس بارے میں معاف کیا جائے کہ میں تاریخ کا ایک طالب علم ہوں، میرا ذہن ماضی کی طرف جاتا ہے، اور پیچھے کی طرف لوٹتا ہے، وہ تاریخ کے گذرے ہوئے منظروں کو اپنے سامنے لاتا ہے، مجھے وہ دن یاد آرہا ہے کہ ۷ / نومبر ۱۹۴۶ء کی تاریخ ہے اور دہلی میں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں مرحوم (سابق صدر جمہوریہ ہند) جو اس وقت جامعہ ملیہ کے وائس چانسلر (شیخ الجامعہ) تھے، کی دعوت پر جامعہ کی سلور جبلی منائی جارہی تھی، ان کی دعوت پر ہندوستان کے دارالحکومت دہلی میں میں اپنے تاریخی مطالعہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ ایک ایسا چیدہ اور چنیدہ مجمع ڈائس پر نظر آرہا تھا، جو میرے علم میں نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد دیکھنے میں آیا، .... میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ سامنے ایک طرف پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد، شری راج گوپال اچاریہ جی بیٹھے ہوئے ہیں، دوسری طرف مسٹر جناح، نواب زادہ لیاقت علی خاں اور سردار عبدالرب نشتر بیٹھے ہوئے ہیں،

www.abulhasanalinadwi.org

اُن کے پیچھے ڈائس پر ہندوستان کے مشہور زریں فضلاء، مصنفین و مفکرین اور ادیب داخلِ قلم تشریف فرما ہیں، جن میں علامہ سید سلیمان ندوی، سر شیخ عبد القادر مدیر "مخزن لاہور"، محمد اسد صاحب (سابق لیوپولڈ ویس) بابائے اُردو ڈاکٹر عبد الحق، مشہور شاعر حفیظ جالندھری (اور مسلمان علماء اور زعماء میں سے) مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند، اور متعدد عظیم رہنما اور تحریک آزادی کے مجاہدین موجود ہیں۔

یہ عظیم اور وسیع مجمع سامنے بیٹھا ہوا تھا، اور حالت یہ تھی کہ دہلی میں (فرقہ وارانہ فسادات کے سلسلہ میں) چھرے زنی اور چاقو بازی کی وارداتیں ہو رہی تھیں ہم لوگ جو باہر سے مہمان کی حیثیت سے آئے تھے (میں بھی خوش نصیبی سے ان میں شامل تھا) ہم لوگ پولیس اور والنٹروں کی حفاظت و معیت میں اپنی قیام گاہ تک پہونچائے گئے تھے، ڈاکٹر ذاکر حسین خاں مرحوم نے اس وقت اس منتخب اور قابلِ احترام مجمع کو خطاب کر کے جو کچھ کہا تھا، میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بہتر اور اس سے زیادہ مؤثر اور ادبی انداز میں کہنا مشکل ہے، مجھے صدر صاحب اجازت دیں کہ میں ان کے خطبہ کا ایک اقتباس (QUOTATION) آپ حضرات کو سنا دوں، معلوم ہوتا ہے کہ بالکل اس موجودہ صورت حال کی عکاسی ہے:

"آپ سب صاحبان آسمانِ سیاست کے تارے ہیں، لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں آدمیوں کے دل میں آپ کے لئے جگہ ہے، آپ کے یہاں کی

موجودگی سے فائدہ اٹھا کر میں تعلیمی کام کرنے والوں کی طرف سے بڑے ہی دکھ کے ساتھ چند لفظ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

آج ملک میں باہمی منافرت کی آگ جو بھڑک رہی ہے، اس میں ہمارا چمن بندی کا کام دیوانہ پن معلوم ہوتا ہے، یہ شرافت اور انسانیت کی سرزمین کو جھلسے دیتی ہے، اس میں نیک اور متوازن شخصیتوں کے تازہ پھول کیسے پیدا ہوں گے، جو انوں سے بھی پست تر سطح اخلاق پر ہم انسانی اخلاق کو کیسے سنوار سکیں گے؟ اس کے لئے خدمت گذار کیسے پیدا کر سکیں گے؟ جانوروں کی دنیا میں انسانیت کو کیسے سنبھال سکیں گے؟ یہ لفظ شاید کچھ سخت معلوم ہوتے ہوں لیکن اُن حالات کے لئے جو روز بروز ہمارے چاروں طرف پھیل رہے ہیں اس سے سخت لفظ بھی بہت نرم ہوتے، ہم جو اپنے کام کے تقاضوں سے بچوں کا احترام کرنا سیکھتے ہیں، ان کو کیا بتائیں کہ ہم پر کیا گذرتی ہے، جب ہم سنتے ہیں کہ بہیمیت کے اس بُحران میں معصوم بچے بھی محفوظ نہیں ہیں، شاعر ہندی نے کہا تھا کہ :-

"ہر بچہ جو دنیا میں آتا ہے، اپنے ساتھ یہ پیام لاتا ہے کہ خدا ابھی انسان سے پوری طرح مایوس نہیں ہوا" مگر کیا ہمارے دیس کا انسان اپنے سے اتنا مایوس ہو چکا ہے کہ ان معصوم کلیوں کو بھی کھلنے سے پہلے ہی مسل دینا چاہتا ہے؟ خدا کے لئے سر جوڑ کر بیٹھئے اور اس آگ کو بجھائیے، یہ وقت اس تحقیق کا نہیں کہ آگ کس نے لگائی؟ کیسے لگی؟ آگ لگی ہوئی ہے، اُسے بجھائیے، یہ مسئلہ اِس قوم اور اُس قوم کے زندہ رہنے کا نہیں،

www.abulhasanalinadwi.org

تہذیب، انسانی زندگی، اور وحشیانہ زندگی میں انتخاب کا ہے، خدا کے لئے اس ملک میں مہذّب زندگی کی بنیادوں کو یوں کھُدنے نہ دیجئے![1]

حضرات! میں محسوس کررہا ہوں، گویا یہ بات آج کہی جارہی ہے، اور اس سے بہتر انداز میں کہنی مشکل ہے، اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ آپ اس ملک کو سنبھالئے، اس ملک میں شریفانہ زندگی گذارنے، اس ملک کے باصلاحیت باشندوں کو اپنی ذہانتوں کے اظہار، اور اس سے بڑھ کر اپنے خلوص، اپنی خدا ترسی، انسانیت دوستی اور شرافت و اخلاق نمایاں کرنے کا موقعہ دیجئے، اس ملک میں خدا کے فضل سے سب کچھ موجود ہے، میں نے نہ صرف ہندوستان کی بلکہ باہر کی تاریخ بھی پڑھی ہے اس کی روشنی میں کہتا ہوں کہ کوئی ایسی نعمت و دولت نہیں ہے، جو اس ملک میں نہ ہو، یا کسی نہ کسی راستہ سے یہاں نہ آئی ہو، یہاں کی سرزمین اور فضا نے اس کو ترقی دینے، اس کی قدر کرنے، اور اس کو آگے بڑھانے کی صلاحیت کا اظہار کیا؛ آپ اس ملک کو سنبھالئے اور خدا کی اس نعمت کی قدر کیجئے، میں یہاں تک کہوں گا کہ اس ملک کو دنیا کی اخلاقی (MORAL) قیادت کرنی چاہیئے دنیا کی بڑی طاقتوں اور بڑے ممالک نے اپنے کو اس قابل نہیں رکھا کہ وہ دنیا کی قیادت

---

[1] ماخوذ از خطبہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں مرحوم بتقریب سلور جبلی جامعہ ملیہ ـ ۱۷ر نومبر ۱۹۴۶ء

بعض دیکھنے والوں نے بتایا کہ اس خطبہ کے پڑھنے کے وقت مولانا آزاد اور صفِ اول میں بیٹھے ہوئے بعض معزّز رہنماؤں کے آنکھوں میں آنسو دیکھے گئے۔

www.abulhasanalinadwi.org

کرسکیں، بلکہ ایک حقیقت پسند انسان یہ دیکھتا ہے کہ ایشیاء کے ان ملکوں میں ان بڑی مغربی طاقتوں کی وجہ سے خرابی پیدا ہو رہی ہے، وہ کسی صالح، کسی لائق قیادت کو، کسی اچھی لیڈر شپ کو ابھرنے نہیں دیتے، اور اگر وہ قیادت وہاں پیدا ہو جاتی ہے، تو اس کو زیادہ دنوں تک باقی رہنے کا موقعہ نہیں دیتے، وہ وہاں کی سیاست میں دخل دیتے ہیں، وہاں کی اقتصادیات و اخلاقیات میں دخل دیتے ہیں، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ آج دنیا میں وہ تخت خالی ہے جس پر ایک بڑا ملک بیٹھے، اور دنیا کو اخلاق، سچی خدا ترسی (محض اس کے نام پر فائدہ اٹھانے اور مخلوق پر دست درازی اور فائدہ اٹھانے کے لئے نہیں) بلکہ خدا سے صحیح طور پر ڈرکر، اور خدا کی محبت میں (جو خالقِ کائنات اور خالق نوع بنی انسان ہے) بلا اختلاف رنگ و نسل انسانوں کو سینہ سے لگائے اور ان سے محبت اور ان کی خدمت کرے۔

آج یہ تخت خالی ہے، روس نے ـــــ مجھے معاف کیا جائے ـــــ اس بارے میں اپنی نااہلی ثابت کر دی، وہ فیل ہو گیا، امریکہ فیل ہو رہا ہے، برطانیہ فیل ہو چکا، یورپ کی دوسری بڑی طاقتیں سب فیل ہو گئیں، جب کوئی قوم کوئی ملک اپنے خلوص و بے غرضی، اپنی صلاحیت و اہلیت، اور اپنی خدا ترسی، اور انسانیت دوستی کا ثبوت دے دیتا ہے تو اس کے لئے جنگ کی ضرورت نہیں ہوتی، اس کے لئے بڑے پروپیگنڈے کی ضرورت نہیں، اس کے لئے حقائق (FACTS) اور خلوص و صداقت کی ضرورت ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

اخلاقیات، انسان دوستی، اور محبت اور خلوص اور روحانیت اس ملک کی روایات میں ہیں، اور اس نے تاریخ کے مختلف دوروں میں یہ سوغات باہر بھی بھیجی ہے، اور اب بھی بھیج سکتا ہے، میں اپنے مسلمان بھائیوں سے خاص طور پر کہوں گا، کہ اُن کی اس سلسلہ میں خاص طور پر بڑی ذمہ داری ہے، قیامت کے روز اُن سے پوچھا جائے گا کہ دنیا لڑ رہی تھی، برباد ہو رہی تھی، انسانیت مسلی اور پاؤں کے نیچے روندی جا رہی تھی، اخلاقیات کا خون کیا جا رہا تھا، عصمتیں برباد تھیں، عزتیں پامال تھیں، اور انسان کا خون سب سے زیادہ سستا ہو چکا تھا، تم بیٹھے کیا کر رہے تھے، تمہارا فرض تھا، تم اس صورت حال کو بدلنے کی کوشش کرتے، تمھاری یہ ذمہ داری صرف ہندوستان ہی میں نہیں، ساری دنیا میں تھی، ڈاکٹر اقبالؔ نے اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ؎

ہے حقیقت جس کے دین کی احتساب کائنات

حضرات! میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ میں پیام انسانیت کا (CREDIT) خود نہیں لیتا، اس کا سہرا میرے سر بندھا ہوا نہیں ہے، میری صلاحیتیں، میرا تجربہ، میرے مشاغل، میرا ذوق، اور میری صحت کوئی چیز بھی اس کی متحمل نہیں تھی، لیکن دل میں ایک خلش تھی، جس نے مجھے اس پر آمادہ کیا، بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آگ لگتی ہے، اور آگ بجھانے والے بھی ہوتے ہیں، لیکن اُن کو آواز دینے والا کوئی نہیں ہوتا، اس وقت ایک بچہ بھی کھڑے ہو کر آواز لگائے کہ آگ لگی ہے، آگ لگی ہے، اس وقت

www.abulhasanalinadwi.org

یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کس عمر کے آدمی نے آواز لگائی، کسی قابل آدمی نے آواز لگائی ہے، یا ناقابل اور غیر تعلیم یافتہ آدمی نے، جب آگ لگی ہو، اور گاؤں، اور بستی جل رہی ہو تو پھر جو بول سکتا ہے اس کو بولنا چاہیے جو دوڑ سکتا ہے اس کو دوڑنا چاہیے، جو دُہائی دے سکتا ہے اس کو دُہائی دینا چاہیے، اس احساس فرض نے مجھے مجبور کیا کہ اتنے بڑے ملک میں اور اتنے بڑے بڑے لوگوں کی موجودگی میں یہ آواز لگاؤں، مجھے اس پر فخر نہیں کہ میں نے یہ آواز لگائی، اور میں یہ دعویٰ بھی نہیں کرتا کہ سب سے پہلے میں نے ہی آواز لگائی، آواز برابر لگائی جاتی رہی ہے، یہ ہمارے ملک کی ناقدری اس کی تاریخ سے ناآشنائی ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ آواز پہلی مرتبہ لگائی گئی ہے، میں نہیں سمجھتا کہ کوئی صدی خالی گئی ہو کہ جب یہاں ایسے جرأت مند انسان موجود نہ ہوں جنھوں نے آواز لگائی، میں آپ کے سامنے صاف اقرار کرتا ہوں، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میری یہ نحیف آواز اتنے بڑے آدمیوں کو اور اتنے پڑھے لکھے اشخاص کو جمع کرے گی، یہ اس ملک کی صلاحیت اور زندہ دلی کی دلیل ہے۔

میں اپنے صوبہ کے وزیر اعلیٰ شری ملائم سنگھ یادو کو اس بات کی داد دوں گا، کہ انھوں نے ایک ایسے زمانہ میں جب صرف سیاسی مقاصد، سیاسی زبان، اور سیاسی انداز ہر طرف رائج ہے، انھوں نے ایک اصولی اخلاقی آواز بلند کی، اور کہا کہ ہم قانون کو اس طرح پامال ہوتے نہیں دیکھ سکتے؛ اگر قانون کھیل بن گیا، اگر عدالت کے فیصلے کھیل بن گئے، اگر امن عام

www.abulhasanalinadwi.org

بچوں کا مذاق بن گیا، تو اس ملک میں نہ پڑھا جا سکتا ہے اور نہ لکھا جا سکتا ہے، نہ انسانیت کی خدمت ہو سکتی ہے، نہ علم و ادب کی، اور یہ تو بڑی چیزیں ہیں گھر میں آرام سے آدمی بیٹھ بھی نہیں سکتا، میں ان کو داد دوں گا کہ انھوں نے اصول و اخلاق کی آواز لگائی، میں ان سے کہوں گا کہ وہ اس پر مضبوطی سے قائم رہیں، اس راہ میں بڑے بڑے امتحان آتے ہیں، اصول و اخلاق کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، یہ سودا اتنا سستا نہیں ہے اگر انھوں نے اس پر ثابت قدمی دکھائی تو تاریخ میں اُن کا نام ہوگا، امید ہے کہ وہ عبادت گاہوں کے معاملہ میں یہ کھیل نہیں ہونے دیں گے کہ آج اس مسجد کے معاملہ میں، کل اُس مندر کے معاملہ میں تاریخ کو جگایا جا رہا ہے، اور ہزار دو ہزار سال پہلے قافلہ جہاں سے چلا تھا، پھر قافلہ کو وہاں سے سفر کرنے پر آمادہ کیا جا رہا ہے، اگر یہ کام ہندوستان میں شروع ہو گیا تو سارے تعمیری اور ملک کو ترقی دینے والے کام بند ہو جائیں گے، اس لئے میں نے جیسے پہلے کہا تھا، آج پھر کہتا ہوں تاریخ ایک سویا ہوا شیر ہے اس کو جگانا نہیں چاہئے، آپ اس کے پاس سے نکل جائیے اس کو سوتا چھوڑ دیجئے، اگر آپ نے اس کو جگا دیا تو پھر اس غلطی کی قیمت ادا کرنی پڑے گی، تاریخ کو پچھلے دور میں واپس لے جانا اور وہاں سے سفر شروع کرنا، جب ہندوستان میں باہر سے نسلیں آرہی تھیں، تہذیبیں اور مذاہب آرہے تھے تو ہم کوئی کام جو اس ملک کے کام آسکتا ہے، نہیں کر سکتے۔

میں آپ کی اس توجہ، سماعت اور احترام و محبّت کا شکر گذار ہوں،

www.abulhasanalinadwi.org

اور خدا سے دعا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ فرقہ وارانہ مفاہمت اور بقائے باہم کے شریفانہ اصول کے لئے جو قدم اٹھایا گیا ہے اور جو کوشش شروع کی گئی ہے، وہ بارآور، نتیجہ خیز، وسیع و وقیع ہو۔

اجلاس نے فرقہ وارانہ میل جول، باہمی ربط و ضبط کے مضمون کا ریزولیشن بھی پاس کیا، اور جلسہ ۴ بجے شام کو بحسن وخوبی ختم ہوا، درمیان میں ظہر کی نماز بھی پڑھی گئی اور لنچ بھی کھایا گیا، اور لوگ اچھے تأثرات لے کر واپس ہوئے، غالباً فرقہ وارانہ عناد و تصادم اور فسادات و بدامنی کے خلاف اتنے صاف الفاظ اور بلند آواز سے اس سے پہلے لوگوں نے اکثریت کے ممتاز نمائندوں اور رہنماؤں کی زبان سے نہیں یا بہت کم سنا ہوگا، اور یہ اس جلسہ کی بڑی کامیابی ہے کہ اس نے اُن کی زبان سے ایسے صاف اعلانات کرنے اور اظہار جذبات کا موقعہ دیا؟"

روس کا عظیم انقلاب

اس صدی کے عظیم ترین واقعات اور عظیم ترین انقلابات میں روس کا (جو اشتمالیت "کمیونزم" کا داعیِ اول اور اس کے نظام کی سب سے بڑی تجربہ گاہ اور مظہرِ کامل تھا) نظریاتی و اصولی اور پھر عملی و تطبیقی انقلاب ہے، جو اسی سال ۱۹۹۰ء میں اب سے چند مہینے پہلے میخائل گورباچوف کے برسر اقتدار آنے اور کمیونسٹ پارٹی کی قیادت اور ملک کے نظم و نسق کو اپنے ہاتھ میں لینے سے عمل میں آیا، یہ ایک ایسا بعید الوقوع اور بعید از قیاس واقعہ ہے جس کی ماضی قریب میں پیشین گوئی کرنی مشکل تھی،

www.abulhasanalinadwi.org

یہ معلوم ہوتا تھا کہ اگر قیامِ قیامت تک نہیں تو زمانۂ دراز تک ضرور روس اپنے اشتراکی نظام پر مستحکم عقیدہ رکھنے والا، اس کا پُرجوش داعی و مبلغ اور اس کی ایک کامیاب و مثالی تجربہ گاہ رہے گا، اور یورپ کے جو ملک اس نظام کو قبول کر چکے ہیں، اور اس کے پرچم کے نیچے آچکے ہیں، اُن کے مستقبل کا بھی فیصلہ ہوچکا ہے اور ان کی قسمت پر مُہر لگ چکی ہے۔

لیکن اچانک روس کی قیادت میں تبدیلی آئی جو محض انتظامی و سیاسی نہ تھی، فکری و اصولی بھی تھی، گوربا چوف نے برسر اقتدار آتے ہی قدیم اشتراکی نظام سے اختلاف اور انحراف کا مظاہرہ کیا، اور کبھی دبی زبان سے اور کبھی صاف لفظوں میں اس کا اظہار کیا کہ مارکسی نظام ناکام ثابت ہوا ہے اور یہ ملک کو وہ خوش حالی، سعی و محنت میں وہ گرم جوشی و محنت کوشی عطا نہیں کر سکا جس کی ایک ملک و معاشرہ کو ضرورت ہوتی ہے، یوں تو فطرتِ انسانی کے رمز آشنا، زندگی کے حقائق اور "اسباب" و "مسبّبات" کے باہمی ربط سے آگاہ پہلے سے سمجھتے تھے کہ جس ملک و ماحول میں افراد سے ملکیت کا حق مطلقاً سلب کر لیا جائے، سب کو ایک یتیم خانہ کے بچوں یا جیل خانہ کے قیدیوں کی طرح یکساں راتب اور راشن ملے، وہاں سعی و عمل، جوش و سرگرمی اور مسابقت کے محرکات مفقود ہو جائیں گے، اور پورا ملک مشینوں اور بے جان و بے ضمیر آلات کی ایک فیکٹری بن کر رہ جائے گا، جو حکم و اشارہ پر چلتی اور بند ہوتی ہے، اور جس کو چلنے بھر کے لئے تیل یا بجلی فراہم کی جاتی ہے، لیکن سوویت روس کا فوجی اقتدار، سراغ رسانی کا نظام اور دنیا سے اُس کو الگ تھلگ رکھنے کا اہتمام ایسا تھا کہ اس میں جلد کسی انقلاب کے آنے کی توقع

www.abulhasanalinadwi.org

نہیں کی جاتی تھی، لیکن قدرت و حکمتِ الٰہی کی کارفرمائی تھی کہ خلاف توقع اور خلاف قیاس یہ انقلاب رونما ہوا، اور گورباچوف نے پچھلے نظام کی ناکامی اور اس کے ناقص ہونے کا اعتراف کیا اور جمہوریۂ روس کو ایک نیا رُخ دینا شروع کیا، اس کے نتیجہ میں یورپ کے ان ممالک میں بھی جنھوں نے مارکسی نظام قبول کر کے روس کو اپنا امام و قائد تسلیم کیا تھا، تزلزل پیدا ہوا، اور معلوم ہوا کہ اُن میں سے متعدد پہلے سے غیر مطمئن تھے، لیکن ان کو تبدیلی لانے کی جرءت نہیں ہوتی تھی۔

ان میں سب سے زیادہ حیرت انگیز مغربی و مشرقی جرمنی کا ایک دوسرے سے مل جانا اور ایک ملک کی حیثیت اختیار کر لینا ہے، جن میں عرصۂ دراز سے ایک ایسی حدّ فاصل اور سیاسی و نظریاتی خلیج واقع تھی، جس کا دور اور پُر ہونا بظاہر اسباب بہت بعید از قیاس بات تھی، راقم سطور نے ۱۹۶۴ء کے سفر یورپ میں مغربی برلن کو دیکھا، مشرقی برلن بھی جانا ہوا، وہاں اشتراکی نظام کے غیر فطری، مصنوعی و جبریّہ ہونے کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کیا، لوگوں کے چہرے اُترے ہوئے اور اُداس، ایک دوسرے کے ساتھ بے اعتمادی، ضروریات زندگی کی لگی بندھی بلکہ نپی تُلی تقسیم تھی، ملنے بولنے، اظہار خیال پر پہرے بیٹھے ہوئے تھے، یہ بھی سننے میں آیا تھا کہ مشرقی برلن کے بہت سے باشندے جو اس مصنوعی اور قید و بند کی زندگی سے عاجز آجاتے تھے، وہ اس "دیوار چین" کو جو مشرقی و مغربی برلن کے درمیان کھڑی کی گئی تھی پھاند کر مغربی برلن میں آجاتے ہیں، اور بعض اوقات اس کی بڑی قیمت ادا کرتے ہیں، یہ بھی سنا تھا کہ مشرقی برلن کے ان مکانوں کی کھڑکیاں اور دریچے بھی بہت جگہ بند کر دیئے گئے ہیں، جن سے مغربی برلن کے لوگوں کی خوش حالی

www.abulhasanalinadwi.org

اُن کے آزادی سے چلنے پھرنے اور کھانے کمانے کے امکانات کو دیکھا جا سکتا ہے، آخر یہ صورتِ حال تبدیل ہوئی، اور دونوں حصوں کے باشندوں نے اس غیر فطری اور مصنوعی تقسیم اور علیحدگی کو مسترد کر دیا، اور دونوں حصّے مل گئے۔

اس سے زیادہ مسرّت کا مقام یہ ہے کہ بعض مسلم اور عرب ممالک نے بھی اشتراکی نظام اور جمہوریہ روس کی سرپرستی اور رہنمائی قبول کر لی تھی، اور قریب تھا کہ وہ اپنے ہمسایہ ملکوں پر بھی اثر انداز ہوں، یا ان پر تغلّب اور سیاسی اقتدار حاصل کر لیں، اُن میں سب سے روشن مثال جنوبی یمن کی تھی جس میں اشتراکیت کے بارے میں غلو پسندوں کی ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی تھی جس سے بعض اوقات دین اور شعائرِ دین اور حاملین دین کی اہانت کے افعال بھی سرزد ہوئے تھے، یمن کے سفر میں جو مئی ۱۹۸۴ء میں پیش آیا تھا، یہ معلوم ہوا تھا کہ چند سال پہلے جنوبی یمن کی کمیونسٹ حکومت کی فوجوں نے شمالی یمن پر بھی (جو زبان نبوت کے اعلان کے مطابق ایمان، فقہ و حکمت اور خشیّت اور رقّت کا گہوارہ تھا) حملہ کیا، اور اہم مقامات پر قبضہ بھی کر لیا، اور یہ نظر آنے لگا کہ شمالی یمن کی حکومت اُن سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے گی، ذمّہ دارانِ حکومت کے حوصلے بھی پست ہو گئے، لیکن نوجوانوں کی ایک جماعت کھڑی ہوئی جو کمیونسٹوں کے ارادوں اور اُن کے اثر و اقتدار کے نتائج سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ ان کے برسرِ حکومت آجانے کے بعد کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، اور آزادی سے اسلامی زندگی گذارنا بھی مشکل ہو جائے گا، انھوں نے ان حملہ آوروں سے (بنامِ خدا) لوہا لیا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح دی[1]،

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "کاروانِ زندگی" حصۂ سوم ص ۴۵

www.abulhasanalinadwi.org

روس کے اس انقلاب کا شاید سب سے مبارک اور خوشگوار نتیجہ یہ ہوا کہ جنوبی وشمالی یمن نے ہاتھ ملائے اور ایک جمہوریہ میں شامل ہونے کی آمادگی ظاہر کی، اسی طرح البانیہ اور بلغاریہ میں بھی جہاں ترکی النسل مسلمانوں کی بڑی آبادی ہے کچھ تبدیلی کے آثار اور شہری آزادی کی علامتیں ظاہر ہونی شروع ہوئی ہیں، جن کے متعلق ابھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس درجہ تک پہونچیں گی، اور مسلمانوں کو اُن سے کتنا فائدہ اٹھانے کا موقعہ ملے گا۔

روس کے اس انقلاب کے متعلق مختلف قیاس آرائیاں تھیں، یہ بات بھی کہی جاتی تھی کہ گوربا چوف کی بیوی رئیسہ نام کی ایک مسلمان خاتون ہیں، انھوں نے بھی اپنے شوہر پر اثر ڈالا ہے، لیکن گذشتہ سفر حجاز کے موقعہ پر (جس کا ذکر اس جلد کے ابتدائی حصہ میں آچکا ہے) جدّہ سے ریاض جاتے ہوئے طیّارہ پر تاشقند کے روسی علماء کے ایک وفد کا ساتھ ہوگیا، جو عربی میں گفتگو کر سکتے تھے، انھوں نے بتایا کہ رئیسہ غیر مسلم روسی خواتین کا بھی نام ہوتا ہے، انقلاب کی اصل وجہ اشتراکی نظام کی ناکامی کا احساس اور تجربہ ہے، خدا کرے یہ فکری تبدیلی اور یہ جرأت مندانہ اقدام استحکام اور عروج وارتقاء کے آخری منزلوں تک پہونچے، اور روسی نظام، اس کے فکر اور دعاوی کا طلسم ساری دنیا میں ٹوٹ جائے، اور یہ معلوم ہو کہ اس سے وہ مقاصد بھی حاصل نہیں ہوتے، جن کے لئے ایمان وعقیدہ، اخلاق اور انسانی آزادی کی قربانی دی جاتی ہے، اور جس ملک میں وہ آتا ہے، وہاں دین واخلاق الگ رہے، اقتصادی اور معاشی طور پر بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ ملک میں خاک اڑ جاتی ہے، اور وہ ایک وسیع جیل خانہ

www.abulhasanalinadwi.org

یا ایک ترقی یافتہ یتیم خانہ بن کر رہ جاتا ہے۔

پاکستان کے نسلی و علاقائی فسادات

اس عرصہ میں جب ہندوستانی مسلمان ہندوستان میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات کے مقابلہ میں محاذ آرا تھے اور وہ حکومت اور انتظامیہ سے ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت کے لئے (جس نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں قیادت کا فرض انجام دیا تھا اور پھر قبل تقسیم برطانوی حکومت کے خلاف جنگ آزادی میں مجاہدانہ اور سرفروشانہ حصہ لیا تھا، اور جس کے ہندوستان کے مساوی شہری ہونے اور اس کے جان و مال اور مذہب کے تحفّظ کی دستور ہند میں ضمانت دی گئی تھی) انصاف اور احترام اور مساویانہ سلوک کا مطالبہ کر رہے تھے، اکثریت کے بہت سے حقیقت پسند اور جرءت مند رہنما اور دانشور بھی اس کی تائید اور حمایت کر رہے تھے، اور حکومت و انتظامیہ بھی اس مطالبہ سے ہمدردی اور دلچسپی کا اظہار کرنے لگا تھا، پاکستان میں نسلی، لسانی، اور علاقائی خون ریز فسادات کی ہولناک خبریں آنی شروع ہوئیں، اور انگریزی و ہندی اخبارات نے بھی (جو اکثریت کے ترجمان اور اس کے زیر اثر ہیں) ان کو نمایاں طریقہ پر شائع کیا، یہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ایک نازک آزمائش تھی کہ اگر ہندوستان کے فرقہ وارانہ فسادات کے خلاف وہ لب کشائی اور احتجاج کریں، اور ان کو یہ جواب دیا جائے کہ "آپ اپنے اس عزیز ہمسایہ ملک کی تو خبر لیجئے جو اسلام کے نام پر اور مسلمانوں کو تحفّظ، آزادی اور عزّت دینے کے لئے بنایا گیا تھا،

www.abulhasanalinadwi.org

کیا وہاں مسلمان مسلمان پر حریفوں اور دشمنوں کی طرح حملہ آور نہیں، اور کیا سندھ و کراچی اور حیدر آباد میں ہولناک نسلی فساد نہیں ہو رہے ہیں، بے گناہ انسانوں پر پے در دانہ بموں سے حملے نہیں کئے جاتے، جن میں درجنوں اور بعض اوقات بیسیوں کی تعداد میں بے گناہ شہری جو اپنا ملک و وطن چھوڑ کر آزاد و محفوظ اسلامی ملک سمجھ کر پاکستان آئے تھے، شکار نہیں ہوتے، کیا وہاں طویل طویل عرصہ کے لئے کرفیو نافذ نہیں کیا جاتا، جس کی وجہ سے کراچی جیسا شہر ایک جیل خانہ معلوم ہوتا ہے، اور بعض اوقات پولیس اور فوج کی حفاظت کے بغیر ملازمین اور عام شہری ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں جا سکتے؟!" اگر اکثریت کے فرقہ کی طرف سے کوئی کھڑا ہو کر ہمارے "پیام انسانیت" کے کسی جلسہ میں یہ سوال کرے تو اس کا جواب دینا مشکل ہو جائے گا، اور سر شرم سے جھکا لینے پڑیں گے۔[1]

اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ پاکستان کے دینی و سیاسی قائدین، علماء و مقررین، اور واعظین و مبلغین نے نسلی و علاقائی اور لسانی و تہذیبی عصبیت کے خلاف اس جرأت و وضاحت کے ساتھ اظہار خیال نہیں کیا، جس کی روشن مثالیں کلام نبوت اور عہد رسالت میں ملتی ہیں، یہاں تک کہ اس کے خلاف اس پاک و مطہر زبان نے جو وحی کی ترجمان تھی، اتنے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں، جن کی نظیر حدیث و سیرت کے ذخیرہ میں نہیں ملتی۔[2]

---

[1] خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک اس کی نوبت نہیں آئی، لیکن اخبار نویسوں، تبصرہ نگاروں اور جری ناقدوں کو اس سے روکا نہیں جا سکتا۔ [2] ملاحظہ ہو راقم کا رسالہ "لسانی و تہذیبی جاہلیت کا المیہ اور اس سے سبق" اور حدیث من تعزّی علیکم بعزاء الجاھلیۃ الخ کی تشریح۔

www.abulhasanalinadwi.org

انھوں نے اس عزیمت و جرأت کا بھی نمونہ پیش نہیں کیا، جو لسانی بنیاد پر بنگلہ دیش کے بننے پر بعض ہندوستانی علماء کی تقریروں میں پایا جاتا ہے[1]، اس خطرہ کی طرف توفیق الٰہی سے راقم نے ۱۹۸۴ء میں (ان فسادات کے اس پیمانہ پر پیش آنے سے کئی سال پہلے) کراچی کی اپنی بعض تقریروں میں صاف اشارہ کیا اور اس کے خطرہ سے آگاہ کیا تھا[2]۔

دوسرا سبب ملک میں صحیح اسلامی قیادت کا فقدان ہے جو جنرل ضیاء الحق شہید مرحوم کی وفات پر خاص طور سے محسوس ہوتا ہے، اور جس کے پیش نظر اقبال کا یہ شعر حسب حال ہے ؎

میرِ سپاہ ناسزا، لشکریاں شکستہ صف
ہائے وہ تیرِ نیم کش جس کا نہیں کوئی ہدف

منیٰ کا سنگین حادثہ اور ایران کا عظیم زلزلہ

اس عرصہ میں (اس سال ۱۴۱۰ھ کے ماہ ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ (یوم النحر) کو ظہر کے وقت منیٰ میں واقع سرنگ میں جس کو "نفق المعیصم" کہتے ہیں دم گھٹنے اور حجّاج کے اژدحام و تصادم سے حجّاج کی ہلاکت کا وہ حادثہ پیش آیا جس کی اس سے پہلے نظیر نہیں ملتی، اور جس میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد ایک ہزار چار سو چھبیس (۱۴۲۶) تک ہے[3]۔

---

[1] ملاحظہ ہو "کاروانِ زندگی" حصۂ دوم عنوان "مشرقی پاکستان میں لسانی و تہذیبی تعصب کا طوفان" ص ۱۳۰-۱۳۶

[2] ملاحظہ ہو "کاروان زندگی" حصۂ سوم ص ۴۳

[3] سعودی عرب کی وزارت صحت کے بیان کے مطابق۔

www.abulhasanalinadwi.org

بنائی جاتی ہے، وزارت داخلیہ کے بیان اور اپنے بعض ان رفقاء اور احباب کی اطلاع ومعلومات کے مطابق جن کو اس سال حج کی سعادت حاصل ہوئی، اس کی وجہ یہ تھی کہ پیدل چلنے والوں کا اس پُل پر جو سرنگ تک پہونچاتا ہے، مجمع حد سے بڑھ گیا، اور خود سرنگ میں حجّاج کی تعداد سرنگ کی گنجائش اور اس کی طاقت وصلاحیت سے بہت زیادہ ہوگئی، اندازہ ہے کہ وہ پچاس ہزار[۵] کی تعداد کو پہونچ گئی تھی، اسی درمیان سات[۶] اشخاص (اپنی تیزی اور عجلت) میں پُل پر سے سرنگ کے دہانے پر گر کر ہلاک ہوگئے جس سے سرنگ میں ایک بھگدڑ سی مچ گئی، پہلے سے بہت سے حُجّاج وہاں گرمی سے بچنے یا آرام کے لئے ٹھہرے ہوئے تھے، اس بے نظمی اور سراسیمگی میں بہت سے لوگ دم گھٹنے کی وجہ سے یا کچل کر ہلاک ہوگئے، اور اضطراری طور پر وہ حادثہ پیش آیا جس کی نظیر گذشتہ تاریخ میں نہیں ملتی۔

اس کے متعلق عالمِ اسلام میں مختلف قسم کی قیاس آرائیاں اور تبصرے شروع ہوگئے، اور بہت سے ان حلقوں اور ملک میں جو سعودی حکومت میں پیش آنے والے حادثہ یا المیہ سے سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں، سعودی حکومت کو اس کے لئے نشانۂ ملامت بنایا گیا، لیکن جن لوگوں کو بار بار حج کی سعادت حاصل ہوئی ہے (اور ان میں یہ فقیر راقم بھی ہے) وہ جانتے ہیں کہ اس کی اصل وجہ عالمِ اسلام میں تربیت، ذمّہ داری کے احساس اور کسی نظام پر چلنے کی کمی اور حُجّاج کی وہ بے ترتیبی، عجلت پسندی اور "نفسا نفسی" ہے، جس کا ہر سال مشاہدہ ہوتا ہے، اور جس سے اس واقعہ ہائلہ سے چھوٹے پیمانہ پر

www.abulhasanalinadwi.org

تصادم، ایذا رسانی و پریشانی کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، اس سلسلہ میں حکومتِ سعودیہ ہی کی ذمّہ داری نہیں ہے، جس نے اپنی طرف سے رقم کثیر صرف کر کے حجّاج کی راحت رسانی کے جو انتظامات کئے ہیں، ان کی نظیر حجاز کی گزشتہ تاریخ میں نہیں ملتی، عالمِ اسلام کی بھی ذمّہ داری ہے کہ وہاں حج کے لئے جانے والوں کی تعلیم و تربیت کا مؤثر انتظام کیا جائے، اور روانگی سے پہلے ہر بڑے شہر میں جہاں سے حُجّاج کی بڑی تعداد جاتی ہے، حاجیوں کے تربیتی کیمپ لگائے جائیں جہاں حُجّاج کرام کو حج کے مناسک کو، اس کی صحیح روح اور آداب کے مطابق ادا کرنے کے علاوہ نظم و ضبط (DISCIPLINE) صبر و تحمّل اور ایثار، اللہ کے گھر کے مہمانوں کے احترام اور صبر و تحمّل سے کام لینے کی تلقین کی جائے جس کی خلاف ورزی خود حرم شریف اور منیٰ میں رمی و نحر اور عرفات اور مزدلفہ کی آمد و رفت اور طواف و سعی تک میں ہر سال دیکھی جاتی ہے۔

پھر اس کے ساتھ (بڑی معذرت کے ساتھ مجبوراً) کہا جاتا ہے کہ اس کی ایک وجہ ہر سال نفلی حج کرنے والوں اور متعدد مادّی مقاصد کے لئے حج میں جانے والوں کی روز افزوں زیادتی ہے، جو فرض حج کرنے والوں کے لئے باعثِ زحمت بن جاتی ہے، حکومت کے بیانات اور جانے والوں کی اطلاع کے مطابق معلوم ہوا کہ ہلاک ہونے والوں میں بڑی تعداد انڈونیشیا کے حجّاج کی تھی، اس لئے انڈونیشیا اور افریقہ کے ان ملکوں میں (جہاں سے حجّاج کی بڑی تعداد آتی ہے) خاص طور سے توجہ کی ضرورت ہے، افسوس ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کے حُجّاج کے بارے میں بھی اسی قسم کے تجربے اور تأثرات سامنے آتے ہیں، صرف

www.abulhasanalinadwi.org

عزک حجاج اس کلیہ سے بڑی حد تک مستثنیٰ ہیں۔

راقم نے ضرورت سمجھی کہ اس بارے میں حکومت سعودیہ کی پوزیشن کو صاف کرنے اور اس کے ساتھ (اس تبصرہ اور تنقید کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو سیاسی اغراض و مقاصد کے لئے کئے جارہے تھے) ہمدردی کے طور پر اُردو اخبارات میں اشاعت کے لئے ایک بیان دے اور خادم الحرمین الشریفین اور ان کی حکومت کو بھی اپنے تأثر اور تأسف سے مطلع کرے، اور یہ کہ یہ واقعہ قضا و قدر کی کارفرمائی اور تقدیری امر تھا، یہ بیان لکھنؤ کے "قومی آواز" میں شائع ہوا، اور اس مضمون کا ایک برقیہ حکومت سعودیہ کے سربراہ کو بھیج دیا گیا، جس کی رسید اور شکریہ کا تار موصول ہوا۔

اس حادثہ کے کچھ ہی عرصہ پہلے جون ۱۹۹۰ء کے تیسرے ہفتہ میں ایران کے شمالی مغربی حصہ میں (جس میں جیلان[1] کا مشہور تاریخی شہر بھی واقع ہے) اس زلزلہ میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد تدریجی اطلاعات کے مطابق، جن میں برابر اضافہ ہوتا رہا، پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) کے قریب بیان کی گئی ہے، یہ ایک ایسا انسانی حادثہ اور المیہ تھا، جو ہر طرح ہمدردی اور اظہار رنج والم کا مستحق تھا، راقم نے بھی اس کی ضرورت سمجھی، اس کے بارے میں اپنے تأثر و تأسف اور اظہار ہمدردی کا ایک بیان اشاعت کے لئے دیا، اس کا یہ بیان بھی "قومی آواز" میں شائع ہوا، اسی کے ساتھ اس نے اپنے ادارہ ندوۃ العلماء کی طرف سے

---

[1] اسی شہر کو اسلام کے مشہور ترین مصلح و مربی، بانیٔ سلسلۂ روحانی، اور مقبول بارگاہ الٰہی سیدنا عبدالقادر جیلانی رحؒ کا مولد و وطن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

(جو ایک قومی ادارہ ہے اور عوام کے چندہ پر چلتا ہے) دس ہزار کی رقم حکومت یو۔پی کے حوالہ کی جس کی طرف سے حکومت ایران کی مدد اور ہلاک شدگان کی امداد اور آبادکاری کے لئے اعلان اور پیش کش ہوئی تھی، اخبار میں اس کی بھی اطلاع شائع ہوئی۔

ایک نادر اور زرّیں موقعہ جو ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے

یہاں پر اپنے اس تاثر اور حسرت و تأسّف کا اظہار کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ ملک کا اخلاقی زوال، بے کرداری اور بے اصولی، پیسہ کی حد سے بڑھی ہوئی محبت اور لالچ، بے نظمی اور بے عملی، تشدّد کا جنون کی حد تک بڑھا ہوا رجحان فرقہ وارانہ فسادات کے لئے ملک اور اس کی مختلف ریاستوں کا ہر وقت تیار رہنا اور ان مقاصد کا تشنۂ تکمیل رہنا جن کے حصول کے لئے اور جن کے پیش نظر جنگ آزادی لڑی گئی، ہوش رُبا اور روز افزوں گرانی، قانون شکنی کا رجحان عام، ملک کا بڑے پیمانہ پر مقروض ہونا اور انتظامی ابتری، ایک ایسا المیّہ اور ملک پر دھبّہ ہے جس کو جلد سے جلد دھونے کی ضرورت تھی، اس کا بہترین علاج اور اس کی تکمیل کا واحد ذریعہ یہ تھا کہ جنتا پارٹی اور راشٹریہ مورچہ جس نے تازہ انتخاب میں ایسی کامیابی حاصل کی جس سے وہ حکومت بنا سکنے کے قابل ہوئی، دوسری طرف کانگریس پارٹی کو، جس کے سر اس ملک کی آزادی کا سہرا ہے اور جو پارلیمنٹ میں اور کئی صوبوں کے ایوانِ قانون ساز

www.abulhasanalinadwi.org

میں دوسری سب سے بڑی پارٹی ہے، ملک کی جنگ آزادی کے حقیقی مقاصد کی تکمیل اور اس ملک کو مستحکم، بیرونی دنیا میں معزز اور قابلِ احترام اور اندرون ملک میں مطمئن اور با اصول بنانے کے لئے تمام اختلافات سے قطع نظر کرکے ایک دوسرے سے ایسا تعاون اور اتحاد کرلینا چاہئے تھا، جس کی وجہ سے جنتا پارٹی یا کانگریس کو کسی فرقہ پرست پارٹی (بی جے پی) وغیرہ سے اتحاد کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی، جس کی بنا پر وہ ملک کی خدمت، اقلیتی فرقوں کے ساتھ انصاف کرنے اور ملک کو صحیح راستہ پر لگانے کے لئے آزادانہ اور مضبوط قدم نہیں اٹھا سکتی۔

لیکن اس وقت تک کے واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان دونوں پارٹیوں خصوصاً کانگریس جیسی اصولی جماعت کو اپنی پارٹی کی حکومت اور اس کا برسرِ اقتدار آنا اور رہنا، ملک کی سلامتی، استحکام اور جنگ آزادی کے حقیقی مقاصد کی تکمیل سے زیادہ عزیز ہے، اور اگر یہی صورتِ حال رہی تو اندیشہ ہے کہ ساری صلاحیتیں اور اثرات و انتخابی جدوجہد اپنی ہی پارٹی کی خالص حکومت بنانے میں صرف ہوکر رہ جائے گی، اور ملک بظاہر عرصۂ دراز تک اس منزل پر پہونچنے کے قابل نہیں ہوسکے گا، جس کے لئے وہ عظیم جدّوجہد کی گئی، جس کی نظیر کسی ایسے دوسرے بڑے ملک کی جنگ آزادی کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

مجاہد ملّت مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی پر دہلی میں سیمنار، اور اس میں راقم کا مقالہ

۵ راگست ۱۹۹۰ء کو دہلی میں غالب اکیڈمی میں مولانا حفظ الرحمن صاحب

www.abulhasanalinadwi.org

سہواروی پران کی خدمات کے قدردانوں اور اہلِ تعلق نے ایک سیمینار منعقد کرنے کا فیصلہ کیا تھا، راقم کو بھی اس میں شرکت اور مقالہ یا تقریر سے حصہ لینے کی دعوت دی گئی تھی لیکن ان دنوں صحت کمزور اور طبیعت ناساز چل رہی تھی اور بعض دوسری اہم مشغولیتیں بھی تھیں، اس لئے راقم نے اس میں جسمانی طور پر شرکت کرنے سے معذرت اور مقالہ سے شرکت کرنے کا وعدہ کیا تھا، اس نے مولانا مرحوم کی ملّی خدمات اور اُن کی زندگی و سیرت کی امتیازی خصوصیات، اور اُن کے مُخلصانہ و مجاہدانہ کردار کے اعتراف اور اس کے نمایاں کرنے کو ایک ملّی قرض کی ادائیگی، احسان شناسی اور تشکّر کا تقاضہ سمجھا جو معاصرین اور بعد میں آنے والے افراد اور حق شناس مؤرّخوں کا اخلاقی فرض اور "شہادت بالحق" ہے اسی جذبہ کے ماتحت یہ مقالہ بھی یہاں نقل کیا جا رہا ہے، جو مقالہ نگار کی غیر موجودگی میں ۵ راگست ۱۹۹۰ء کو ہونے والے سیمینار میں پڑھا گیا۔

"ہمارے ملک میں قومی و ملّی تحریکات کے شروع ہونے، سیاسی و ملّی شعور کے بیدار ہونے اور جماعت سازی اور خطابت و صحافت کے اس دور میں (جو تحریک خلافت اور جنگ آزادی کے بعد بڑے پیمانہ پر شروع ہوا) اعزاز و اکرام اور تعریف و توصیف کے خطابات و القاب دینے کا عام رواج ہو گیا، اور بعض مرتبہ اس میں ایسی فیّاضی، غلو اور مبالغہ اور عُجلت و جذباتیت سے کام لیا گیا کہ بعض حقیقت پسندوں کی زبان پر بے اختیار یہ مصرعہ آ گیا کہ: ع

اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

لیکن ہر کُلّیہ میں استثناء ہوتا ہے، اس کلّیہ میں بھی کئی استثناءات ہیں جن میں

www.abulhasanalinadwi.org

اس وقت میں دو توصیفی القاب کا استثناء کروں گا، ایک مولانا محمد علی مرحوم کے لئے "رئیس الاحرار" کے خطاب کا دوسرے مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی مرحوم کے لئے "مجاہدِ ملّت" کے لقب کا۔

مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی مرحوم صرف ہندوستان کی ملّتِ اسلامی ہی کے تعلق سے "مجاہدِ ملّت" کہلانے کے مستحق نہ تھے، وہ ہندوستان کی آزادی کے لئے جدّوجہد، انگریزی حکومت واقتدار کے مقابلہ میں صف آرائی، ہندو مسلم اتحاد اور ایک آزاد و منصفانہ جمہوری و دستوری حکومت کے قیام کے لئے ایثار و قربانی اور قید و بند کی آزمائشیں برداشت کرنے والے قائد کی حیثیت سے بھی ایک صاحبِ عزیمت و صاحبِ شجاعت مجاہد کے لقب کے مستحق ہیں۔

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اپنوں کی اس مخالفت، سماجی و معاشرتی مقاطعہ دل آزاری، دشنام طرازی، اور تذلیل و اہانت کے ان مظاہروں کی بنا پر جو (راقم کو معاف کیا جائے) مسلم لیگ کی تحریک کے اعصابی و جذباتی جوش، پاکستان کے سحر انگیز اور دل فریب نعرہ، اور کانگریس اور جمعیۃ العلماء کے قائدین پر طنز و استہزاء کے اس دور میں جو ملک کی تقسیم سے کئی سال پہلے شروع ہو گیا تھا، اور جس میں اس نظریہ سے ادنیٰ اختلاف رکھنے والوں کو معاف نہیں کیا جاتا تھا، شجاعت و استقامت، اصول و عقیدہ پر ثبات و دوام اور ایثار و قربانی میں ان کا حصّہ اکثریت کے ان سیاسی قائدین اور رہنماؤں سے کہیں زیادہ ہے جن کو اپنے فرقہ کے افراد اور اپنے ہم مذہبوں کی طرف سے ایسی آزمائشوں کا سامنا کرنے کا موقع پیش نہیں آیا، سب جانتے ہیں کہ اپنے خاندان کے افراد کی مخالفت اپنے گھر میں ایذا و اہانت کا

www.abulhasanalinadwi.org

معاملہ، سماجی مقاطعہ، یا ہر کی مخالفتوں اور قید و بند کی صعوبتوں سے کہیں زیادہ صبر آزما اور اذیت رساں ہوتا ہے، اس موقع پر بے اختیار راقم کو یاد آگیا کہ ایک مرتبہ غالباً پنت جی نے (جو اس وقت ریاست اتر پردیش کے وزیر داخلہ یا وزیر اعلیٰ تھے) کسی موقعہ پر مولانا مرحوم کے بارے میں کوئی طنزیہ جملہ کہا یا اُن کی حُبّ الوطنی اور ملک کی آزادی کے سلسلہ میں کوئی تعریض کی، تو مولانا نے اس کے جواب میں بڑی صاف گوئی اور جرأت سے کام لیا اور کہا کہ ہم (مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کے منسوب ہونے اور پاکستان کے مطالبہ کے ہم نوا نہ ہونے کی وجہ سے) اپنے ہم مذہبوں کے قہر و غضب اور تمسخر و استہزاء کا نشانہ بنے، اور ہمیں کو اپنے پیر جوں (دھوبی، نائی اور کام کرنے والوں) کے مقاطعہ کا نشانہ بننا پڑا، غیر مسلم سیاسی رہنماؤں اور اکثریت کے فرقہ کے "سورماؤں" کو اس مرحلہ سے گذرنا نہیں پڑا، اور نہ اُن کو اس کی نوبت آئی" جن حالات میں اور جس شخصیت کے اعتراض یا حملے کے جواب میں یہ جرأتمندانہ اور دلیرانہ جواب دیا گیا تھا، اس کی قدر و قیمت کا اندازہ اس وقت کرنا مشکل ہے۔

مولانا مرحوم کی متعدد نمایاں اخلاقی، ذہنی، علمی و دینی تحقیقی و تصنیفی خصوصیات و کمالات کے اعتراف و احترام کے ساتھ ان کے جس امتیاز کا اس مختصر مقالہ میں (جو علالت و مصروفیت کی حالت میں اُن کا حق سمجھتے ہوئے اور اس قرض کو ادا نہ کرنے کو ناسپاسی اور حقیقت پوشی جانتے ہوئے سپردِ قلم کیا جا رہا ہے) خاص طور پر ذکر کرنا ہے وہ اُن کی حق گوئی اور بے باکی اور ملک کے آزاد ہونے کے بعد اپنے ایثار و قربانی کی ادنیٰ سے ادنیٰ قیمت وصول نہ کرنا ہے، جہاں تک پہلے وصف کا تعلق ہے جس کا کچھ نمونہ اوپر پیش کیا گیا، وہ اقبالؔ کے

www.abulhasanalinadwi.org

اس شعر کے مستحق معلوم ہوتے ہیں ؎

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اس حق گوئی و بے باکی کا اظہار مجالسِ قانون ساز کی تقریروں، حکومت کے ذمّہ داروں سے مخاطبت و مکاتبت، مسلمانوں کے مسائل کے سلسلہ میں جرأت و صاف گوئی اور دوروں اور جلسوں میں تقریروں، شرعی مسائل سے تعلق رکھنے والے قوانین، نئی نسل کی دینی تعلیم اور اُردو کے تحفّظ کے لئے ان کی جدّوجہد، جلسوں کے انعقاد اور کمیٹیوں کی تشکیل اور ان میں اپنی صحت و راحت سے بے پرواہ ہو کر شرکت میں ہوا جس کے شاہد اخبارات کے قدیم فائل اور مجالس قانون ساز کے ریکارڈ ہیں، اس راقم کو بھی بمبئی کی تعلیمی کانفرنس میں جو (تقسیم کے بعد) مولانا ہی کی تحریک و دعوت پر منعقد ہوئی تھی، اور لکھنؤ میں بعض شرعی مسائل وقف وغیرہ سے تعلق رکھنے والی کمیٹیوں میں شرکت و رکنیت کا اتفاق ہوا، جن میں مرحوم سید محمد احمد صاحب کاظمی بھی ایک اہم رکن اور مشیر کار تھے، ان مواقع پر مولانا کی سیاسی و دینی بصیرت اور قائدانہ مخلصانہ جرأت کے نمونے دیکھنے میں آئے۔

جہاں تک دوسرے وصف جنگ آزادی کے سلسلہ کی قربانیوں اور قید و بند کی صعوبتوں کی قیمت وصول نہ کرنے اور اپنے اثرات و تعلقات سے (جن میں کم ہی لوگ ان کے ہمسر و مساوی ہوں گے) فائدہ نہ اُٹھانے کا تعلق ہے، اس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ اور ایک دو حضرات کو مستثنیٰ کر کے مشکل سے اُن کا کوئی سہیم و شریک ہوگا، راقم کو ایک دو بار جمعیۃ العلماء

www.abulhasanalinadwi.org

کے دفتر واقع گلی قاسم جان دہلی میں رفیق محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کے ساتھ قیام کرنے اور مولانا مرحوم کے مہمان ہونے کا شرف حاصل ہوا، اس وقت اُن کی سادہ بلکہ زاہدانہ زندگی، اور بے غرضی و بے لوثی کا کچھ اندازہ ہوا، وہ اہلِ تعلق اور ضرورتمندوں کے لئے تعارفی و سفارشی خطوط بھی لکھ دیتے تھے، اور ان کا احترام بھی کیا جاتا تھا لیکن اپنے لئے انھوں نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، اور دہلی میں ایک مکان نہ بنایا، نہ حاصل کر سکے، ان کے متعلق فارسی کا یہ قدیم شعر لکھنے کو جی چاہتا ہے۔

عدیلِ ہمت ساقیست فطرتِ عُرفی
کہ حاتمِ دگراں و گدائے خویشتنست

راقم کو ان کے اس بیرونی سفر پر جانے کے وقت جو اپنے شدید صبر آزما مرض کے علاج کے لئے اختیار کرنے والے تھے، اور پھر وہاں سے واپسی پر زیارت و ملاقات کا موقعہ ملا، ان دونوں موقعوں پر وہ اپنے کسی اہل تعلق کے یہاں مقیم تھے، اور نہایت سادگی کے ساتھ انھوں نے یہ پُر صعوبت اور طویل سفر گوارہ کئے، اور واپسی پر صبر و رضا اور قناعت کے ساتھ سفر آخرت اختیار کیا، جہاں ان کو ان کے اخلاص، خدمتِ دین و ملّت اور ایثار و جد و جہد کا حقیقی صلہ ملنا تھا۔

اس طویل سیاسی جدّ و جہد کے ساتھ جس کا مزاج علمی کاموں اور تحقیق و تصنیف سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا، انھوں نے اپنے علمی ذوق تصنیف و تحقیق کی صلاحیت اور لکھنے پڑھنے سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی، وہ ندوۃ المصنّفین، دہلی کے بانیوں اور مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی اور مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی کے نہ صرف شریک کار، اور ندوۃ المصنّفین کے ایک معمار تھے، بلکہ

www.abulhasanalinadwi.org

اُن دونوں حضرات کو ان سے تقویت، اور ندوۃ المصنّفین کو ان سے اعتبار و عزّت حاصل تھی، اس سلسلہ میں ان کی دو[2] تصنیفات ایک تو "قصص القرآن" دوسرے "اسلام کا اقتصادی نظام" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، اُردو میں ہمارے علم میں قصص قرآن، انبیاء علیہم السلام کی سوانح حیات اور ان کی دعوتِ حق کی مستند تاریخ و تفسیر (جو قرآن مجید کے گہرے مطالعہ اور صُحف قدیم اور جدید کی تحقیقات کی مدد سے مُرتّب کی گئی ہو) اس سے پہلے نہیں تھی، عربی میں البتہ مصر کے نامور عالم شیخ عبدالوہاب نجّار کی "قصص القرآن" موجود ہے، مولانا نے اُردو میں یہ کتاب تصنیف فرما کر ایک بڑی ضرورت کی تکمیل کی اور اسلامیات و علوم قرآن کے طالب علموں کے لئے ایک قیمتی ذخیرہ مہیّا کر دیا، یہ کتاب چار[4] ضخیم جلدوں میں ہے، جلد چہارم حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے واقعات و حالات پر مشتمل ہے۔

ان کی دوسری کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" بھی گراں قدر تصنیف ہے جس میں قدیم کے ساتھ جدید اقتصادی نظاموں سے واقفیت اور اسلامی اقتصادی نظام کی برتری کا علمی انداز میں اظہار و اثبات ہے، اس کتاب میں انھوں نے ایک بڑے نکتہ کی بات لکھی ہے، جس کی طرف حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے "حجۃ اللہ البالغۃ" میں اشارہ کیا ہے کہ ــ "اقتصادیات کا اخلاقیات سے آزاد و بے تعلق ہو جانا معاشرہ کے لئے سخت مُضر اور خطرناک ہے۔"

علمی ذوق و اشتغال کا سیاسی مصروفیات اور ان کے تقاضوں کے ساتھ جمع کرنا، بڑا دشوار اور ہمت آزما کام ہے، اور تھوڑے ہی لوگ اس پر قادر ہوتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

مولانا کی وفات پر ہندوستان میں ملّی قیادت کے میدان میں ایک عظیم خلا واقع ہوگیا ہے جو ابھی تک پُر نہیں ہوا، ان کے بعد کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آئی جس پر صحیح معنی میں "مجاہدِ ملّت" کا لقب وخطاب صادق آسکے، اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنّت نصیب فرمائے، اور ان کے درجے بلند سے بلند تر، وہ حضرات قابلِ مبارک باد اور تشکر یہ کے مستحق ہیں، جنھوں نے (معذرت کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ اگرچہ بڑی تاخیر سے) ان کی یاد میں اس سیمنار کے انعقاد کا انتظام کیا، یہ ایک ملّی ادائے فرض، احسان شناسی اور تشکّر واعتراف کا وہ مظاہرہ ہے جو زندہ اور فرض شناس قوموں اور نسلوں کا خاصّہ رہا ہے، اور جس کا سلسلہ جاری رہنا چاہیئے"۔

بعض نئی مطبوعات اور ان پر مسرّت وتشکّر

راقم کو عرصۂ دراز سے اپنے والد مرحوم مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب رح کی مایۂ ناز تصنیف اور تاریخی وتنقیدی اہمیت کی حامل کتاب شعرائے اُردو کے تذکرہ "گل رعنا" کے دارالمصنّفین اعظم گڑھ سے نئے ایڈیشن کا شدّت سے انتظار تھا، اور وہ سابق ناظم دارالمصنّفین برادر محترم مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی سے اس کا تقاضہ کر رہا تھا اور اپنی اس خواہش کا اظہار کر چکا تھا کہ چونکہ کتاب (جس کے پانچ ایڈیشن نکل چکے تھے، اور وہ ہندوستان وپاکستان کی متعدد یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل تھی) ہر مرتبہ بغیر کسی مقدمہ وتعارف کے شائع ہوئی ہے، راقم کی خواہش تھی کہ اس کتاب کے نئے ایڈیشن میں

www.abulhasanalinadwi.org

اس کی تصنیف "حیات عبدالحی" کا وہ حصہ بطور مقدمہ و پیش لفظ کے شامل کر دیا جائے، جو اس نے "گل رعنا" کی تصنیف کے محرکات "آب حیات" جیسے مقبول و مشہور تذکرۂ شعرائے اردو کے بعد اس کی تالیف کے جواز بلکہ ضرورت پر لکھا ہے کہ اس سے اس کتاب کی خصوصیات اور اس کی انفرادیت اور مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے، شاہ صاحب مرحوم نے اس کا وعدہ اور ارادہ کیا تھا مگر ان کی زندگی میں اس کی نوبت نہیں آئی، مصنف کا یہ تقاضہ ان کے جانشین فاضل گرامی سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب کی نظامت و زندگی میں بھی جاری رہا، لیکن ہر کام کا وقت مقرر ہے، اس کی نوبت فاضل عزیز مولوی ضیاء الدین صاحب اصلاحی حال ناظم دارالمصنفین کے دور نظامت میں جون ۱۹۹۰ء میں آئی، اور اس کا چھٹا ایڈیشن راقم کے پیش لفظ کے ساتھ جو صفحہ ۳ سے صفحہ ۱۳ تک پھیلا ہوا ہے طبع ہوا جس کے لئے وہ مولوی ضیاء الدین صاحب اور عزیزی مولوی احتشام علی ندوی کا ممنون ہے۔

اس پیش لفظ کے شامل ہونے پر راقم کو (جس کو بحمد اللہ کثیر التعداد کتابوں کے مصنف اور متعدد وقیع کتابوں کے مقدمہ نگار ہونے کا شرف حاصل ہے) جو غیر معمولی خوشی ہوئی اس کا خاص سبب ایک ذاتی و طبعی جذبہ اور اپنے والد مرحوم کی ایک پیش گوئی و پیش بینی کی تکمیل کا مشاہدہ ہے، واقعہ اس طرح ہے کہ غالباً ۱۹۲۰ء یا ۱۹۲۱ء ہوگا، اور راقم کی عمر سات سال کی ہوگی کہ والد مرحوم نے کتاب کی تسوید و تکمیل کے بعد اپنے مددگار و معاون مولوی سید عبدالغفور صاحب نشتر ندوی (مددگار ناظم ندوۃ العلماء) کو اپنے بالاخانہ پر

طلب کیا جہاں وہ آرام فرماتے اور تصنیفی کام کرتے تھے[1]، وہ جس وقت اوپر آئے اور والد صاحب نے یہ کہہ کر مسوّدہ ان کے حوالہ کیا کہ یہ مسوّدہ بذریعہ ڈاک مولوی سید سلیمان[2] کو اعظم گڑھ بھیج دیا جائے، راقم اس وقت کسی سرزنش یا کسی چیز کا تقاضہ پورا نہ ہونے پر رو رہا تھا، والد صاحب نے مولوی عبدالغفور صاحب کو کتاب حوالہ کرنے وقت مجھ سے فرمایا کہ "رُو نہیں، تمھارا نام اس کتاب میں چھپے گا، یا تمھارا نام اس کتاب میں آئیگا" مجھے آج تک حیرت ہے کہ انھوں نے ایک ایسے بچہ سے جو اس اعزاز کی قدر و قیمت نہیں سمجھتا تھا، اور اس کے متعلق یہ اطمینان بھی نہیں تھا کہ وہ زندہ رہے گا، پھر یہ کہ وہ تعلیم حاصل کر سکے گا، اور اس قابل ہوگا کہ اس جلیل القدر کتاب میں کسی ذیل میں اس کا نام آسکے، یہ کیسے فرمایا؟ جب کتاب کا یہ چھٹا ایڈیشن نکلا اور بطور پیش لفظ کے میرا وہ مضمون شامل کیا گیا تو مجھے خوشی ہوئی کہ والد صاحب کی پیشین گوئی پوری ہوئی، جس وقت یہ مضمون "حیات عبدالحی" میں شائع ہوا اس وقت بھی اس کا وزن محسوس کیا گیا تھا کہ اس میں "آبِ حیات" کی ان کوتاہیوں اور اس کے متعدد بیانات

---

[1] واقع بازار جھاؤلال (حال محمد علی لین) لکھنؤ ۳۷ گوئن روڈ، جس میں ہم لوگوں کی ۷۰-۸۰ برس سکونت رہی، اور اس کے نیچے حصہ میں والد صاحب اور بعد میں برادر محترم جناب مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب مرحوم کا مطب تھا، دونوں کی وفات اسی مکان میں ہوئی۔

[2] مولانا سید سلیمان ندوی والد صاحب کے شاگرد تھے، جس کا تذکرہ سید صاحب نے کئی بار راقم کے سامنے کیا، اور ان کے طرزِ تدریس کا حال بھی بیان کیا، اور یہ کہ انھوں نے اس طرح عمامہ باندھنا (جس کے سید صاحب بڑے پابند تھے) والد صاحب ہی سے سیکھا ہے اس لئے اس طرح ان کا نام لینے پر تعجب نہ کیا جائے۔

www.abulhasanalinadwi.org

روایات اور حوالوں کے تاریخی و دستاویزی صحت و صداقت ثابت نہ ہوتے کے ایسے تاریخی ثبوت پیش کئے گئے ہیں، جن کا ریاضی کے نتائج کی طرح انکار ممکن نہیں، اس کتاب کی اشاعت پر "آب حیات" کے بہت سے قدر دانوں اور مدح سراؤں کے حلقہ میں اہمیت محسوس کی گئی، اور مجھے یاد ہے کہ پروفیسر مسعود حسن رضوی صدر شعبۂ اُردو لکھنؤ یونیورسٹی مجھ سے ملنے آئے اور انھوں نے اس موضوع پہ گفتگو کی۔

اس طویل مقالہ کے جس میں پہلے پوری فراخ دلی اور وسیع النظری کے ساتھ "آبِ حیات" کی خصوصیات، اس کی ادبیت اور مصنّف کی سُخن شناسی اور لطافتِ ذوق کا اعتراف کیا گیا ہے، اس کے بعض تشنہ پہلوؤں اور بعض کمزوریوں کی نشان دہی کی گئی ہے[1]، یہاں پر چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں:۔

"آبِ حیات" اپنی غیر معمولی مقبولیت اور اپنی اعلیٰ انشاپردازی اور دقیق نکتہ سنجی، بلکہ ذوق آفرینی اور ادب آموزی کے ساتھ ہر انسانی کام کی طرح نقائص سے یکسر مبرّا اور غلطیوں، فروگذاشتوں سے کلّیتہً خالی نہ تھی، مولانا آزاد پیدائشی اور خلقی طور پر ادیب تھے اور ادب و حُسنِ انشاء ان کے تیغ قلم کا اصل جوہر ہے، ادبی مزاج اور تاریخی مزاج میں ایک طرح کا بُعد، اور ادبی تقاضوں اور تاریخی تقاضوں میں بعض اوقات تعارض پایا جاتا ہے، ادب تخیّل پسند ہوتا ہے، اور تاریخ حقیقت پسند، ادب اپنی پرواز کے لئے آزاد، اور بے قید فضا چاہتا ہے،

---

[1] ملاحظہ ہو عنوان "گُلِ رعنا لکھنے کی ضرورت"

تاریخ اپنے سفر کے لئے ایک محدود اور نپا تُلا راستہ، ادب تشبیہ واستعارہ اور تخیّل سے آب ورنگ پیدا کرتا ہے، اور تاریخ حوالوں واقعات اور قدیم تحریروں کی پابندی سے گراں بار ہوتی ہے، مولانا آزاد کا اصل مزاج اور رجحانِ طبیعت ادب وانشاء پردازی ہے، وہ خواہ کسی تاریخی موضوع پر قلم اٹھائیں یہ ذوق ان پر غالب آکر رہتا ہے، اس کی مثال دیکھنا ہو تو "دربار اکبری" کا مطالعہ کیا جائے[1]۔

"آب حیات" میں متعدد تاریخی فروگذاشتیں پائی جاتی ہیں، اور بعض ایسے بیانات ہیں، جن کی تصدیق ان کتابوں سے نہیں ہوتی جن کا حوالہ دیا گیا ہے، اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ آزاد نے ان کے بارے میں سُنی سُنائی روایات پر یا اپنے حافظہ پر اعتماد کیا، اور کتاب کی تصنیف کے وقت اصل ماخذ کی طرف رجوع کرنے کی زحمت گوارہ نہیں کی، یا ان کتابوں کے کسی شوشہ اور نقطہ کو اپنے گوہر بارِ قلم اور قوتِ متخیّلہ سے بڑھا چڑھا کر کہیں سے کہیں پہونچا دیا، وہ زمانہ کتابوں کی کم یابی کا تھا، اس لئے کوئی حیرت واستعجاب کی بات نہیں کہ اردو کے بعض بنیادی تذکرے ان کی نظر سے نہ گذرے ہوں، مثلاً اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ گئی ہے کہ میر تقی میر کا تذکرہ نکات الشعراء ان کی نظر سے نہیں گذرا، اور اس کے لئے "آبِ حیات" میں داخلی شہادتیں موجود ہیں[2]، صرف نکات الشعراء ہی نہیں، اندازہ ہوتا ہے کہ آزاد کی نظر سے مصحفی کا تذکرہ

---

[1] "گلِ رعنا" پیش لفظ ص ۱ [2] پیش لفظ ص ۱۳

بھی نہیں گذرا، یا کم سے کم "آب حیات" کی تصنیف کے وقت وہ پیشِ نظر نہیں تھا۔[1]

متعدد مقامات پر ان کے مذہبی جذبات یا ذاتی تعلقات، غیر جانب دارانہ تاریخ نویسی کے تقاضوں پر غالب آگئے ہیں،[2] اسی طرح سے "آبِ حیات" اپنے مصنّف کے دور تک بھی اردو شاعری کے تمام عہدوں کے باکمال شعراء کے پورے تذکروں پر حاوی نہ تھی، اور بہت سے ایسے شعراء و اساتذہ نظر انداز ہو گئے جو نظر انداز ہونے کے قابل نہ تھے، ان کی وفات کے بعد بھی ایسے شعراء پیدا ہوئے، جنھوں نے اردو شاعری میں ایک نیا رنگ اور آہنگ پیدا کیا، اس لئے ایک تصنیف کی ضرورت تھی جو اس کمی کو پورا کرے، اور اس عہد تک کے لئے ایک جامع تذکرہ کہلانے کی مستحق ہو۔"[3]

جولائی کے مہینہ میں عزیز گرامی مولوی اقبال احمد اعظمی نے جو انگلستان کے ایک موقّر اسلامی ادارہ (ISLAMIC FOUNDATION, LEICESTER) کے ایک فاضل کارکن اور اس کے دینی کاموں کے نگراں ہیں، راقم کی کتاب "قصص النبیین للأطفال" کے پانچوں حصوں کا بچوں کی سہل و شیریں انگریزی زبان میں مطبوعہ ترجمہ (STORIES OF THE PROPHETS) کے نام سے جو اس اعلیٰ طباعتی معیار کے مطابق ہے، جو انگلستان و لندن کی مطبوعات کے شایانِ شان ہے، دو نسخے مصنّف کے پاس بھیجے، "قصص النبیین" میں جو اصلاً عربی زبان میں لکھی گئی، بچوں کی تعلیم کے

---

[1] پیش لفظ ص ۱۶ [2] پیش لفظ ص ۱۸ اس کی مثالوں اور نمونوں کے لئے ملاحظہ ہو ص ۱۸ - ص ۲۳ [3] پیش لفظ ص ۱۳

www.abulhasanalinadwi.org

جدید ترین طریقہ کے ساتھ (کہ کم سے کم الفاظ کا استعمال ہو اور وہ بار بار آئیں) اسلام کے بنیادی عقائد (توحید، رسالت، معاد) کو حکایات اور ان سے حاصل ہونے والے نتائج (جن کو بچے بھی اپنی چھوٹی عمر اور سادہ ذہن سے اخذ کرسکتے ہیں) اور ذہنی اثرات کے ذریعہ ذہن نشین کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم نے (جنھوں نے اپنی صاحبزادیوں کو یہ کتاب خود پڑھائی) اس سلسلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "یہ بچوں کا علم کلام ہے" اس سلسلۂ قصص پر مشہور عرب مفکّر و مجاہد و اہلِ قلم سید قطب شہیدؒ کا مقدمہ یا تقریظ ہے، جس میں انھوں نے صفائی سے اظہار کیا ہے کہ "یہ سلسلہ مصر کی وزارت تعلیم کے مرتّب کرائے ہوئے، اس دینی سلسلۂ قصص سے زیادہ کامیاب اور مفید ہے، جس کی ترتیب و تالیف میں وہ خود شریک رہے ہیں"، حجاز کے گذشتہ سفر میں (جو فروری ۱۹۹۰ئ میں ہوا تھا) روسی ترکستان کے علماء کے ایک وفد سے معلوم ہوا کہ تاشقند (قدیم شاش) کے مدارس میں بھی یہ سلسلہ پڑھایا جاتا ہے، چین کے بعض مقامات کے بارے میں بھی ایسے ہی اطلاع ملی ہے۔

ابھی اس معیاری انگریزی ترجمہ کے شائع ہونے پر جس کی مدّت سے آرزو تھی، خوشی ختم نہیں ہوئی تھی کہ صدیق عزیز و مکرم حسن الامرانی (مراکشی) نے اس سلسلہ کے فرانسیسی ترجمہ کا ایک مطبوعہ نسخہ بھیجا، جس پر مشہور فاضل محقّق ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حیدرآبادی مقیم پیرس کا مقدمہ لکھی ہے۔

دنیا کی ان دو وسیع ترین زبانوں میں جن کے بولنے والے اکثر یا تمام تر غیر مسلم ہیں اس خالص اسلامی، دعوتی و تربیتی و نفسیاتی انداز پر مسلمان بچوں کے

www.abulhasanalinadwi.org

ذہنی نشو و نما کے لئے لکھے ہوئے سلسلہ کے ترجمہ و طباعت پر بے بضاعت مصنّف کو جتنی مسرت ہونی چاہیئے تھی وہ قدرتی ہے، اسی کے ساتھ اس کے ذہن نے (جس کے لئے وہ معافی چاہتا ہے) بلاد عربیہ پھر دوسرے غیر مسلم ممالک اور اُن ابتدائی مدارس کا جو اپنے بارے میں کوئی بڑا دینی و تبلیغی دعویٰ نہیں کرتے طرز عمل اور قدر دانی کا اپنے ملک کے ان کثیر التعداد دینی عربی مدارس و مکاتب کے طرز عمل سے مقابلہ کیا جنھوں نے اس سلسلہ کو کوئی اہمیت نہیں دی[1]، اور وہ بدستور عربی زبان سکھانے والی ان کتابوں سے کام لے رہے ہیں، جن میں کوئی دینی روح اور دین آموزی کی صلاحیت نہیں ہے، اس پر راقم کو بے اختیار نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ مرحوم مصنّف "گلشن بے خار" کا شعر مجبوراً لکھنا پڑتا ہے ؎

جو بات میکدہ میں ہے اک اک زبان پہ
افسوس مدرسہ میں ہے بالکل نہاں ہنوز

عالمِ عربی کا تازہ المیہ ــــ اور اس کا دینی، اخلاقی، اصولی و دعوتی نقطۂ نظر سے مطالعہ و جائزہ

ماہ جولائی ۱۹۹۰ء کے آخر تک "پیام انسانیت" کا کام (اپنے محدود امکانات و وسائل کے ساتھ) سرگرمی سے ہو رہا تھا، ۱۷ مارچ ۱۹۹۰ء کو دہلی کا تاریخی بلکہ تاریخ ساز کنونشن اور ۲۱ جولائی کو لکھنؤ کا کامیاب جلسہ

---

[1] اس سے وہ عربی مدارس و مکاتب مستثنیٰ ہیں، جن کا دارالعلوم ندوۃ العلماء سے الحاق ہے، نیز بعض دوسرے مدارس جنھوں نے اس سلسلہ کو اپنے نصاب میں داخل کیا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اس کا ایک نمونہ تھے، ملک کے متعدد بڑے شہروں اور اہم مقامات پر بھی "پیام انسانیت" کا جلسہ منعقد کرنے کے تقاضے اور مطالبے آرہے تھے، اور لوگ اس کے مشتاق تھے، اس تحریک کی غیر مسلم دانشوروں، صاف ذہن کے سیاسی رہنماؤں اور صاحبِ ضمیر برادرانِ وطن میں اچھی خاصی پذیرائی تھی، اور اس کے روشن امکانات تھے کہ ملک کا ضمیر جاگ اٹھے، اور اس غیر فطری صورت حال کو (جو فرقہ وارانہ فسادات اور خوں ریزی کی شکل میں ظاہر ہورہی تھی) تبدیل کرنے کی سنجیدہ اور منظم کوششیں کی جائیں۔

اسی کے ساتھ (ملّتِ اسلامیہ ہندیہ کے حال و مستقبل کے لحاظ سے) ایک بڑی کامیابی کی بات اور خوش آئند پہلو یہ تھا کہ مسلمان اس ملک میں ایک بار پھر داعیِ حق، محافظِ انسانیت اور معلّمِ اخلاق کی حیثیت سے سامنے آئے تھے، جس سے یہ امید کی جاسکتی تھی کہ مسلمانوں کو اس ملک میں پھر بجا طور پر قیادت کا مقام حاصل ہو، اور ان کو ملک کا نجات دہندہ، اور اس کو تباہی سے بچانے والا باور کیا جائے کہ خدمتِ انسانیت اور سچی حُبّ الوطنی کا یہ محاذ عرصہ سے خالی تھا، اور مسلمان جو خدا کے "ربّ العالمین" ہونے اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے "رحمۃٌ للعالمین" ہونے پر عقیدہ رکھتے ہیں، اس محاذ پر سب سے زیادہ کامیاب ہو سکتے ہیں، اور اس جدوجہد کے نتیجہ میں ان کے بارے میں ان سب غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کا پردہ چاک ہو جائے، جو غلط تاریخ اور سیاسی اغراض نے ڈال دیا ہے، اسی کے ساتھ ملک بھی اس خطرہ سے بچ جائے گا، جو فرقہ وارانہ فسادات، ظلم و سفّاکی، اور خدا کے غضب کو بھڑکانے والے افعال و واقعات کی وجہ سے

www.abulhasanalinadwi.org

اس کے سر پر منڈلا رہا ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی خوش آئند اور امید افزا تھی کہ عالم عربی جو اسلام کا داعی اول، مقاماتِ مقدسہ کا امین و متولی اور احترام انسانیت، عدل و مساوات اور امن و سکون کی دعوت و کوشش کی پہلی کامیاب تجربہ گاہ ہے، عرصۂ دراز سے امن و سکون، باہمی اعتماد و احترام اور خوش حالی و رفاہیت کی زندگی گذار رہا ہے، اور وہ ہر وقت اس حال میں ہے کہ دنیا کو پھر احترامِ انسانیت، بقائے باہم، اور ایک دوسرے کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کرنے کی دعوت دے اور اس کے لئے عالمی اسٹیج پر آئے، اور پھر انسانیت کے امام و قائد کا منصب سنبھالے۔

جولائی ۱۹۹۰ء کے اخیر تک یہی صورت حال قائم تھی، امیدوں کے چراغ روشن تھے، اور اصلاح و دعوت کا کام کرنے والوں کے سر اونچے اور نگاہیں بلند تھیں کہ اچانک ۲/ اگست کو ایک ایسا واقعہ پیش آیا، جس سے نہ صرف احترام اور حفاظتِ انسانیت کی دعوت دینے والوں کے بلکہ پوری ملّتِ اسلامیہ کے (ہندوستان کے اندر اور ہندوستان کے باہر) سر خم، آنکھیں نیچی اور پیشانی عرق آلود ہو گئی، راقم کو اسلامی تاریخ کے ایک طالب علم اور مصنف کی حیثیت سے یاد نہیں کہ صدیوں سے مسلمانوں کو من حیثُ القوم ایسی شرمندگی اور ذلّت کا سامنا کرنا پڑا ہو، واقعہ کی سنگینی اس وجہ سے اور بڑھ جاتی ہے کہ یہ واقعہ بلادِ عربیہ میں پیش آیا، جہاں سے احترامِ انسانیت، عدل، احسان شناسی اور شرافت اور کمزور کی حمایت و حفاظت کی عالمی تحریک

www.abulhasanalinadwi.org

ودعوت نمودار ہوئی تھی، راقم کی مراد عراق کا کویت پر اچانک حملہ ہے، جو ایک صاعقہ اثر خبر کی طرح دنیا کے ذرائع ابلاغ و پریس نے نشر کی، اس واقعہ کی سنگینی اور اس کے انسانی اور اسلامی ضمیر پر بار ہونے کے متعدد وجوہ تھے۔

۱۔ عراق کے جیسے بڑے اور طاقتور ملک نے جو حال ہی میں ایران جیسے عظیم و وسیع ملک سے جنگ میں کامیاب ہو چکا تھا، کویت کی جیسی چھوٹی ریاست پر حملہ اور اس پر قبضہ کر کے ایک ایسی خراب نظیر قائم کی جو نہ صرف یہ کہ اسلام کی اخلاقی تعلیم و روایات سے مطابقت نہیں رکھتی، بلکہ انسانی ضمیر اور اصول اخلاق کے لحاظ سے بھی ایک مذموم اقدام اور "قزاقی" کے مرادف ہے، پھر اس میں مزید سنگینی کا پہلو یہ ہے کہ حملہ آور ملک اور جس علاقہ پر حملہ کیا گیا، دونوں مسلمان بھی ہیں اور عرب بھی، مزید برآں یہ کہ ایک ایسے ملک نے اس ریاست پر حملہ اور اس پر قبضہ کیا، جس نے قریب ترین ماضی میں اس کی فیاضانہ مدد کی تھی، اور جس کا کوئی ایسا قصور نہ تھا جس کی اس کو اس طرح سزا دی جائے۔

۲۔ پھر عراق کے کویت پر اس کامیاب حملہ اور قبضہ کے نتیجہ میں وہ ساری قباحتیں اور شرمناک واقعات پیش آئے، جن کا ایسے حملے اور فتوحات میں حملہ آور فوجوں کے ہاتھوں تجربہ کیا گیا ہے، اور جس کو قرآن مجید نے ملکۂ سبا کی زبان سے ادا کئے ہوئے لفظوں میں نقل کر کے قیامت تک کے لئے اس کی صداقت پر مہر لگا دی ہے:۔

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا	بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے
قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا	ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں، اور

www.abulhasanalinadwi.org

اَعِزَّۃَ اَھْلِھَا اَذِلَّۃً ج — وہاں عزت والوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں اور اسی طرح یہ بھی
وَکَذٰلِکَ یَفْعَلُوْنَ ○ — کریں گے۔
(سورۃ النمل۔۳۴)

۳۔ پھر عراق کے فوجی قائد و حکمراں صدّام حسین نے ایران کی ان سب شرطوں اور دعاوی کو جن کی بنا پر ایران سے سالہا سال ایک طویل اور خوں ریز جنگ ہوتی رہی جس کے نتیجہ میں طرفین کے لاکھوں آدمی لقمۂ اجل بنے، اپنے "کارنامہ" پر خود پانی پھیر دیا، اور ان لاکھوں مقتولین کے ساتھ ناانصافی کی جو اس جنگ میں مارے گئے، اور جن کے متعلق پوچھا جا سکتا ہے کہ "بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ"[1] ہم جب قرآن مجید کی یہ آیت پڑھتے تھے :۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ — اور جو انھوں نے عمل کئے ہوں گے
عَمَلٍ فَجَعَلْنٰہُ ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا ○ — ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے تو ان کو اُڑتی خاک کر دیں گے۔
(سورۃ الفرقان۔۲۳)

تو سمجھتے تھے (اور یہ صحیح بھی ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آخرت کے انجام اور بہت سے لوگوں کے ساتھ (جنھوں نے رضائے خداوندی کے لئے صحیح اصولوں پر کارنامہ انجام نہیں دیا) اپنے معاملہ اور جزا کا ذکر کیا ہے، معلوم ہوا کہ یہ دنیا میں بھی پیش آسکتا ہے، اور خود صاحبِ عمل اپنے عمل کے ساتھ یہ معاملہ کر سکتا ہے کہ وہ کوئی متضاد طرزِ عمل اختیار کر کے اپنے کارنامہ پر پانی پھیر دے

---

[1] سورۃ التکویر۔ ۹۔ برطانیہ کے وزیر خارجہ نے غالباً یہ بات کہی کہ پھر ان مقتولین کا کیا قصور تھا، جو اس جنگ میں مارے گئے، کیا یہ ان کے ساتھ ناانصافی نہیں ہے؟

www.abulhasanalinadwi.org

اور اس کو گرد و غبار بنا دے۔

۴۔ صدّام حسین کی قوتِ ارادی، کامیاب فوجی تنظیم اور قیادت سے بعض حلقوں میں یہ امید قائم ہونے لگی تھی، کہ شاید وہ عالم عربی کی قیادت کے اس خلا کو پُر کر سکیں جو عرصہ سے پایا جاتا ہے، اور خدا ان سے کوئی ایسا کام لے جس کے ذریعہ مسلمانوں اور عربوں کی عزّت بحال ہو، اور تعجب نہیں کہ وہ اپنی تمام توجہات صلاحیتوں اور امکانات کو جمع کر کے اسرائیل کے خلاف محاذ آرا ہوں، اور شاید خدا ان کو اس کی توفیق دے کہ وہ پورے اخلاص اور خدمتِ اسلام کے اس جذبہ کے ساتھ جو السلطان المظفّر البطل الناصر لدین اللہ صلاح الدین الیوبی رحؒ کے سینہ میں موجزن تھا، اور جس پر اللہ تبارکؒ و تعالےٰ کی طرف سے کھلی ہوئی نصرت ہوئی، وہ مسجد اقصیٰ اور فلسطین کو واپس لینے اور اسرائیل سے صف آرائی کی کوشش کریں، لیکن یہ موقعہ نہیں آیا تھا کہ انھوں نے بجائے اسرائیل کے ممالک عربیہ اسلامیہ کے اندر ایک نیا محاذ کھول دیا، اور اپنے بارے میں مسلمانوں کے اعتماد و توقعات کو متزلزل بلکہ ختم کر دیا۔

۵۔ کویت پر اس حملہ، اور عرب و مسلمان سربراہان مملکت اور قائدین کے مشوروں اور اندیشوں سے بالکل کان بند کر لینے سے یہ خطرہ بھی پیدا ہو گیا کہ خدانخواستہ وہ کہیں جزیرۃ العرب اور مملکت سعودیہ کی طرف (جو حرمین شریفین کی متولّی، خادم اور محافظ و امین ہے، اور جس نے حجاز مقدس میں امن و امان قائم کرنے حجّاج کی جان و مال کے تحفّظ، وسائل زندگی کی فراہمی، خاص طور پر پانی کی فراوانی اور آمد و رفت کی سہولت کے سلسلہ میں وہ تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے،

جس کی صدیوں کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی) طمع کی نگاہ نہ اُٹھائیں، اور وہ اُن کی حوصلہ مندی اور اقتدار پسندی کا نشانہ نہ بن جائے، جو کسی فوجی کامیابی اور فوجی طاقت کی موجودگی میں کوئی ناقابل تصور اور ناممکن العمل چیز نہیں ہے، علامہ اقبالؔ نے اپنے اس شعر میں ایک بڑی تاریخی حقیقت بیان کی ہے، جس کی تصدیق خود عراق کے کویت پر حملہ کرنے سے بھی ہوتی ہے ؎

تاریخِ امم کا یہ پیامِ ازلی ہے
صاحب نظراں! نشۂ قوت ہے خطرناک

اس اندیشہ کے نتیجہ میں جو اقتدار پسندی کی تاریخ میں کوئی نایاب واقعہ نہیں، حکومت سعودیہ کو امریکہ اور برطانیہ سے مملکت کے تحفظ کے لئے فوجی امداد طلب کرنی پڑی، اور دنیا کے عام مسلمانوں بالخصوص اس برِّ اعظم کے مسلمانوں کو (جنھوں نے مغربی اقتدار کا تجربہ کیا ہے) اس موقعہ پر یہ تمنّا ہوئی کہ کاش خود مسلم ممالک اس قابل ہوتے کہ وہ جزیرۃ العرب اور حرمین شریفین کی حفاظت کے سلسلہ میں مملکت سعودیہ کے لئے اپنی بہترین خدمات پیش کر سکتے، اور اس کی حفاظت کو اپنے ملک کی حفاظت سے بھی زیادہ ضروری، اور قربِ خداوندی وخوشنودیٔ رسولؐ کا ذریعہ سمجھتے۔

۶۔ اگر عراق کے کویت پر حملہ کرنے اور کسی دوسرے عرب ملک کی طرف بھی حوصلہ مندی کی نگاہ اٹھانے کے جواز میں یہ کہا جائے کہ ان بلاد عربیہ اور ان خلیجی ریاستوں کی زندگی خود ایسے اقدامات اور تادیبی کارروائیوں کی عرصہ سے دعوت دے رہی تھی، اور یہ وہاں کی "مترفانہ" ومسرفانہ زندگی کا نتیجہ ہے، جس کی

www.abulhasanalinadwi.org

تصدیق قرآن وحدیث کے بیانات وتنبیہات سے ہوتی ہے، تو راقم معذرت کے ساتھ اور اضطراراً کہے گا کہ عربوں کی زندگی پر نہ صرف بلادِ عجم میں بلکہ عالمِ عربی میں بھی کسی نے اتنی تنقید نہیں کی اور اس کے بارے میں اتنی صاف گوئی اور جرءت سے کام نہیں لیا جس کی خدا نے اپنے اس گنہگار بندہ کو توفیق دی۔[1]

لیکن اس کا یہ علاج نہیں تھا کہ ایک بڑا ملک ایک چھوٹی ریاست پر ادھادھند حملہ کردے، اور اس پر بلا کسی اصلاحی مقصد اور دعوت کے اپنا قبضہ جمالے، اس کا علاج صحیح اسلامی دعوت وتحریک، احیائے دین کی سنجیدہ اور مخلصانہ کوشش، اپنی جگہ پر صحیح اسلامی نظامِ حکومت وطرزِ معاشرت کا قیام، صالح نظامِ تعلیم وتربیت (جو نئی نسل کو اسلام کے سانچہ میں ڈھالنے کی خدمت انجام دے سکے) اور ایک معیاری مثالی واسلامی معاشرہ اور ماحول کی موجودگی ہے جو دنیا کے لئے جاذبِ نظر اور قابلِ رشک ہو، افسوس ہے کہ حملہ آور عراق کے پاس (ہماری معلومات میں) ان میں سے کوئی امتیاز وخصوصیت نہیں پائی جاتی تھی، اس لئے اس کا کوئی شرعی واخلاقی جواز نہیں تھا۔

---

[1] اس کی تصدیق کے لئے ملاحظہ ہو راقم کے رسائل کے مجموعے "العرب والإسلام" (عرب واسلام کا باہمی تعلق) "إلى الاسلام من جديد" (عربو! اسلام کی طرف ازسرنو توجہ کرو اور اس کی قیادت سنبھالو) "المسلمون وقضيّة فلسطين" (مسلمان اور مسئلۂ فلسطین) "كيف ينظر المسلمون إلى الحجاز وجزيرة العرب" (مسلمانانِ عالم حجاز اور جزیرۃ العرب کو کس نظر سے دیکھتے ہیں اور کیا توقع رکھتے ہیں؟) نیز جدّہ کی تازہ ترین تقریر "حاجة العالم إلى مجتمع اسلامي مثالي افضل" (آج دنیا کی سب سے بڑی ضرورت ایک اسلامی، مثالی بہترین معاشرہ اور ماحول کی ہے) خاص طور پر اسکی ریڈیو کی تقریریں "اسمعي يا مصر!" "اسمعي يا سورية!" "اسمعي يا زهرة الصحراء! (الكويت)" "اسمعوها مني صريحة أيها العرب"

www.abulhasanalinadwi.org

جہاں تک راقم سطور کی حقیر ذات کا تعلق ہے، اس کے دل و دماغ پر اپنی شعوری زندگی میں کسی حادثہ کا ایسا اثر نہیں پڑا، جتنا اس حادثہ کا، اس لئے کہ تقدیر خداوندی اور توفیق الٰہی کے نتیجہ میں اس نے لکھنے پڑھنے اور خطابت و تحریر کی صلاحیت پیدا ہونے کے بعد سے اپنی محدود صلاحیتوں اور فرصتوں کا اصل میدان عالم عربی ہی کو بنایا، اور مخاطب عرب اقوام و ممالک کو، اس کی اکثر اہم تالیفات و تحریریں اصلاً و ابتداءً عربی ہی میں وجود میں آئیں، اور دوسری زبانوں میں ان کا ترجمہ ہوا، اس کو ایک اظہار حقیقت اور تحدیث بالنعمۃ کے طور پر اقبالؔ کے بلیغ الفاظ میں یہ کہنا پڑتا ہے ؎

مرا ساز گرچہ ستم رسیدۂ زخمہائے عجم رہا!
وہ شہیدِ ذوق وفا ہوں میں کہ نوا مری عربی رہی

اس لئے اس حادثۂ فاجعہ سے اور اس کے نتیجہ میں قریب کے عرب ممالک اور خاص طور پر جزیرۃ العرب کی محبوب سرزمین، مقامات مقدسہ اور حرمین شریفین کے لئے جو خطرات پیدا ہو گئے ہیں، اس سے دماغ کے ساتھ دل پر بھی ایک بڑی چوٹ لگی ہے کہ ع

اسی گھر میں جلایا ہے چراغِ آرزو برسوں

جہاں تک جزیرۃ العرب، حجاز مقدس اور حرمین شریفین (زادھما اللہ شرفاً و حرمۃً) کا تعلق ہے، ان کے مستقبل، اُن کی حرمت و عزت کی بقا اور اُن کی حفاظت کے غیبی سامان کی طرف سے مایوسی نہیں ہے کہ وہ اللہ کے اس آخری و عالمی دین کا مطلع و منبع بھی ہیں، اور ملجا و ماویٰ بھی اور قرآن و تاریخ شاہد ہے کہ

www.abulhasanalinadwi.org

وہ واقعۂ فیل اور ابرہہ کے لشکر کے حملہ کے بعد سے سلطنت عثمانیہ کے (جس کا سلطان وخلیفہ اپنے کو خادم الحرمین الشریفین کہنا اور سمجھتا تھا) ضعف وزوال اور مغربی طاقتوں کے اثر واقتدار کے بعد بھی وہ کس طرح محفوظ اور باعزّت رہے، اور مسلمان ان کی عزت وآبرو کو اپنے اہل وعیال اور اپنے ملک ووطن کی عزت وآبرو پر ترجیح دیتے رہے، اور آج بھی دنیا کے مسلمانوں کے کانوں میں اقبالؔ کے لفظوں میں یہ صدا آرہی ہے ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

خدا کی رحمت سے اس کا جو معاملہ اپنے آخری اور مقبول دین اسلام کے ساتھ رہا ہے، اور اس پر تاریخ شاہد ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ خوف وہراس اور شک وشبہ کی ان تاریکیوں میں سے سکون واطمینان، شرف وعزّت، دعوتِ حق وحفاظتِ انسانیت کی نئی روشنی طلوع فرمائے گا، اور اسلام کے ان داعیانِ اوّل اور حاملینِ قرآن اور حرم کے پاسبانوں سے پامال وتباہ حال انسانیت کا نمائندہ وترجمان یہ کہہ سکے گا۔ ؎

عالم ہمہ ویرانہ زچنگیزی افرنگ
معمارِ حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز!

لیکن اس کے لئے نہ صرف ممالک عربیہ کو بلکہ ممالک اسلامیہ اور مسلم معاشروں کو اپنی سیرت، اپنے طرزِ زندگی اپنے نظامِ حیات، اور اپنے اخلاق وکردار میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہوگی، اور ان کو اسلام کے سانچہ میں ڈھالنا ہوگا، اسلام کی

www.abulhasanalinadwi.org

صداقت وابدیت پر تیا ایمان ویقین، اوراس کے ابلاغ اوراس کا عملی نمونہ دکھانے کا عزم وجوش پیدا کرنا ہوگا، اور وہ زندگی اختیار کرنی ہوگی، جس پر اللہ کی طرف سے رحمت ونصرت کا وعدہ ہے، اوراس طرز زندگی اوراعمال واخلاق سے بچنا ہوگا، جو خدا کی رحمت ونصرت سے محروم کرنے والے ہیں۔ وصدق اللہ العظیم۔

وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ط — اور جو شخص خدا کی مدد کرتا ہے
إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ط — خدا اس کی ضرور مدد کرتا ہے،
(سورۃ الحج آیت ۴۰) — بیشک خدا توانا اور غالب ہے۔

زندگی کے چند مشغول ومغموم دن

عراق کے کویت پر حملہ کرنے اور قبضہ کر لینے کے نتیجہ میں دل ودماغ پر جو اثر تھا اسی کے دوران لکھنؤ میں چار[۴] اہم جلسوں کی تاریخیں آگئیں جن میں راقم سطور کو ذمہ دارانہ شرکت کرنی تھی، ایک ۱۹ر اگست کو ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کا جلسہ جس میں راقم کو بحیثیت ناظم ندوۃ العلماء شرکت کرنی اور سال رواں کی روداد پیش کرنی تھی، جو عرصہ کے بعد تفصیل وطوالت کے ساتھ لکھی گئی تھی، شکر ہے کہ روداد عراقی حملہ کی خبر آنے سے پہلے لکھ لی گئی تھی، ورنہ اس ذہنی اور قلبی تاثر کے دوران اس کا لکھنا بھی مشکل تھا، دوسری مجلس آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا جلسہ تھا، جو عرصہ کے بعد ایک اہم موقعہ پر دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی میں ۲۰ر اگست کو صبح ۹ بجے سے ہونے والا تھا، ٹھیک اسی وقت میں دینی تعلیمی کونسل کا بھی اجلاس تھا جس میں اس کے

عہدیدار، اہم ارکان اور کارکن شریک ہونے والے تھے، غلطی سے اور مشغولیت کے باعث دونوں اجلاس ایک وقت میں جمع ہوگئے، ایک کو دارالعلوم کے سلیمانیہ ہال میں منعقد ہونا تھا، دوسرے کو دینی تعلیمی کونسل کے دفتر واقع گولاگنج میں، مجھے دونوں میں شرکت کرنی تھی، مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی نے اس کا یہ حل نکالا کہ میں ساڑھے دس (۱۰½) بجے تک پرسنل لا بورڈ کے جلسہ میں شریک رہوں، اس کے بعد دینی تعلیمی کونسل کے جلسہ میں شرکت کے لئے شہر چلا جاؤں، چنانچہ اس پر عمل کیا گیا، چوتھا جلسہ مسلم مجلس مشاورت کا تھا جو ۱۲ اگست کو صبح دس۱۰ بجے سے مسلم مسافر خانہ واقع چار باغ میں منعقد ہو رہا تھا، راقم نے اپنی اس ذہنی اور قلبی کیفیت کے ساتھ چاروں میں شرکت کی اور گفتگو اور مشورہ میں حصہ لیا اور یہ چاروں اہم مجلسیں بخیر و خوبی انجام کو پہنچیں۔

اس مرتبہ ندوۃ العلماء کے جلسہ انتظامی میں شرکت کے لئے ارکان مجلس انتظامی کی نسبتاً بڑی تعداد شریک ہو رہی تھی، راقم نے مناسب سمجھا کہ مؤقر ارکان مجلس انتظامی کے علم و واقفیت اور اطمینان و مسرت کے لئے دارالعلوم کے ضروری حالات و تجربات، پیش رفت اور اقدامات کو قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کیا جائے، اس روئیداد میں سب سے پہلے اس تمہید کے ساتھ کہ "مدارس عربیہ کے بارے میں حال میں ذہن جس طرح دوسرے رُخ پر کام کرنے لگا ہے، اور ان کی ضرورت و افادیت جس طرح پھر ایک بار معرض بحث میں آگئی ہے، اور اُن کے بارے میں مشورہ دینے اور تجاویز پیش کرنے میں جس طرح طبع آزمائی اور خامہ فرسائی کی جانے لگی ہے، اس کے پیش نظر ضروری سمجھتا ہوں کہ ان مدارس دینیہ عربیہ

www.abulhasanalinadwi.org

کے بارے میں اپنی ایک سابقہ تحریر کا کچھ حصہ پہلے پڑھ کر سنا دوں" یہ حصہ وہ تھا جو دینی تعلیمی کنونشن منعقدہ لکھنؤ کے خطبۂ استقبالیہ کا ایک جزء تھا، اور جس میں آزاد دینی عربی مدارس کی موجودگی کی ضرورت اُن کے دعوتی و تربیتی کردار و کارنامہ اور ملّتِ اسلامیہ کے دین و شریعت کے ساتھ ربط اور وابستگی میں ان کی خدمات و کارنامے پر روشنی ڈالی گئی تھی۔[۱]

روداد میں دو حصے اور بھی اہم اور قابلِ توجہ تھے، ایک یہ کہ چونکہ ندوۃ العلماء کی تحریک کے بانی و ذمہ دار مدارس عربیہ کے نصاب کو ایک ذی نمو، ترقی پذیر حقیقت پسند اور تقاضائے وقت کو پورا کرنے والا، تعلیمی، تربیتی، دعوتی اور اختصاصی نظامِ تعلیم سمجھتے تھے، اس لئے نئی نصابی کتابوں کی ترتیب و تالیف کا کام اور اس میں تقاضائے وقت کے مطابق اضافہ و ترمیم کا کام جاری رہا اور جاری ہے، عرض کیا گیا کہ دارالعلوم نے عربی زبان و ادب، تمرین صرف و نحو اور تاریخ و ادب کے مضامین و نصابِ تعلیم میں اپنے کو خود کفیل بنا لیا ہے اور وہ اب مصر یا کسی عرب ملک کے نصاب کا محتاج اور رہینِ منّت نہیں ہے جس میں وہاں کے مخصوص حالات کی بنا پر دینی عنصر کی کمی اور تعلیمی علمانیت (EDUCATIONAL SECULARISM) کا غلبہ ہے، ہمارا عربی زبان و ادب کا یہ نصاب بلادِ عربیہ اور بلادِ مقدسہ میں بھی مقبول اور بعض حیثیتوں سے فائق ہے، اس نصاب کی خصوصیت یہ ہے کہ زبان کی صحت و حلاوت اور معلوماتِ عامہ

---

[۱] اس کنونشن کی مفصل روئیداد اور خطبۂ استقبالیہ کے اہم حصے "کاروانِ زندگی" کے اسی حصہ میں اپنے موقعہ پر آچکے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

کے ساتھ دین کا رنگ، عقیدہ و اخلاق کی تعلیم، اور اصلاح و تربیت کا فائدہ اس میں غالب اور نمایاں ہے۔

روداد کا دوسرا اہم جزء المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی کے قیام سے متعلق تھا، جس کے قیام کا مقصد طلبہ کو عام طور پر اپنے ملک میں اور خاص طور پر عالم عربی میں دعوت، صحیح اسلامی فکر پیش کرنے اور وہاں کے غلط رجحانات اور مکاتب فکر کے مقابلہ اور اس کی اصلاح کے کام کے لئے تیار کرنا ہے، الحمدللہ اس کے اچھے نتائج ظاہر ہوئے ہیں، اور اس کی توقع کی جاسکتی ہے کہ اس سے فارغ ہونے والے فضلاء (اگر توفیق الٰہی شامل ہوئی) ممالک عربیہ میں دینی دعوت کا تقریری، تحریری اور فکری طور پر کام کرسکیں گے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا جلسہ حسب معمول اس کے جنرل سکریٹری امیر شریعت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی کی موجودگی اور رہنمائی کی بنا پر پُرسکون سنجیدہ اور باوقار ماحول میں اختتام کو پہونچا، جیسا کہ اس وقت تک اس کی روایت اور معمول رہا ہے، موضوع اور مقصد سے تعلق رکھنے والے مسائل پر سنجیدگی اور اعتدال کے ساتھ غور کیا گیا اور تجاویز پاس ہوئیں، اور وہ ظہر تک جاری رہنے کے بعد اختتام پذیر ہوا۔[1]

مجلس مشاورت کے جلسہ میں جس میں راقم اپنی نقرس کی تکلیف کی وجہ سے آخر تک بیٹھ نہیں سکا، اور وہ اور مولانا منت اللہ صاحب ۱۲ بجے کے بعد صدر سے اجازت لے کر آگئے، وہی حال رہا جو مسلمانوں کی عام مجالس کی خصوصیت

---

[1] جلسہ کی مفصل روداد رسالہ "نقیب" پٹنہ وغیرہ میں شائع ہوچکی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

بن گیا ہے، یعنی جذبانیت، خطابت کا موقعہ لے موقعہ مظاہرہ، پھر بھی مجلس کچھ مثبت نتائج پر پہونچی، اور اس کے آئندہ اجلاس کے لئے اکتوبر کی ۷، ۸ تاریخ کو جلسہ کا انعقاد طے کیا گیا، ۲۱ ، ۲۲ ر اگست تک دونوں مجلسوں (جلسۂ انتظامی اور پرسنل لا بورڈ) کے ارکان و مدعوئین کا دارالعلوم میں قیام رہا، اور راقم کو اپنی اس ذہنی کیفیت کے ساتھ جس کا اوپر تذکرہ ہوا، ان کی ہم نشینی اور تبادلۂ خیال کا موقعہ ملا۔

بابری مسجد کے سلسلہ میں

گذشتہ صفحات میں محترمی جناب محمد یونس سلیم صاحب (حال گورنر بہار) اور جناب کرشن کانت صاحب (حال گورنر آندھرا پردیش) کی ان مساعی کا ذکر آچکا ہے جو بابری مسجد اور رام جنم بھومی کے مسئلہ کے ایسے تصفیہ کے سلسلہ میں جو فریقین کے لئے قابل قبول ہو مارچ ۱۹۹۰ء کے مہینہ سے جاری ہیں، اس کے سلسلہ میں راقم سطور کا ان دونوں حضرات اور رفیق محترم مولانا عبدالکریم صاحب پاریکھ کی معیت میں ۱۸ ر مارچ کو مدراس کا سفر ہوا تھا، اور کانچی پورم میں وہاں کے شنکر اچاریہ جی سے تبادلۂ خیال ہوا تھا، ان دونوں محترم حضرات نے جو ایک ایک صوبہ کے گورنر اور ذمہ داریوں و مصروفیتوں میں گھرے ہوئے ہیں اپنی مساعی جاری رکھیں، اور جنوبی ہند کے دونوں عظیم مذہبی پیشواؤں سے رابطہ قائم رکھا جس کے لئے یہ دونوں حضرات قابل ستائش اور شکریہ کے مستحق ہیں۔

اگست کے تیسرے ہفتہ میں جب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے احاطہ اور

www.abulhasanalinadwi.org

شہر لکھنؤ میں چار اہم مجالس کا انعقاد طے ہو چکا تھا، اور چاروں میں راقم کو ذمہ دار کی حیثیت سے شرکت کرنی تھی، اچانک اطلاع ملی کہ دونوں گورنر صاحبان اس مسئلہ پر بات چیت کرنے اور کسی قابلِ قبول حل اور اطمینان بخش نتیجہ پر پہونچنے کے مشورہ کے لئے لکھنؤ تشریف لا رہے ہیں، مسئلہ کی اہمیت اور سنگینی کے پیش نظر اور اس کے مناسب طریقہ پر حل نہ ہونے کے نتیجہ میں جو خطرات درپیش ہیں، اُن کی آمد کا خیر مقدم کیا گیا، وہ دونوں حضرات تشریف لائے، گورنمنٹ ہاؤس میں ان کا قیام تھا، دو مرتبہ انھوں نے اسی مصروفیت کے دنوں میں دار العلوم تشریف لانے کی زحمت گوارہ کی، اور ۱۹ ر ۲۰ر اگست کو بعد مغرب کئی کئی گھنٹے دار العلوم کے مہمان خانہ میں مجھ سے اور مولانا عبد الکریم صاحب پاریکھ سے گفتگو کی، وہ اپنے ساتھ جو فارمولا لائے تھے وہ انھوں نے سامنے رکھا، میں نے یہ محسوس کرکے کہ یہ فارمولا بہت کچھ غنیمت ہونے کے باوجود شاید مسلمانوں کے لئے مکمل طور پر قابل قبول نہ ہو، اور ان کو جہاں تک حکومت و انتظامیہ کا تعلق ہے، اس کے ذمہ دار نہ ہونے کی وجہ سے مسجد کے تحفظ کا اطمینان نہ ہو، اس لئے کہ یہ سمجھوتہ مسلمانوں اور کانچی پورم کے دونوں شنکراچاریہ صاحبان کے درمیان تھا، جو اس کے تحفظ کی ذمہ داری اور اکثریت کے فرقہ کو مطمئن کرنے اور اس کی طرف سے کسی جارحانہ کارروائی کے نہ ہونے کی ذمہ داری لے رہے تھے، میں نے اس میں چند نقاط کا اضافہ کیا اور چاہا کہ حکومت اس کو محکمۂ آثار قدیمہ میں لے کر اس کے تحفظ کی پوری ذمہ داری قبول کرے اور یہ دونوں حضرات (شنکراچاریہ صاحبان) اس کے لئے اپنا پورا مذہبی اور اخلاقی اثر استعمال کریں، میں نے پیشتر کی طرح ان پر یہ بات واضح کردی کہ اس کے لئے

www.abulhasanalinadwi.org

بابری مسجد ایکشن کمیٹی کو مطمئن کرنے اور اس کو اپنے اعتماد میں لینے کی ضرورت ہوگی، اس کے بغیر پُرسکون اور پُراز اعتماد طریقہ پر مسئلہ کا حل اور فضا کا ہموار و معتدل ہونا مشکوک و مشتبہ ہے انھوں نے اس کی اجازت دی کہ میں ایکشن کمیٹی کے اہم و ذمہ دار حضرات سے رابطہ قائم کروں اور ان سے تبادلہ خیال کروں میں نے ان ہی مصروف دنوں میں لکھنؤ کے تین اہم حضرات کو جو اس مسئلہ میں قیادت کر رہے ہیں، اور دہلی کی دوسری ایکشن کمیٹی کے اہم ترین ذمہ دار صاحب کو جو مجلس مشاورت میں آئے ہوئے تھے، گفتگو اور تبادلۂ خیال کی دعوت دی اور وہ حضرات بھی دو مرتبہ تشریف لائے، اور کئی گھنٹے ان سے گفتگو رہی لیکن اس گفتگو اور بحث مباحثہ کے بعد بھی ہم کسی ایسے نتیجہ پر نہ پہونچ سکے جو حکومت کے لئے قابل قبول اور مسئلہ کے حل اور فضا کی درستی کا حامل ہو، معذرت کے ساتھ یہ لکھنا پڑ رہا ہے کہ ہم نے ان قابلِ احترام حضرات میں پیش آنے والے خطرات کا وہ صحیح احساس و ادراک اور اس حقیقت پسندی کی کمی محسوس کی جو واقعات پر نظر رکھنے والے اور اس سلسلہ میں مذہبی جذبات اور قومی وقار کے تحفظ کا جذبہ جس حد تک پہونچ چکا اس کے درجہ اور مقدار کو جاننے سے پیدا ہوتی چاہیئے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سامنے اپنے فریق کی طاقت اور صلاحیت اور اس کے عزائم اور ہمتوں کا وہ نقشہ ہے جو تجربات و حقائق کی دنیا میں اور مختلف مشکلات و مسائل کی موجودگی میں پچھلی تاریخ پر نظر رکھنے والے اور واقعات سے عملی نتیجہ نکالنے والے انسان کے لئے اتفاق کرنا مشکل ہے، چنانچہ دونوں محترم گورنر صاحبان کی اس سلسلہ میں طویل سفر، دلچسپی اور محنت اور ہماری

www.abulhasanalinadwi.org

شرکت کی خواہش اور فکر مندی کے باوجود مسئلہ وہیں کا وہیں رہا جہاں پہلے تھا۔

ایک ضروری سفر کا التواء

اگست ۱۹۹۰ء کے چوتھے ہفتہ میں تین سفروں کا پروگرام تھا، جو تین ۳ برّاعظموں (افریقہ، یورپ، اور ایشیاء) پر مشتمل تھا، ایک مغرب اقصیٰ کے مشہور مرکزی شہر الدار البیضاء (CASABALANCA) کا سفر جہاں رابطۂ ادب اسلامی کی ایک نشست تھی جس میں سعودی عرب کی شاخ کے بعض ارکان اور عرب فضلاء و ادباء شرکت کرنے والے تھے، اور بعض ذرائع سے معلوم ہوا تھا کہ شاہ مراکش (الملک حسن الثانی) بھی اس سے دلچسپی لے رہے ہیں، راقم سطور کے سفر کے لئے ان کی بھی خواہش اور اشارہ ہے، اس تقریب کے اصل داعی اور محرک رابطة الأدب الاسلامی کے ایک لائق اور متعدد و سرگرم رکن الأستاذ حسن الأمرانی تھے، ہندوستان میں واقع مراکشی سفارت خانہ نے اس سلسلہ میں بار بار راقم سے اور عزیزی مولوی محمد رابع حسنی سے ٹیلیفون کے ذریعہ رابطہ قائم کیا اور اس کا اطمینان دلایا کہ سفر کے سلسلہ کے سارے انتظامات موجود اور مکمل ہیں، اور اس کا بھی اشارہ کیا کہ شاہ مراکش بھی اس کے خواہشمند ہیں کہ یہ سفر کیا جائے۔

مراکش کے اس مذاکرۂ ادبی سے فارغ ہونے کے بعد انگلستان کا سفر کرنا تھا، جہاں ۲۹، ۳۰، ۳۱ اگست کو آکسفورڈ کے اس اسلامی سنٹر کی کمیٹی کا سالانہ جلسہ ہونا تھا، جس کا راقم صدر اور عزیزی رابع رکن ہیں، اس میں شرکت کے لئے متعدد عرب ارکان آکسفورڈ پہونچنے والے تھے، جن میں عالی مرتبت ڈاکٹر

www.abulhasanalinadwi.org

عبداللہ عمر نصیف (سکریٹری جنرل رابطۂ عالم اسلامی) اور ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن ترکی (وائس چانسلر جامعۃ الامام محمد بن سعود ریاض) کا نام لیا جاتا تھا، فاضل گرامی پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی پہلے ہی تشریف لے جاچکے تھے۔ میرے اور عزیزی رابع سلمہ کے نہ پہونچنے سے اس کا بھی اندیشہ تھا کہ شاید کورم پورا نہ ہو، اور سنٹر مفت میں زیر بار ہو، سنٹر کی طرف سے ہم دونوں کے ٹکٹ بھی آچکے تھے، جلسہ کی اہمیت اور افادیت اور کچھ دن معتدل اور خوشگوار موسم میں قیام و آرام کرنے اور اپنے مرض اور تکالیف کے سلسلہ میں انگلستان کے ڈاکٹروں سے مشورہ اور مدد حاصل کرنے کے امکان نے اس سفر کے مفید اور مناسب ہونے کے خیال کو تقویت بخشی تھی، اس سب سے بڑھ کر عزیز گرامی قدر ڈاکٹر فرحان نظامی کی خواہش اور اصرار کو دخل تھا، جو برابر ٹیلیفون سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھے۔

تیسرا سفر اور صحیح و بلیغ الفاظ میں اس طویل عالمی دورہ کا "نهاية المطاف" حجاز مقدس کا سفر تھا، ۲۱، ۲۲، ۲۳ / صفر۔ ۱۰ / ۱۱ / ۱۲ / ستمبر کی تاریخوں میں مدینہ طیبہ علی صاحبها الصلاة والسلام میں رابطۂ ادب اسلامی کی عالم عربی کی شاخ کا انتظامی و مشاورتی جلسہ تھا، جس میں شرکت کے لئے ریاض کے صدر دفتر کی طرف سے برابر تقاضہ اور اصرار ہو رہا تھا، اور جس نے اس پورے سفر کی قدر و قیمت کو بہت بڑھا دیا تھا، اور اس میں ایک روحانی اور جذباتی کشش بھی پیدا کر دی تھی۔

لیکن اس موقعہ پر سیدنا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ کے اُس حکیمانہ بلکہ مُلہمانہ مقولہ کی تصدیق ہوئی کہ عرفتُ ربّي بفسخ العزائم یعنی پختہ اور طے کردہ ارادوں اور منصوبوں کو خود فسخ کر دینے اور اس پر مجبور ہونے نے اس یقین و اعتقاد میں اضافہ کیا کہ

انسانی ارادوں اور کوششوں سے بالاتر ایک اور علیم طاقت اور صاحبِ امر و نہی ہستی ہے، جو ان ارادوں اور منصوبوں کو فسخ اور ملتوی و منسوخ کرا دیتی ہے، اور انسان خود اس پر رضامند ہو جاتا ہے، کچھ تو قدیم مرض نقرس (GOUT) میں اضافہ اور ترقی کی بنا پر جس کی وجہ سے چند قدم چلنا بھی مشکل ہو رہا تھا، لیکن زیادہ تر کویت پر عراق کے حملہ، اس سے پیدا شدہ خطرات اور امکانات، اور اس سے بڑھ کر قلب و اعصاب پر اس کا جو اثر پڑا تھا، اس نے سفر کے ملتوی کرنے پر مجبور کر دیا، اس کا اندیشہ ہوا کہ شاید کسی ایک اور پہلی ہی منزل پر آگے کے سفروں کو ملتوی کرنا پڑے، یا اپنے میزبانوں اور رفیق سفر کے لئے آزمائش کا سبب نہ بن جاؤں، چنانچہ تأسف اور احساس ندامت کے ساتھ سفر کو ملتوی کرنا پڑا اور داعیوں اور ذمہ داروں کو اس کی اطلاع دینی پڑی، حجاز کے سفر میں جو (جیسا کہ آگے کے سطور سے معلوم ہو گا، ستمبر میں کرنا پڑا) بعض عرب شرکاء اور ارکان رابطہ سے معلوم ہوا کہ الدار البیضاء میں راقم کی آمد کا بڑا انتظار اور اشتیاق تھا، اور شاہ مراکش (جو پہلے سے تعارف اور تعلق رکھتے ہیں) خود خیر مقدم کے لئے تیار تھے، جہاں تک آکسفورڈ کے اسلامک سنٹر کا تعلق ہے، اس کے جلسہ میں شرکت کے لئے میری طرف سے عزیز گرامی ڈاکٹر مولوی عبداللہ عباس ندوی میرے ایماء و خواہش پر بر وقت لندن پہونچ گئے تھے، اور میری طرف سے میرے دستخط کے ساتھ ایک کاغذ بھی لے گئے تھے، جس میں کسی ایسے موزوں اور ہمدرد آدمی کا نام بڑھایا جا سکتا تھا، جس کو سنٹر کے سکریٹری فرحان نظامی صاحب پسند کریں، اس طرح کورم پورا ہو جانے کی امید تھی، بعد میں معلوم ہوا کہ خلیج کے واقعہ کی وجہ سے اور رابطہ کی طرف سے اس مؤتمر کے انتظامات کی بنا پر جس کا ذکر

www.abulhasanalinadwi.org

آگے آئیگا، ڈاکٹر عبد اللہ عمر نصیف صاحب کو بھی سفر ملتوی کرنا پڑا، سعودی عرب سے صرف ڈاکٹر عبد اللہ عبد المحسن ترکی آسکے، لیکن کورم پورا ہو گیا، اور سنٹر کی کارروائی مکمل ہو گئی۔

حجاز مقدس کا سفر اور رابطہ کی مؤتمر میں شرکت

لیکن خدا نے ایک بار پھر اپنی قدرت دکھائی کہ جس نے اپنا سفر چند دن پہلے امراض اور ذہنی تاثر کی وجہ سے ملتوی کیا تھا، اس کو پھر بیرون ملک کے ایک دوسرے سفر کے لئے اپنے کو آمادہ کرنا پڑا، جو اگرچہ ملتوی شدہ سفر کے برابر طویل اور مختلف الجہات نہیں تھا، لیکن مصروفیت اور ذمہ داری اور نزاکت واہمیت کے لحاظ سے بڑھا ہوا تھا، ۲۱، ۲۲، ۲۳ ربیع الاول صفر (۱۰، ۱۱، ۱۲ ستمبر ۱۹۹۰ء) کو رابطہ عالم اسلامی (جس کا راقم بنیادی ممبر ہے) کے سکریٹریت نے خلیج کے حالات، عراق کے کویت پر حملہ و قبضہ اور مملکتِ سعودیہ کے سلسلہ میں اس کے اثرات وخطرات کے پیش نظر ایک عالمی کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا، اور اس کے لئے باصرار و بتاکید راقم کو شرکت کی دعوت دی، اور سعودی عرب کے ہندوستانی سفارت خانہ نے اس کے لئے انتظامات کئے، کچھ تو مسئلہ کی اہمیت اور حالات کی نزاکت کے پیش نظر اور کچھ اس خیال سے کہ راقم کو اس موقعہ پر واقعہ اور اس کے اسباب پر اپنے نقطۂ نظر اور مطالعہ کی روشنی میں تبصرہ کرنے اور بعض حقائق وضروریات پر متوجہ کرنے کا موقعہ ملے گا، اور اسی کے ساتھ اس سے بھی انکار نہیں کہ اس موقعہ پر اس کی غیر موجودگی (خواہ کسی اہم مانع کی بنا پر پیش آئی ہو) بہت محسوس کی جائیگی، اور آئندہ اس کو مملکت میں اپنے دعوتی و فکری کام

www.abulhasanalinadwi.org

کرنے میں دشواریوں اور تشکوک کا سامنا کرنا ہوگا، سفر کا فیصلہ کرنا پڑا، تقدیر الٰہی سے مرض میں بھی کچھ تخفیف ہوگئی تھی، اور سفر کی ہمت کی جا سکتی تھی، راقم نے اس مؤتمر کے خیال سے الگ ہوکر اور اس کی دعوت و اطلاع سے پہلے اس موضوع پر ایک مبسوط مقالہ "عالم عربی کا تازہ المیہ، اس کا دینی، اخلاقی، اصولی اور دعوتی نقطۂ نظر سے مطالعہ و جائزہ" کے عنوان سے اردو میں قلم بند کر لیا تھا[1]، جب مؤتمر میں شرکت کا فیصلہ کیا تو خواہر زادۂ عزیز مولوی سید محمد واضح رشید ندوی، استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء اور مدیر رسالہ "الرائد" (عربی) کے (جو ہندوستان کے چند ممتاز ترین عربی کے مقالہ نگاروں اور اہل قلم میں ہیں) حوالہ کیا کہ اس کو عربی میں منتقل کر دیں، کہ میں خود اگر اس کا ترجمہ کروں گا تو اس میں تغیر اور حذف و اضافہ کا خطرہ ہے جس کے لئے وقت نہیں ہے، اور اپنے ہی مقالہ کا ترجمہ کرنا لکھنے والے کو مشکل ہوتا ہے، انھوں نے ایک ہی نشست میں اور بہت تھوڑے وقت میں اس کا نہایت برجستہ اور شستہ ترجمہ مکمل کر دیا اور ان کے فرزند عزیز سید جعفر مسعود حسنی ندوی نے اس کی تبییض کر دی، اس طرح ایک ایسے اہم دینی کام میں جس کا تعلق عالم عربی اور حرمین شریفین سے تھا، اسی عربی النسل اور حسنی النسبت خاندان کے تین افراد نے یہ کام انجام دے کر حجاز اور وطن عربی کو یہ کہنے کا موقعہ فراہم کیا کہ "بضاعتنا ردت إلینا"

رابطہ کے سکریٹریٹ اور حکومت سعودیہ نے ہندوستان کی بہت سی اہم دینی

---

[1] یہ مقالہ بجنسہ پچھلے صفحات میں آچکا ہے، انٹلکچول فورم لکھنؤ کی طرف سے بھی علیحدہ رسالہ کی شکل میں بعض اضافوں کے ساتھ شائع ہوگیا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

شخصیتوں علماء اور زعماء اور مختلف جماعتوں و اداروں کے سربراہوں کو دعوت دی تھی، راقم نے اس میں مخدومی مولانا سید منّت اللہ صاحب رحمانی امیر شریعت بہار واڑیسہ و جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، اپنے قدیم و مسلسل رفیق کار مولانا عبدالکریم پاریکھ ناگپوری، اور پروفیسر ضیاء الحسن صاحب فاروقی (ڈائرکٹر ڈاکٹر ذاکر حسین انسٹیٹیوٹ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی) اور عزیزی محمد رابع ندوی کا اضافہ کیا جو راقم کے مستقل رفیق سفر اور معاون ہوتے ہیں، رابطہ نے ان حضرات کو بھی فہرست میں شامل کیا اور ان کے سفر کا انتظام کیا، عزیز گرامی مولوی ولی رحمانی فرزند مولانا منت اللہ صاحب رحمانی اپنے والد محترم کے (جن کی صحت عرصہ سے بہت متاثر اور کمزور چل رہی ہے اور ضعف بڑھا ہوا ہے) معاون اور رفیق سفر کی حیثیت سے شریک قافلہ ہوئے۔

راقم ۷ ستمبر کو بذریعہ ٹرین لکھنؤ سے روانہ ہو کر صبح ۸ ستمبر کو دہلی پہونچ گیا، اسی شام کو سعودی جہاز سے جدّہ کے لئے روانگی تھی، دہلی کے ہوائی اڈہ پر جب پہونچا ہوا تو دیکھا کہ ہندوستانی علماء و زعماء اور نمائندوں کی ایک کثیر جماعت ہوائی اڈہ پر موجود ہے، اور اسی جہاز سے سفر کرنے والی ہے، میں نے اور میرے دونوں رفیقوں عزیزی محمد رابع، اور مولانا عبدالکریم پاریکھ نے دہلی ہی سے احرام باندھ لیا تھا، اور ہوائی اڈہ ہی پر احرام کی دو رکعت پڑھ کر عمرہ کی نیت کر لی تھی، عالی مرتبت سعودی سفیر فواد صادق مفتی مہمانوں کو رخصت کرنے کے لئے ہوائی اڈہ پر تشریف لائے، اور مسافروں کو الوداع کہی، جہاز کو پونے آٹھ بجے روانہ ہونا تھا لیکن ریاض سے اس کی آمد میں تاخیر ہو جانے کی وجہ سے وہ

www.abulhasanalinadwi.org

تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تاخیر سے روانہ ہوا، ریاض میں جہاز بدلا جاتا ہے، اس میں بھی کچھ تاخیر ہوئی، محب عزیز محمد عثمان صاحب حیدرآبادی (انجینیر ایرپورٹ) حسب معمول جدّہ سے ریاض خاص طور پر میری مدد اور سہولت بہم پہونچانے کے لئے تشریف لائے تھے، ان کی وجہ سے مجھے کچھ کرنا نہیں پڑا، ہوائی اڈہ کی ساری کارروائی انھوں نے مکمل کرادی، اور ہم آرام سے دوسرے جہاز پر سوار ہو گئے، لیکن اس غیر معمولی تاخیر کی وجہ سے جہاز سعودی عرب کے حساب سے رات کے ۱۲ بجے پہونچنے کے بجائے صبح ۴ بجے کے قریب اس وقت پہونچا جب اذان صبح میں تھوڑی ہی دیر تھی، ہمارے مخلص اور مہربان میزبان الحاج محمد نور عبدالغنی محمد نور ولی اور عزیزی محمد ولی عبداللہ نور ولی لینے کے لئے آگئے تھے، وہ اپنی موٹر پر لے کر اپنی قیام گاہ پر لے گئے، جہاں کچھ ہی دیر کے بعد فجر کی نماز ادا کی اور آرام کیا۔

مکہ معظمہ کا قیام اور رابطہ کی مؤتمر

۹ ستمبر ۱۹۹۰ء (۲۰ صفر ۱۴۱۱ھ[1]) کو ہم لوگ مکہ معظمہ میں تھے، ہیں چونکہ تقریباً ساری رات کا جگا اور تھکا ہوا تھا، اس لئے نماز فجر کے بعد دیر تک آرام کیا، اگلے ہی روز (۱۰ ستمبر، ۲۱ صفر دوشنبہ سے) مؤتمر کا آغاز ہونے والا تھا، اس لئے اسی دن یکشنبہ ۹ ستمبر کو عمرہ کی ادائیگی سے فارغ ہونا ضروری تھا، سالہا سال سے

---

[1] یہ ملحوظ رہے کہ سعودی عرب اور ہندوستان کی قمری تاریخ میں دو دن کا فرق تھا اور اس دن ہندوستانی حساب سے ۱۸ صفر تھی۔

www.abulhasanalinadwi.org

...... عزیز گرامی سید حسن عسکری طارق (جو مدینہ طیبہ کے ٹیلیفون کے محکمہ میں ملازم ہیں) اس موقعہ پر معاون بلکہ مکہ معظمہ میں مُعلّم اور مدینہ طیبہ میں مُزوّد کا فرض انجام دیتے ہیں، وہ اسی دن مدینہ طیبہ سے جدّہ آگئے تھے، ہم لوگ اوّل وقت نماز عصر پڑھ کر مکہ معظمہ کے لئے روانہ ہوئے، پہلے اپنی جائے قیام عزیز گرامی قدر ڈاکٹر مولوی عبد اللہ عباس ندوی کے مکان پر جو شارع منصور کی پشت پر مسجد الرحمۃ کے بالمقابل ہے، سامان رکھا اور حرم شریف جانے کی تیاری کی، بعد نماز مغرب طواف سے فارغ ہو کر بعد نماز عشا سعی مکمل کرلی، اور حلق سے فارغ ہو کر جائے قیام پر آکر غسل اور تبدیل لباس کیا۔ والحمد للہ علی ذالک۔

اگلے دن دوشنبہ ۲۱ر صفر (۱۰ ستمبر) کو صبح دس بجے سے مؤتمر کا افتتاح ہونا تھا، یہ پہلے سے عزیز گرامی ڈاکٹر یونس نگرامی سے دہلی ہی میں (سعودی سفیر صاحب کے حوالہ سے) معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے پہلے ہی افتتاحی اجلاس میں میرے مقالہ کا پروگرام رکھا گیا ہے، مکہ معظمہ میں بھی اس کی تصدیق ہوئی، ہم لوگ رابطہ کی نئی عمارت کے وسیع و شاندار ہال میں پہونچے تو ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا معلوم ہوا کہ صرف مدعو اور بیرونی حضرات میں (جو اپنے اپنے ممالک میں کسی نہ کسی امتیاز کے حامل اور معروف شخصیتیں ہیں) آنے والوں کی تعداد ۱۵۳ تک پہونچتی ہے[1]، ان میں عرب ممالک میں سے مصر، شام، سوڈان، تونس، امارات، کویت، مراکش، مغرب، بحرین،

---

[1] یہ تعداد مہمانوں کی اس فہرست کو دیکھ کر لکھی گئی ہے جن کے نام اپنے ملک کی نسبت کے ساتھ درج فہرست ہیں اور وہ حکومتِ سعودیہ کے مہمان کی حیثیت سے ہوٹل میں مقیم ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

عمان، لبنان، کے مندوبین تھے، دوسری طرف غیر عرب مسلم ممالک میں سے ہندوستان پاکستان، افغانستان، بنگلہ دیش، ترکی، ملیشیا، صومال، انڈونیشیا، اور مالدیپ کے نمائندے تھے، غیر عرب اور غیر مسلم ممالک میں جرمنی، برازیل، امریکہ، ڈنمارک، نائیجیریا، ہالینڈ، آئرلینڈ، برطانیہ، سوویت روس، کینیڈا، نیپال، سنگاپور، سوئیڈن، یوگنڈا، گینیا، آسٹریا، جاپان، آسٹریلیا، اتھوپیا، سینگال، کینیا، یوگوسلاویا، جنوبی کوریا، فلپائن، پرتگال، تھائی لینڈ، جنوبی افریقہ، ہنگری، ٹرینداد کے نمائندے تھے، جو سب کے سب مسلمان اور اپنے اپنے ملکوں میں دعوت وتعلیم کا کام کرنے والے اور اسلامی اداروں کے ذمہ دار تھے۔

اسٹیج پر سعودی عرب کی سب سے بڑی علمی و دینی شخصیت شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز (رئیس ادارات البحوث الاسلامیہ۔ والافتاء، والدعوۃ والارشاد وصدر رابطۃ العالم الاسلامی) رونق افروز تھے، اُن کے ساتھ شیخ الازہر شیخ جاد الحق علی جاد الحق، افغانستان کی عبوری حکومت کے وزیر اعظم شیخ عبدرب الرسول سیاف[1] اور اس راقم کو جگہ دی گئی تھی، اوران کی تقریروں اور مقالات کا پروگرام تھا،

---

[1] ناظرین کو یاد ہوگا کہ راقم کا ۱۹۷۳ء میں رابطہ کے وفد کے صدر کی حیثیت سے جب کچھ مسلم ممالک کا سفر ہوا تھا جس کی ابتدا افغانستان سے ہوئی تھی، تو استاذ عبدرب الرسول سیاف (جو اس وقت عبدالرسول سیاف کے نام سے مشہور تھے، اور کابل یونیورسٹی کے ایک اہم استاد تھے) وفد کو حکومت افغانستان کی طرف سے ترجمان کی حیثیت سے دیئے گئے تھے، راقم کی ساری عربی تقریروں کا ترجمہ وہی کرتے تھے، اس تعارف کی بنا پر وہ بڑھ کر ملے اور مصافحہ کیا، ان کے ساتھ افغانی وفد میں استاد برہان الدین ربانی اور قطب الدین حکمت یار بھی تھے۔

www.abulhasanalinadwi.org

رابطہ کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف جلسہ کو کنڈکٹ کر رہے تھے۔

تلاوت قرآن کے بعد شیخ عبدالعزیز بن الباز نے مؤتمر سے خطاب کیا، پھر شیخ الازہر شیخ جاد الحق نے اپنے مقالہ کو سامنے رکھ کر مختصر تقریر کی، استاذ عبدربّ الرسول سیّاف نے عربی میں ایک پُرزور مقالہ پڑھا، جس میں اس کی طرف بھی اشارہ تھا، کہ حرمین شریفین کی حفاظت اور مملکتِ سعودیہ کی خدمت کے لئے (جو ان کی خادم وامین ہے) افغانی مجاہدین سینہ سپر ہونے کے لئے تیار ہیں، اور وہ اس کے لئے ہر قربانی دے سکتے ہیں۔

سیّاف صاحب کے بعد میں نے اپنا وہ مقالہ پڑھا جس کا اردو متن پچھلے صفحات میں بجنسہٖ آچکا ہے، یہ مقالہ بڑے سکون وطمانیت کے ساتھ سنا گیا، اس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس کا مرکزی نقطہ اور استدلال عراق کے اس ناروا اور غیر اسلامی اقدام کی مذمت کسی حکومت کی تائید یا مخالفت پر مبنی نہیں تھا، اس کا آغاز اس سے کیا گیا تھا کہ اس مجرمانہ اقدام نے اسلام کے دعوتی واخلاقی پہلو کو سخت نقصان پہونچایا ہے، اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے وہ نہ صرف "بدنامی" بلکہ "بدنمائی" کا باعث ہوا ہے، اور خاص طور پر ان ملکوں کے مسلمانوں کو جو عظیم غیر مسلم آبادی کے ساتھ طویل زمانہ سے زندگی گزار رہے ہیں، اور اس کے سامنے اسلام، اس کی تعلیمات، سیرت نبوی ؐ اور عہدِ اول کے مسلمانوں کے طرزِ عمل اور کردار کو بطور نمونہ پیش کرتے ہیں، یہ دشواری پیش آگئی ہے کہ اب جب وہ اس کا غیر مسلموں کے سامنے اظہار کریں گے، تو وہ ان کو عراق کے کویت پر حملہ کرنے کا حوالہ دے کر کہیں گے کہ آپ پہلے اپنے گھر کی تو خبر لیجئے کہ ایک بڑے مسلم ملک نے ایک چھوٹے مسلم علاقہ پر حملہ کر کے

www.abulhasanalinadwi.org

قبضہ کرلیا، وہ دونوں مسلمان بھی ہیں اور عرب بھی ہیں، اور حملہ آور مقبوضہ علاقہ کا ممنونِ احسان اور رہینِ منّت بھی ہے، گویا وہ اردو کے اس شعر کی ترجمانی کر سکتے ہیں کہ

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ

یہ مقالہ کئی بار ریڈیو اور T. V. پر نشر ہوا، اور حجاز و نجد کے اخبارات نے اس کو کُلاًّ وجزءً شائع کیا۔

مندوبین وحاضرین میں کئی اہم سیاسی شخصیتیں اور اپنے ملک کے موقّر رہنما اور سابق وزراء تھے، جن میں نجم الدین اربکان آفندی سابق نائب وزیر اعظم ترکی اور حال اسلام پسند ترکی پارٹی کے صدر، شیخ یوسف جاسم الحجّی سابق وزیر اوقاف وحال صدر الجمعیۃ الخیریۃ الاسلامیۃ العالمیۃ کویت، ڈاکٹر معروف الدوالیبی سابق وزیر اعظم شام، شیخ عبد اللہ العلی المطوّع رئیس التجّار کویت اور صدر جمعیۃ الاصلاح الاجتماعی، استاد ابوبکر القادری مراکش کے ممتاز مسلم رہنما اور عالم وصحافی، شیخ ابوبکر جومی نائیجیریا کے سابق چیف جسٹس اور مشہور رہنما وعالم المشیر سوار الذہب (سابق صدر سوڈان) جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی جج کراچی ہائی کورٹ، ومدیر رسالہ "البلاغ" وغیرہ، مقالات اور تقریریں زیادہ تر عربی میں، اور کم تر انگریزی، ترکی اور بعض افریقی زبانوں میں ہوئیں، جن کے عربی، انگریزی، فرنچ اور اردو میں ترجمہ کا مکمل انتظام تھا، اور سامعین اپنی جگہ پر اپنی منتخب زبان میں ان کو سن سکتے تھے۔

مجلس میں جو نقطہ سب سے زیادہ موضوعِ سخن اور زیر بحث رہا، وہ کسی

www.abulhasanalinadwi.org

مسلمان ملک کے کسی غیر مسلم ملک و طاقت سے مدد لینے اور اپنی حفاظت کا انتظام کرنے کے جواز کا تھا، تقریباً تمام تر مقررین نے اور خاص طور پر علماء نے اس کے عندالاضطرار جواز میں تقریریں کیں، اور عہد رسالت کی تاریخ سے بعض نظیریں بھی پیش کیں، اور مؤتمر نے تقریباً اس سے اتفاق کیا کہ اضطراری حالت میں اور جب اس کا کوئی بدل موجود نہ ہو اور ملک کے لئے حملہ آور طاقت کی طرف سے سخت خطرہ اور ناقابل تلافی نقصان کا اندیشہ ہو تو یہ وقتی اور عارضی طور پر جائز ہے۔

خود راقم کو بھی حجاز کے قیام میں وہاں کے اہل الرائے واقفین حال اور سنجیدہ اصحاب سے گفتگو کرنے کے بعد محسوس ہوا کہ حکومتِ سعودیہ نے یہ اقدام سخت مجبوری و اضطراری حالت میں کیا، اور کویت پر عراقی حملہ کے بعد جو افسوسناک بلکہ شرمناک حالات سننے اور دیکھنے میں آئے اور جس طرح وہاں تمام دینی و اخلاقی اور انسانی قدروں اور حدود سے تجاوز کیا گیا، اور شعائر دین تک کی توہین کی گئی، اس سے خطرہ تھا کہ مملکتِ سعودیہ اور مرکزِ اسلام بلکہ (خاکم بدہن) حرمین شریفین میں بھی وہ واقعات پیش آئیں جن سے دنیا کے سارے مسلمانوں کا سر ندامت سے جھک جائے، اور وہ پیش آئے جو صدیوں سے پیش نہیں آیا، خاص طور پر صدر صدّام حسین کے بعث پارٹی سے تعلق و وابستگی کی بنا پر یہ کچھ بعید از قیاس بات نہ تھی جو عربوں کو اسلام سے علیحدہ اور بے نیاز ہو کر ایک حقیقت اور مستقل "وحدت" باور کرتی ہے، جو اسلام آنے سے پیشتر بھی تھی، اور اسلام کے بعد اور اسلام کے بغیر بھی ایک حقیقت اور وجود مستقل ہے، جس کا نعرہ ہے العرب أمة واحدة ذات رسالة خالدة (عرب ایک واحد مستقل امت ہیں جو ایک دائمی پیغام رکھتی ہے)

www.abulhasanalinadwi.org

اور جس کا بانی ایک عیسائی لیڈر پروفیسر میشیل عفلق تھا، جس کا آخری زمانہ عراق ہی میں گزرا، یہ حقیقتاً عربوں کا رشتہ اسلام سے کاٹنے کے لئے یہ ایک مسیحی صلیبی سازش تھی[1]، اس لئے کچھ بعید نہ تھا کہ سیاسی و فوجی اقتدار حاصل ہو جانے کے بعد (لا قدر اللہ) اس سرزمین مقدس میں بعض صریح خلاف اسلام اور خلاف شریعت اقدامات کئے جاتے، اور اگر ما قبل اسلام کے ہیرو ابو جہل کا نہیں تو صدر صدام حسین کا اسٹیچو اسی طرح نصب کر دیا جاتا جیسے کویت میں قبضہ کے بعد کیا گیا۔

البتہ اس پر سب کا اتفاق اور خود حکومت سعودیہ کا کھلا ہوا وعدہ اور اعلان تھا کہ یہ خطرہ ٹل جانے کے بعد امریکی و برطانوی فوجیں ایک دن بھی زائد نہیں رہیں گی، خود امریکہ کا بھی بار بار یہی اعلان ہے۔ (والغیب عند اللہ)

مؤتمر کا اجلاس روزانہ ۱۰ بجے سے ظہر کی اذان تک رہتا، نماز ظہر بھی وہیں ایک وسیع جگہ پر قریب کی مسجد میں پڑھی جاتی، پھر عصر سے لے کر مغرب تک اور پھر مغرب کے بعد عشا تک اجلاس رہتا، جیسا کہ عام طور پر دیکھا گیا ہے زور خطابت کا میدان مصری مقررین کے ہاتھ رہا، جو خاصی تعداد میں جامع ازہر اور دوسری مختلف اسلامی جماعتوں کے نمائندہ بن کر آئے تھے، تجاویز مرتب کرنے کے لئے ایک الگ نشست کا انتظام تھا، جس میں ڈاکٹر عبد اللہ عمر نصیف صاحب کی دعوت اور خواہش پر میں بھی کچھ دیر شریک رہا، مؤتمر کی طرف سے ایک بیان بھی مرتب ہوا اور تجاویز پڑھ کر سنائی گئیں، اور ان کی منظوری لی گئی۔

---

[1] تفصیل کے لئے کتاب "محرکات القومیۃ الحدیثۃ فی میزان الإسلام" تالیف منیر محمد نجیب مطبوعہ عمّان ملاحظہ ہو، (ص ۳۱-۴۵)

www.abulhasanalinadwi.org

مؤتمر کے آغاز کے آخری دن چہار شنبہ ۲۳ صفر (۱۲ ستمبر) کو بیت اللہ شریف میں داخلہ کا اعلان ہوا تھا، اور اس کا رابطہ اور حکومت کی طرف سے معقول انتظام تھا، راقم عاجز بھی اپنے رفیق عزیز مولوی محمد رابع سلمہ کے ساتھ قدرے تاخیر سے حرم شریف حاضر ہوا، اور بیت اللہ شریف میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا، اس عظیم سعادت کے ایمانی ووجدانی احساس اور اس سے فائدہ اٹھانے کے عزم و نیّت سے، پھر ان حالات وواقعات کی بنا پر جن سے عالمِ اسلام مجموعی طور پر اور مرکزِ اسلام خصوصی طور پر گزر رہا تھا، خوش تصیب حاضرین کے دل و دماغ پر ایسا اثر تھا جو کم حاضریِ بیت اللہ کے موقعہ پر ہوا ہوگا، جب بیت اللہ شریف کے اندر قدم رکھا اور نماز کی نیت باندھنے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ ایک کہرام مچا ہوا ہے، آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب اور زبان ودہن سے آہ وفغاں اور دعاؤں کا ایک طوفان برپا ہے، اللہ تعالیٰ نے اگر ان دعاؤں کو قبول فرمالیا (وانّہ سمیع قریب) تو اس کی رحمت و قدرت سے بڑی بڑی امیدیں ہیں، اور عاجز و درماندہ بندے اس کے سوا کر ہی کیا سکتے ہیں۔

مؤتمر کے آخری اجلاس (۲۳ صفر۔ ۱۲ ستمبر بعد مغرب) میں شیخ عبدالعزیز ابن الباز اور شیخ الازہر کے ساتھ راقم کو بھی مجمع سے آخری خطاب کرنے کا موقعہ دیا گیا، جس کا پہلے سے کچھ اندازہ نہ تھا، میں نے یہ اندازہ کرکے کہ مؤتمر پر ایک فکر و اندیشہ اور حزن و ملال کی کیفیت طاری رہی ہے، اس کی ضرورت سمجھی کہ یہ مؤتمر مجمع اندوہ گیں ودل گیر اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں محض ایک سلبی اور مغموم تأثر لے کر نہ جائے، میں نے مؤتمر کی غیر معمولی کامیابی، مندوبین اور

www.abulhasanalinadwi.org

نمائندوں کی امتیازی اور مؤثر تعداد کا ذکر کرتے ہوئے جو اس سے پہلے ایسی مؤتمرات میں کم دیکھنے میں آئی ہے، اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اور داعیوں کو مبارکباد دیتے ہوئے یہ کہا کہ اسلام کی گزشتہ تاریخ بتاتی ہے کہ جب کبھی عالم اسلام کو کسی ایسے حادثہ کا سامنا کرنا پڑا جس نے اس کو سخت خطرات میں مبتلا اور اسلام کے لئے فکر اور سعی وجد وجہد کرنے والوں کو شدید اندیشوں میں مبتلا کر دیا تو اچانک غیب سے اس کی تلافی اور جبر نقصان کی شکل نمودار ہوئی، اور نئی اسلامی بیداری اور عالمِ اسلام کے لئے عزت وسربلندی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا، اس سلسلہ میں میں نے تاتاریوں کے اس حملہ کا ذکر کیا جو ساتویں صدی ہجری میں پیش آیا جس نے عالمِ اسلام کی چولیں ہلا دیں، آخری عظیم ترین اسلامی مملکت خوارزم شاہی کا چراغ گُل کر دیا، اور دار السلام اور دار الخلافت بغداد کو زیر وزبر کر کے رکھ دیا، اور وہاں خون کی ندیاں بہہ گئیں، اس وقت جیسا کہ انگریز مؤرخین آرنلڈ (T.W. ARNOLD.) وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس وقت سب سے زیادہ ناقابل قیاس اور ناقابل یقین بات یہ تھی کہ تاتاری فاتح ہزیمت یافتہ امت مسلمانوں کا دین قبول کریں گے، جس سے بڑھ کر ان کی نگاہوں میں کوئی ذلیل نہ تھا، اس وقت ہر بات کہی اور مانی جاسکتی تھی، سوائے اس کے کہ تاتاری اسلام قبول کریں گے، لیکن یہ ناقابل تصدیق بلکہ ناقابل تصور واقعہ پیش آکر رہا اور تاتاریوں نے من حیث المجموع نہ صرف یہ کہ اسلام قبول کر لیا، بلکہ وہ خادمِ دین اور حامئ اسلام بن گئے، اور انھوں نے ایسی نئی طاقت ور سلطنتوں کی بنیاد رکھی جن میں اسلام اور علم پھلے پھولے۔

www.abulhasanalinadwi.org

پھر میں نے عرض کیا کہ ہمیں اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے لیکن اس کے لئے ضرورت ہے کہ جیسا کہ بعض مقررین اور علماء نے بھی فرمایا، امتِ مسلمہ کی ایمانی بیٹری کو پھر چارج کرنا چاہئے، ایمان کے سیلس (SELLS) بھی موجود ہیں اور اُمّت کی بیٹری بھی، لیکن ان دونوں کو مغرب سے حاصل کردہ نظامِ تعلیم اور مغربی تہذیب کے اثر اور مادّیت وغفلت نے ایک دوسرے سے جُدا کر رکھا ہے، ضرورت ہے کہ یہ چارج پھر بھر اجائے اور اس میں وہ غیر فانی ایمانی مسالہ (سیلس) فٹ کئے جائیں، جو اس اُمّت کی اصل طاقت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نُصرت کی شرط ہے، آپ یہاں سے یہ پیغام اور عزم لے کر جائیے کہ مسلمانوں میں پھر نیا دینی جذبہ اور ایمان کا شعلہ پیدا کرنا ہے جو ان تمام خطرات اور حوادث سے حفاظت کا اصل ذریعہ اور اُمّت کی خصوصیت ہے۔

چند محترم وممتاز پاکستانی عمائد واحباب سے ملاقات

ہم ہندوستانی مسلمانوں کو (خاص طور پر جو آسانی سے پاکستان کا سفر نہیں کر سکتے) اپنے پاکستانی احباب اور وہاں کی دینی وعلمی شخصیتوں سے ملنے کا موقعہ ایسے ہی بین الاقوامی تقریبات، موتمرات ومجالسِ مذاکرہ میں ملتا ہے، جو ہندوستان اور پاکستان سے باہر کسی مرکزی مقام پر منعقد ہوں، راقم کی نگاہیں اس مؤتمر میں پاکستان کے ان مانوس ومحبوب چہروں کو ڈھونڈھ رہی تھیں جن سے خصوصی دینی وفکری رابطہ اور اُنس ومحبت کا رشتہ ہے، اچانک جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب اور جسٹس افضل چیمہ صاحب پر نظر پڑی، یہ حضرات بھی

www.abulhasanalinadwi.org

غالباً اسی شوق و جستجو میں تھے، میں نے ان سے اپنی قیام گاہ پر چلنے کی درخواست کی جو انھوں نے مسرت و شوق کے ساتھ منظور کی، یہ حضرات مغرب کے بعد ڈاکٹر مولوی عبداللہ عباس ندوی صاحب کے مکان پر تشریف لے آئے، وہیں عشاء کی نماز پڑھی، کھانا نوش فرمایا، اور دیر تک مجلس رہی، اس طرح بنگلور میں فقہی سیمنار کے موقعہ پر جو ۸؍ تا ۱۱؍ جون ۱۹۹۰ء کو منعقد ہوا تھا، مولانا محمد تقی صاحب عثمانی سے (جو ایک مجبوری سے تشریف نہیں لا سکے تھے) نہ ملنے کی حسرت پوری ہوگئی، دیر تک مجلس رہی جس میں پاکستان کے حالات پر بھی تبصرہ ہوا، اور جنرل ضیاء الحق شہید مرحوم کا تذکرہ بھی، آخری دن مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے اچانک ملاقات ہوئی، ان سے بھی راقم کا خاص ربط ہے، ان کو بھی قیام گاہ پر آنے کی زحمت دی گئی اور اچھی مجلس رہی، پاکستان میں قانون شریعت کی منظوری اور اس کے نفاذ کی سعی میں مولانا کا خاص حصہ ہے پھر اکوڑہ خٹک کی نسبت (جہاں سے حضرت سید احمد شہیدؒ کے جہاد کا آغاز ہوا تھا) مزید تعلق و خصوصیت محسوس ہوتی ہے۔

اسی مجموعہ میں اگر محترمی مولانا ظفر احمد صاحب انصاری کو شامل کر لیا جائے تو جہاں تک راقم کا تعلق ہے یہ پاکستان کے وہ معتمد ترین اور منتخب ترین افراد ہیں جن سے راقم کو خصوصی ربط و تعلق ہے، اور وہ بھی اس عاجز پر خصوصی کرم فرماتے ہیں، مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کی راقم کے دل میں جو قدر و منزلت ہے اس سے اس کے احباب بخوبی واقف ہیں، اور ان کو بھی غالباً اس کا احساس و علم ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

مولوی عبداللہ عباس ندوی کے یہاں احباب کا ایک اجتماع

سالہاسال سے مولوی عبداللہ عباس ندوی صاحب کا معمول ہے کہ وہ میری مکہ معظمہ کی حاضری کے موقعہ پر اس خیال سے کہ میں ہر جگہ نہیں جا سکتا اور قدیم احباب بھی جن سے ۱۹۵۰ء سے تعلقات ہیں، ملنے کے خواہش مند رہتے ہیں، اپنے مکان پر کسی رات کو ان سب اہل تعلق کو کھانے پر مدعو کر لیتے ہیں، اور مجھے یکجا و بیک دفعہ ان سب سے ملنے کا موقعہ مل جاتا ہے، اس مرتبہ بھی انھوں نے جمعہ کے دن شب میں ۱۴ ستمبر کو ایسے مخصوص احباب کو جن سے نہ ملنے کا مجھے بھی افسوس ہوتا اور ان کو بھی، کھانے پر مدعو کر لیا، ان کے مکان کا صحن مہمانوں سے بھر گیا، کچھ احباب یا تو ملک سے باہر تھے، یا بیماری و سن رسیدگی کی وجہ سے آنے سے معذور، باقی اکثر پرانے احباب تشریف لے آئے، جن میں عرب دوستوں اور فضلاء میں سے استاد سید محسن احمد باروم مالک مکتبہ دار الشروق جدّہ، شیخ رشید فارسی، استاد احمد محمد جمال، ممتاز عالم شیخ عبدالرحمٰن حبنّکہ، قادر الکلام نعتیہ شاعر شیخ ضیاء الدین صاحب صابونی، عزیز گرامی محمد الحافظ الندوی، اور ہندوستانی احباب اور بزرگوں میں سے مولانا محمد شمیم رحمت اللہ مدیر مدرسہ صولتیہ، مولانا غلام رسول بھائی فضل عظیم مراد آبادی، الحاج محمد نور میزبان جدّہ و برادرم محمد ولی و محمد یوسف نور ولی اور متعدد ہندوستانی و پاکستانی مقیمین و ملازمین مملکت شریک محفل تھے، دیر تک لطف مجلس رہا اور پرانے زمانہ کی یاد تازہ ہوئی۔

مکہ معظمہ کے ہفت روزہ قیام میں، قیام کے آخری دن شنبہ ۱۵ ستمبر کو

www.abulhasanalinadwi.org

خالد علی رضا زینل صاحب کے یہاں جو جدّہ ہی کے نہیں مملکت کے ممتاز ترین تاجروں اور عمائدین میں ہیں، جن کے ذاتی ہوائی جہاز پر گذشتہ فروری کے سفرِ حجاز میں ایک وفد کے ساتھ ریاض جانا ہوا تھا، اپنے آفس کی شاندار عمارت میں دوپہر کے کھانے کی دعوت دی، میں اپنے میزبانوں اور مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب کے ساتھ اس میں شریک ہوا، ان کے والد اور خاندان کے متعدد بزرگ شریک محفل تھے، اُن کے والد صاحب یوسف علی رضا زینل نے خاص طور پہ خیر مقدم کیا اور مہمانوں کی خاطر تواضع کی اور مفید و پُر از معلومات گفتگو ہوتی رہی۔

مکہ معظمہ کے قیام میں عزیزی عبداللطیف جونپوری (حال سعودی) نے رابطہ کے جلسہ میں لانے لیجانے کے لئے حسب معمول قدیم اپنی گاڑی وقف کر رکھی تھی، جس کی وجہ سے بہت آسانی ہوئی۔

مدینہ منورہ کی روانگی اور قیام

مؤتمر سے فراغت کے بعد مکہ معظمہ میں حرم شریف کی حاضری اور حسبِ توفیق و طاقت طواف اور قیام گاہ پہ آرام کرنے اور ملاقات کرنے کے سوا کوئی مشغولیت نہیں تھی، جمعہ اور ہفتہ کو مکہ معظمہ میں مزید قیام کرنے کے بعد یکشنبہ ۱۶ ستمبر (۲۷ صفر) کو مدینہ طیبہ حاضر ہونے کا نظام طے ہوا تھا، مُحبّ عزیز و مخلص بھائی محمد عثمان حیدر آبادی نے وہاں پہونچانے کی ذمہ داری لی اور اپنے ایک دوست کی نئی شاندار امریکی کار جو بہت وسیع اور آرام دہ تھی، اس کے لئے حاصل کر لی، راقم اور اس کے دو رفیق عزیزی محمد رابع ندوی اور محبّی سید

حسن عسکری طارق ساڑھے نو دس بجے کے قریب صبح کو مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہوئے، سڑک کی خوبی اور موٹر چلانے والے کی مہارت اور سب سے بڑھ کر اس سفر کی برکت اور خدائی مدد سے ہم لوگ ایسے وقت مدینہ طیبہ پہونچ گئے کہ ظہر کی اذان (جو اول وقت ہوتی ہے) ہو رہی تھی، ہم لوگ حسب معمول اپنی قدیم قیام گاہ بستان نور ولی واقع باب التمارؔ میں ٹھہرے، طارق صاحب حسب معمول میزبان تھے، میں اپنے پاؤں کی تکلیف اور ضعف کی وجہ سے مغرب کی نماز سے پیشتر مسجد شریف میں حاضر ہوا، بعد نماز مواجہہ شریف پر حاضر ہو کر صلاۃ و سلام پیش کیا، اور ان عزیزوں اور دوستوں کا سلام پہونچایا جنھوں نے اس کی باصرار درخواست کی تھی، جیسا کہ گذشتہ اوراق میں گذر چکا ہے، اس موقعہ پر میری زبان پر بے اختیار اقبالؔ مرحوم کے یہ شعر آجایا کرتے ہیں ؎

آہوئے زار و زبون و ناتواں کس بفتراکم نہ بست اندر جہاں

اے پناہِ ما حریم کوئے تو من بہ امّیدے رمیدم سوئے تو

اس مرتبہ بے ساختہ زبان پر خواجہ الطاف حسین حالیؔ مرحوم کا یہ شعر بھی آگیا، جو پیش آمدہ حالات کے بالکل مناسب حال تھا ؎

اے خاصۂ خاصانِ رُسُل وقت دعا ہے
اُمّت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے[1]

مدینہ طیبہ کے قیام میں میرے لئے ایک آزمائش کی بات یہ تھی کہ توسیع مسجد نبوی

---

[1] الحمد للہ کہ یہ سب ایک وجدانی اور شوقیہ حالت میں تھا اس میں غیر اللہ کی قدرت و تصرف مطلق، اور عالم الغیب ہونے کے عقیدہ کا کوئی شائبہ نہ تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

کی وجہ سے سواریوں کو بہت دور رکنا پڑتا تھا، اور حاضری دینے والوں کو خاصا چلنا پڑتا تھا، میرے لئے وجع مفاصل کی تکلیف کی وجہ سے زیادہ مسافت طے کرنا بڑا مجاہدہ تھا، پہلے دن تو بقیع شریف کی طرف سے لمبی مسافت طے کر کے باب جبرئیل سے داخل ہوگیا، پھر عزیز گرامی صوفی محمد اقبال صاحب مقیم مدینہ منورہ[1] نے پہیوں والی گاڑی (WHEEL CHAIR) بھیج دی جس سے مسعیٰ میں کام لیا جاتا ہے، اس سے کچھ کام چلا، پھر محبّی الحاج عبدالرشید صاحب نے جو توسیع حرم کے کام میں ایک ذمہ دارانہ عہدہ پر فائز ہیں، اس پورے منصوبہ کے نگراں اور مہتمم اعلیٰ شیخ عبدالعزیز فارح سے جو پہلے سے واقف تھے اور ریاض اور لکھنؤ میں ان سے ملاقات کی تھی، میری آمد کا ذکر کر کے ان کی کار لے لی جس کو اور اس کے ڈرائیور کو سارا عملہ پہچانتا تھا، یہ کار بالکل باب السلام کے دروازہ پر جہاں جوتے اتارے جاتے ہیں پہونچا دیتی تھی، اس طرح وہ دقّت رفع ہوگئی، میں اپنی اس کمزوری اور معذوری کی وجہ سے صرف مغرب عشاء کی نمازوں میں حاضر ہوتا تھا، باقی نمازیں اپنی قیام گاہ پر پڑھنی پڑتی تھیں۔

مدینہ منورہ میں کسی جلسہ یا تقریر کا پروگرام نہیں رکھا گیا تھا، اس میں صرف رابطۂ ادب اسلامی کے ایک سرگرم رکن، ڈاکٹر عبدالباسط بدر استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے یہاں ایک وقت کھانے کا استثناء تھا، جس کا کئی سال سے معمول ہے، اللہ تعالیٰ نے مسجد نبویؐ میں جمعہ نصیب فرمایا، نماز جمعہ کے بعد ان کی کوٹھی پر

---

[1] صوفی صاحب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے مجاز اور مستقل طور پر مدینہ طیبہ میں قیام پذیر اور ذکر اور طالبین کی تعلیم و تربیت میں مشغول ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

حاضری ہوئی تقریباً ۲۰ ـ ۲۵ فضلاء و احباب کا مجمع تھا، جن میں ہمارے قدیم کرم فرما اور فاضل و ادیب دوست استاذ محمد المجذوب بھی تھے، مجلس میں زیادہ تر ہندوستان کے ان عربی، دینی مدارس اور تعلیم گاہوں کا تذکرہ رہا جو حکومت سے کوئی امداد نہیں لیتے، وہاں کے اساتذہ بڑی حد تک ایثار و قربانی سے خدمتِ تدریس و تربیت انجام دیتے ہیں، اور فضلاء سرکاری ملازمتوں کے بجائے، تعلیمی و دعوتی خدمات (ایثار اور قدرے قربانی کے ساتھ) انجام دیتے میں مشغول رہتے ہیں، اور اسی روح اور خصوصیت کی بدولت ہندوستانی مسلمانوں کا دین سے ربط اور ملّی تشخّص صدیوں سے باقی ہے، اس سلسلہ میں ان حضرات نے جو ہندوستان کے بعض علمی و ادبی مجالس میں شرکت کے لئے آچکے تھے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کی منہ بھر کر تعریف کی جس پر راقم شرمندہ بھی ہوا اور احسان مند بھی۔

ڈاکٹر عبدالباسط بدر کے علاوہ ایک وقت کا کھانا جدّہ کے مستقل میزبان اور مالک بستان الحاج محمد نور صاحب کے صاحبزادہ بھائی عبدالحمید نورولی کے مکان پر ہوا، مدینہ طیبہ کے اس شش روزہ قیام میں مولوی عبدالملک صاحب مرادآبادی، صوفی محمد اقبال صاحب اور قدیم تبلیغی احباب اور حضرت شیخ الحدیث سے تعلق رکھنے والے اپنی ملاقاتوں سے مشرّف کرتے رہے۔

مدینہ طیبہ کے احباب میں سے جناب پروفیسر عبدالرحیم صاحب استاذ جامعہ اسلامیہ، عزیز گرامی مولوی محمد اجمل اصلاحی ندوی، استاذ محمد السید الوکیل (سابق استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ و صاحبِ تصانیف) سے بھی ربط و تعلق رہا، حائل (نجد) سے عزیز مخلص مولوی ڈاکٹر سید لقمان ندوی اپنے مخلص احباب کی

www.abulhasanalinadwi.org

ایک جماعت کے ساتھ جو حائل میں برسرِ کار اور زیرِ سرِ ملازمت ہیں، اور اکثر کا ہندوستان سے تعلق ہے، محض ملاقات کے لئے سفر کر کے آئے، اور دو دن قیام کیا۔

۲۲ ستمبر (۳ ربیع الاول) کو تقریباً ۹-۱۰ بجے مدینہ طیبہ سے جدّہ کے لئے روانگی ہوئی، محبّی محمد عثمان صاحب گاڑی لے کر آگئے تھے، یہ قافلہ ظہر کے وقت جدّہ پہونچ گیا، اور اپنے قدیم قیام گاہ الحاج محمد نور عبد الغنی نور ولی صاحب کے دولت خانہ پر قیام کیا۔

حالاتِ حاضرہ کے پیشِ نظر عرب ممالک کو ضروری مشورے اور گذارشات

رابطۂ عالم اسلامی کی مؤتمر میں اُس فکر انگیز اور غم آلود فضا اور ماحول میں جو عراق کے کویت پر حملہ نے عالمِ اسلامی اور عالمِ عربی میں بالعموم اور مملکتِ سعودیہ اور حجاز و نجد میں بالخصوص پیدا کر دیا تھا، عراق کے اس بے محل اور بے سبب، اصول و اخلاقیات اور اسلامی تعلیمات کے منافی بلکہ ان کو بدنام اور بدنما کرنے والے حملے اور اس کے تشویش انگیز نتائج اور خطرات پر ہی اپنے مقالہ میں تبصرہ کرنے پر اکتفا کیا گیا تھا، اس کے ساتھ دبی زبان سے احیائے دین اور اصلاحِ حال کی تحریک "مُترَفانہ اور مُسرفانہ" زندگی کی طرف اشارہ اور اس کو تبدیل کرنے کی ضرورت کا اظہار بھی کیا گیا تھا، اس مختصر وقت اور متأثر فضا میں ممالک عربیہ اور خود مملکتِ سعودیہ کی عام زندگی اور معاشرہ پر دینی و اخلاقی نقطۂ نظر سے تبصرہ اور تنقید کرنے کی گنجائش نہ تھی کہ یہ اس حال میں زخموں پر نمک پاشی کے مرادف ہوتا، اور حملہ آوروں یا ان کے حامیوں کے لئے ایک عذر

www.abulhasanalinadwi.org

اور حجاز بہم پہنچانا جس سے مقالہ نگار کو ہندوستان میں سابقہ پڑ چکا تھا۔

لیکن مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ اور پھر جدّہ کے قیام میں جس میں ان شہروں اُن کے بازاروں اور اُمراء و تجّار کے قصور و محلّات میں آنے جانے کا آزادانہ موقعہ ملا، راقم کے لئے ان محبوب اور قابلِ احترام شہروں میں چلتے پھرتے، وہاں کی مجالس اور دعوتوں میں شریک ہونے، اور بازاروں میں سے گذرنے کا یہ پہلا موقعہ نہ تھا بعض سفروں میں ہفتوں وہاں قیام کا موقعہ ملا ہے، لیکن ہر نئے سفر میں اس نے وہاں کے معیارِ زندگی، دولت کے مظاہرہ اور شہروں کی زیب و زینت میں اضافہ اور ترقی ہی دیکھی، ۱۹۴۷ء کے سفرِ حجاز میں جب مدینہ طیبہ میں مسلسل تین مہینے قیام رہا، اس کے بعد ۱۹۵۰ء، ۱۹۵۱ء میں مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ دونوں جگہ ہفتوں اور مہینوں قیام رہا، مدینہ طیبّہ (اپنی ساری برکتوں اور نورانیتوں کے ساتھ) تُرکی عہد کا ایک قصبہ معلوم ہوتا تھا، جس میں پختہ اور شاندار عمارتیں گنی چنی، اور بازار اور دکانیں سادہ اور ضروری سامان سے معمور تھیں، یہی حال تقریباً جدّہ کا تھا، جو بیرونی سفارت خانوں کا مرکز اور جزیرۃ العرب کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے، یہ تینوں شہر قدرتی اور ناگزیر اسباب کی بنا پر برابر ترقی کرتے رہے، باہر سے درآمد کیا ہوا سامانِ راحت و زینت برابر بڑھتا رہا، سر بہ فلک عمارتیں اور خوبصورت محلات تیزی سے تعمیر ہوتے رہے، اور قانونِ زندگی اور فطرتِ بشری کے مطابق ایسا ہونا کوئی خلافِ فطرت اور حیرت انگیز واقعہ بھی نہ تھا۔

لیکن عراقی حملہ کے پس منظر میں اور ان اندیشوں اور خطرات کے اشاروں میں جو عام چشم بصری سے دیکھے جا سکتے ہیں، ان شہروں بالخصوص جدّہ میں بازاروں کی

www.abulhasanalinadwi.org

جو جگمگاہٹ، دکانوں کی جو سجاوٹ، اور اس سے بڑھ کر معاشرہ اور ماحول میں جو اطمینان خاطر اور رفاغ البالی، اسباب معیشت اور راحت میں مسابقت کا جو جذبہ اور ساری فضا پر ایک سکون وطمانیت اور مستقبل کے خطروں سے بے خبری یا بے فکری کا سایہ، خطرات کا مقابلہ کرنے کے اسباب اختیار کرنے اور جفاکش اور مہم جو زندگی کی ضرورت سے جو یکسوئی اور اس کی ضرورت واہمیت کے احساس سے جو بے توجہی دیکھی، اور مختصراً اس معیاری اور مثالی، روحانی واخلاقی اور کسی حد تک سادہ اور بے تکلف اور عصر اوّل کو یاد دلانے والے معاشرہ وماحول کی کمی (یا محتاط الفاظ میں) ضرورت محسوس کی جس میں فکر آخرت، اور دین کو دنیا پر ترجیح دینے کے نمونے کھلی آنکھوں دیکھے جاسکیں، اور وہ معاشرہ اس مادہ پرست اور ظاہر بیں دنیا کی نگاہوں کو بھی متوجہ اور احترام پر مجبور کردے[1]، اس سے قرآن مجید کے ایک حقیر طالب علم اور اُمم واقوام اور تمدنِ عالم کی تاریخ کے مطالعہ کرنے اور اس پر تصنیفی کام کرنے والے کی حیثیت سے بربنائے عقیدہ وایمان اور تعلق ومحبت دل ودماغ میں ایک بے چینی پیدا ہوئی کہ: ع

عشق است وہزار بدگمانی

اور طبیعت میں یہ تقاضہ پیدا ہوا کہ ہندوستان واپس جاکر اپنے عرب بھائیوں اور دوستوں، عرب حکومتوں اور وہاں کی اصلاحی ودعوتی تحریکوں کے ذمہ داروں کو

---

[1] جس پر جدہ کی اس تقریر میں جو ۷ ار فروری ۱۹۹۰ء کو "حاجة العالم إلى مجتمع إسلامي مثالي أفضل" کے عنوان سے کی گئی تھی، تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، اور وہ "مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ" کی طرف سے طبع اور شائع ہو چکی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

بالعموم، اور مملکت کے اصحابِ فکر و اربابِ خلوص کو بالخصوص مستقبل کے خطرات سے آگاہ کرنے، واقعات سے صحیح نتیجہ نکالنے اور حقائق و ضروریات پر توجہ دینے اور اس طرزِ زندگی اور ماحول کو بدلنے اور دولت اور فراغت کے ان مظاہر و مناظر کو محدود کرنے کی دعوت دی جائے، جن کو دیکھ کر بداندیشوں اور ان وسائل سے محروم ہمسایہ ممالک کے منہ میں پانی بھر آتا ہے، اور اس پر وہ للچائی ہوئی نگاہیں ڈالتے ہیں۔

اسی کے ساتھ وہ زندگی اختیار کی جائے جس پر خدا کی طرف سے نصرت ہوتی ہے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر عرب عالمِ اسلام بلکہ عالمِ انسانی کا وہ منصبِ قیادت سنبھالیں جو اسلام کی تعلیمات، عرب میں بعثتِ نبویؐ اور ان کی قدیم تاریخ اور کارنامہ سے مطابقت رکھتا ہے، اور وہ اس کے سب سے زیادہ حقدار، اور بعض خصوصیتوں کی بنا پر اس پر سب سے زیادہ قادر ہیں۔

اچانک جدّہ ہی میں خیال آیا کہ میں نے اپنی کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین"[1] کا آخری باب اسی موضوع پر "عالم عربی کی قیادت" کے عنوان سے ہے، اس کو ایک مختصر تمہید کے ساتھ مستقل رسالہ کی شکل میں شائع کرنا چاہئے، اس حصہ کے عنوانات سے اندازہ ہوجائیگا کہ وہ ممالک عربیہ کے موجودہ حالات سے کس قدر مطابقت رکھتا ہے۔

---

[1] اس کتاب کا ترجمہ اردو میں "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" اور انگریزی میں (ISLAM & THE WORLD) کے نام سے شائع ہوا ہے، عربی میں اس کتاب کے کم سے کم بیس[2] ایڈیشن نکلے ہوں گے، اور یہ مصنف عاجز کی سب سے زیادہ مشہور و مقبول کتاب ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

عالم عربی کی قیادت کے عمومی عنوان کے ماتحت حسب ذیل عناوین ہیں :۔

۱۔ عالم عربی کی اہمیت۔

۲۔ محمد رسول اللہؐ عالم عربی کی روح ہیں۔

۳۔ ایمان عالم عربی کی اصل طاقت ہے۔

۴۔ شہسواری اور فوجی زندگی کی اہمیت۔

۵۔ طبقاتی تفاوت اور اسراف کا مقابلہ۔

۶۔ تجارت اور مالی نظام میں خود مختاری۔

۷۔ انسانیت کی سعادت کے لئے عربوں کی ذاتی قربانی کی ضرورت۔

۸۔ عالم اسلامی کی توقع عالم عربی سے۔

یہ خیال برابر ذہن میں گشت کرتا رہا، جدّہ کے سہ روزہ قیام میں تو اس کا موقعہ نہیں ملا کہ وہاں ملاقاتوں اور پروگراموں کا سلسلہ رہا[1]، لیکن جب ۲۵ ستمبر کی صبح کو دہلی کے لئے روانگی ہوئی، اور ۲۶ ستمبر کو لکھنؤ پہونچنا ہوا تو پہلا کام یہی کیا گیا اور "کیف یستعید العرب مکانتھم اللائقۃ بھم ویحافظون علیھا؟" (عرب اپنے شایانِ شان منصبِ قیادت کیسے واپس لے سکتے ہیں، اور

---

[1] ان پروگراموں میں جناب خالد زینل صاحب کے یہاں کی دعوت، عزیزی مصلح الدین حیدرآبادی کے یہاں کا رات کا کھانا، محترمی ڈاکٹر سید اشرف الدین صاحب کے یہاں کی مجلسِ ذکر اور دینی خطاب و ضیافت خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، جدّہ ہی میں خواہرزادۂ عزیز سید مصباح الدین حسنی سلمہ مع اہل وعیال سکونت پذیر ہیں ان کے یہاں اور محبی اشفاق شیخ کے یہاں جانا بھی ضروری تھا، جو حال میں پیرس کے ایک آپریشن کرا کے واپس ہوئے ہیں۔

کیسے اس کو باقی رکھ سکتے ہیں؟) کے عنوان سے یہ رسالہ عربی میں تیار ہوگیا، اور ندوۃ العلماء کے مطبع نے نہایت مختصر وقت میں اس کو چھاپ کر تیار کر دیا[1]، اور اس کو مملکت سعودیہ اور عربی حلقوں میں بھیجنے کا انتظام کیا جارہا ہے، خدا کرے وہ کسی درجہ میں چشم کشا اور خیال افروز ثابت ہو۔

حجاز سے واپسی پر مصروفیات، عراق کے کویت پر حملہ کے سلسلہ میں ایک جلسہ "رابطۂ ادب اسلامی" کی طرف سے حمد و مناجات پر ایک تاریخی سیمنار

حجاز مقدس سے واپسی پر (جو لکھنؤ ۲۶ ستمبر کو ہوئی) دو[2] اہم جلسوں میں شرکت و مشغولیت رہی، پہلا جلسہ عراقی حملہ کی مذمت، اس سے پیدا شدہ خطرات کی نشاندہی، اور جزیرۃ العرب، حجاز و حرمین شریفین کے تحفظ اور ان کو ہر خطرہ اور اندیشہ سے محفوظ رکھنے کے جذبہ و احساس کو پیدا کرنے اور اس سلسلہ میں مسلمانانِ ہند کو اپنا فرض یاد دلانے کے لئے مسلم انٹلکچول فورم لکھنؤ کی جانب سے ۶ /اکتوبر ۱۹۹۰ء کو سہکار بھون لکھنؤ میں "مقاماتِ مقدسہ، خطرات اور اندیشے" کے موضوع پر فورم کے ڈائرکٹر عزیز گرامی ڈاکٹر محمد یونس ندوی نگرامی نے ایک کانفرنس منعقد کرنے کا اعلان و انتظام کر رکھا تھا جس میں راقم کی صدارت کا اعلان، اور یو۔پی کے وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ یادو کے رسم افتتاح ادا کرنے اور یو۔پی کے دو[2] وزراء کی شرکت کا بھی اعلان تھا، یہ جلسہ اپنے وقت پر (۱۰ بجے دن کو) منعقد ہوا، ہال حاضرین سے بھرا ہوا تھا، جن میں لکھنؤ کی متعدد ممتاز شخصیتیں، دینی جمعیت

---

[1] جس کے لئے عزیزی حافظ عتیق مہتمم مطبع عربی خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں۔

رکھنے والے تعلیم یافتہ مسلمان، علماء، اساتذۂ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور طلبہ بڑی تعداد میں نظر آتے تھے، یو۔ پی کے وزیر صحت جناب مختار انیس صاحب، وزیر محنت واوقاف محمد اعظم خاں صاحب، سابق مرکزی وزیر جناب ضیاء الرحمٰن انصاری صاحب، لکھنؤ کے میئر داؤجی گپتا صاحب اور باہر سے آنے والے مہمانوں میں[1] مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ، اور مولانا عبدالوہاب خلجی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، وزیر اعلیٰ اُتّرپردیش مسٹر ملائم سنگھ یادو غالباً لکھنؤ سے باہر ہونے کی بنا پر کانفرنس کا افتتاح نہیں کرسکے، مولوی نور عظیم ندوی نے خوبی اور کامیابی کے ساتھ جلسہ کو کنڈکٹ کیا، جناب ضیاء الرحمٰن انصاری صاحب نے ایک مبسوط و مؤثر تقریر کی، اور داؤجی گپتا نے بھی موزوں طریقہ پر خطاب کیا، جس میں پیامِ انسانیت اور فرقہ وارانہ اتّحاد واعتماد کا مضمون اور مثالیں زیادہ نمایاں تھیں۔

سیمنار کا سب سے اہم اور پُراز معلومات مضمون مولوی محمد رابع ندوی کا مقالہ "صدّام حسین کی جارحیت" کے عنوان سے تھا، جس میں مشہور قوم پرست اور لادینی پارٹی "البعث العربی" پر بھی روشنی ڈالی گئی تھی، جس کے صدّام حسین خاص طور پر داعی وحامی، اور عراق میں اس کے سرپرست ومحافظ ہیں، راقم نے اپنی تقریر میں زیادہ تر برِّ صغیر کے مسلمانوں کی حجازِ مقدس، اور حرمین شریفین سے قلبی وابستگی اور وفادارانہ وعاشقانہ قدیم ودائمی تعلق کا ذکر کیا، اور اس کے کچھ نمونے واقعات واشعار کی شکل میں پیش کئے، اور بتایا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے اسلام سے گہرے ربط وتعلق ووابستگی، اور لادینی ومُلحدانہ تحریکوں کا بآسانی نشانہ بننے اور "جاہلی" ولادینی سحر انگیز تہذیبوں میں (جس کی بنا پر بعض اہلِ نظر نے ہندوستان کی سرزمین کو اَکّالۃُ الأمم کہا ہے)

[1] جن میں خاص طور پر مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی (امیر شریعت بہار واڑیسہ) قابلِ ذکر ہیں، مولانا نے مقالہ بھی پڑھا تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

جذب و تحلیل ہوجانے سے محفوظ رہ جاتے ہیں، ذات نبوی سے عشق اور گہری عقیدت و تعلق، اور حرمین شریفین و حج و زیارت کی سعادت اور شوق کو بہت بڑا دخل رہا ہے، اور یہ عنصر ان کے اسلام پر دوام و ثبات کا بہت بڑا ضامن و محافظ رہا ہے، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی اس کی خاص طور پر مسلمانوں کو وصیت و ہدایت فرمائی ہے، اس کانفرنس میں راقم کے اس مضمون کا اردو متن جو اس نے چند دن پہلے رابطۂ عالم اسلامی کی مؤتمر میں پڑھا تھا، اور جس کو فورم نے "عالم عربی کا تازہ المیہ" اور اس کا دینی، اخلاقی، اصولی و دعوتی نقطۂ نظر سے مطالعہ و جائزہ" کے عنوان سے شائع کیا تھا، اچھی تعداد میں تقسیم کیا گیا، کانفرنس کے مندوبین کے لئے وزیر اعلیٰ مسٹر ملائم سنگھ یادو کی رہائش گاہ پر پُر تکلف ظہرانہ (لنچ) کا انتظام کیا گیا تھا۔

رائے بریلی میں "حمد و مناجات" کے عنوان پر
"رابطۂ ادب اسلامی" کا تاریخی سیمنار

۱۶، ۱۷، ۱۸ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ (۷، ۸، ۹ اکتوبر ۱۹۹۰ء) کو "حمد و مناجات" کے موضوع پر رائے بریلی میں "مولانا محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی" کی دعوت پر اور اس کے زیر اہتمام رابطۂ ادب اسلامی کا چھٹا سیمنار منعقد ہوا، جو اس نوخیز عالمی تنظیم کی تاریخ میں خاص اہمیت اور خصوصیت رکھتا ہے، راقم سطور کو (جس کو اس تنظیم کی صدارت کا شرف حاصل ہے) رائے بریلی سے وطنی تعلق رکھنے اور اس شہر کے حالات اور وسائل و امکانات سے واقف ہونے کی بنا پر اس میں بڑا شبہ تھا کہ یہ سیمنار اپنی سابقہ روایات کے شایان شان کامیاب ہوگا، اور یہ اس

www.abulhasanalinadwi.org

مذاکرہ کے لئے (جس کا موضوع بھی بڑا اہم بالشّان اور اہمیت و عظمت کا حامل ہے) موزوں و مناسب مقام ہے، لیکن سوسائٹی کے جواں سال و جواں ہمّت عہدہ داروں عزیزان گرامی ڈاکٹر سید احمد الحسنی ندوی صدر سوسائٹی، مولوی سید حمزہ حسنی ندوی رکن خاص، اور انیباز احمد ندوی جنرل سکریٹری سوسائٹی کے عزم و شوق اور اس کو کامیاب بنانے کے لئے تگ و دو اور جانفشانی کو دیکھ کر وہ اس سے اختلاف نہیں کر سکا، عزیزی انیباز احمد ندوی نے اس کے لئے مستقل پاکستان اور دہلی کے سفر کئے اور وہاں کے ادباء، شعراء اور اہل قلم کو اس میں شرکت کی دعوت دی، اور ان میں سے متعدد اصحاب نے، کچھ موضوع کی عظمت و جاذبیت اور کچھ رائے بریلی کی کشش کی بنا پر، جس کو حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے بلند پایہ اسلاف اور متعدد بلند پایہ مصنفین اور شہرۂ آفاق افراد خاندان سے نسبت حاصل ہے، اس میں شرکت کا ارادہ اور وعدہ بھی کر لیا، راقم اور اس کے رفیق عزیزی مولوی محمد رابع ندوی نے اپنے حجاز کے سفر میں جو چند دن پہلے ہی ہوا تھا، حجاز کے چند ممتاز ادباء اور اہلِ قلم کو بھی اس کی دعوت دی تھی، اور رابطۂ عالمِ اسلامی مکۂ معظمہ نے اس میں شرکت اور نمائندگی کرنے کے لئے ایک وفد کے بھیجنے کا وعدہ بھی کیا تھا جو (جیسا کہ آگے آئیگا) بحمداللہ پورا ہوا۔

راقم نے جو ابھی حجاز سے واپس ہوا تھا اور پہونچتے ہی اس کو بابری مسجد اور رام جنم بھومی کے سلسلہ میں اپنی اُن مصروفیتوں اور ذمہ داریوں کا اچانک علم ہوا تھا، جن کا اظہار و اعلان اس کی غیر موجودگی میں حجاز کے دوران قیام میں ہوا تھا، اور اس کو ان کا علم ہندوستان پہونچنے کے بعد ہی ہوا، نہایت عجلت میں

www.abulhasanalinadwi.org

"حمد و مناجات اور ان کی دینی و ادبی قدر و قیمت" کے عنوان سے مقالہ سپرد قلم کیا جو خطبۂ صدارت کی طرح پڑھا گیا۔[1]

راقم نے اس تاریخی اور نادر الوقوع موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہ یہ مجلسِ مذاکرہ اس شہر میں منعقد ہو رہی ہے، جس کو تیرہویں صدی ہجری کے مجاہدِ اعظم اور مجدّدِ وقت حضرت سید احمد شہیدؒ کے وطن اور مولد ہونے کا فخر حاصل ہے، اپنے قابلِ احترام کرم فرما و مہربان اور اس زمانہ میں برّصغیر ہند و پاک کے عظیم دیدہ ور مؤرخ فاضل گرامی پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی سے درخواست کی کہ وہ اس موقعہ کے لئے حضرت سید احمد شہیدؒ پر ایک تعارفی و تحقیقی مقالہ سپرد قلم فرمائیں، اور اس مذاکرہ کو اس سے زینت بخشیں، جس سے ضمنی طور پر یہ حقیقت بھی واضح ہو گی کہ اس اہم مذاکرہ کے لئے رائے بریلی کا انتخاب کچھ بے جا و بے محل نہیں ہے کہ سید صاحب کی دعوت و تحریک، عبودیتِ خالصہ، انابت اِلی اللہ، تعلق باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ پر مبنی تھی، جس کا قلبی ترجمان اور اس کا خارجی نشان "حمد و مناجات" ہی ہے، اور اس تحریک نے لاکھوں انسانوں میں[2] رجوع اِلی اللہ، استعانت باللہ، شب بیداری اور دعا و حمد و مناجات کا ایسا عمومی ذوق پیدا کر دیا تھا جس کی مثال اصلاح و تجدید، اور جہاد فی سبیل اللہ کی تاریخ میں بھی تلاش و جستجو سے

---

[1] یہ مقالہ بجنسہ رسالہ "ذکر و فکر" اکتوبر ۱۹۹۰ء اور "تعمیر حیات" کے شمارہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۹۰ء میں شائع ہو گیا ہے، اور شاید الگ سے بھی شائع ہو۔ [2] بعض واقف کار و باخبر معاصرین کا بیان ہے کہ سید صاحب کے ہاتھ پر براہ راست توبہ و بیعت کرنے والوں کی تعداد تیس[30] لاکھ سے کم نہیں تھی اور بالواسطہ فائدہ اٹھانے والوں کی تعداد تو کروڑوں تک پہونچتی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

ملتی ہے، پروفیسر صاحب نے اس تعلق کی بنا پر جوان کو اس تحریک و دعوت اور اپنے اس نیاز مند سے ہے یہ فرمائش پوری کی، ان کو عرصہ سے رائے بریلی اور دائرہ شاہ علم اللہؒ (جو حضرت سید صاحبؒ کی جائے پیدائش اور سفر ہجرت وجہاد تک ان کی کوششوں اور تعلیم وتربیت کا سب سے بڑا مرکز رہا ہے) آنے اور دیکھنے کا شوق تھا، اور اس کے لئے اس سے بہتر موقعہ ملنا مشکل تھا، وہ اس سیمنار کے موقع پر ایک دن پہلے ہی تشریف لے آئے، اور اپنا مقالہ مذاکرہ کے افتتاحی جلسہ میں پڑھا،[1] جس میں سید صاحبؒ کی دعوت وتحریک کے عمیق ووسیع اثرات، جہاد فی سبیل اللہ اور ہندوستان کو "بیگانگانِ بعید الوطن اور تاجرانِ متاع فروش[2]" اور نصارائے نکوہیدہ خصال[3] کی غلامی سے آزاد کرانے میں ان کی جد وجہد اور اس کے دور رس اثرات کا مؤرخانہ جائزہ لیا گیا ہے، اور غیر مسلم ملکی اور غیر ملکی مؤرخین کی اس سلسلہ میں شہادتیں اور اعترافات پیش کئے گئے ہیں، جن پر ایک وسیع النظر، وسیع المطالعہ اور انصاف پسند مؤرخ ہی کی نظر پڑ سکتی ہے۔

مذاکرہ کا افتتاحی جلسہ ۱۶ ربیع الاول، ۷ اکتوبر کو نیشنل انٹر کالج کے وسیع وعریض میدان میں شامیانہ کے نیچے ہوا، جو حاضرین اور سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، اور یہ منظر رائے بریلی کی مسلمان آبادی اور اس کے علمی، ادبی مرکزوں اور

---

[1] یہ مقالہ انشاء اللہ علیحدہ ایک رسالہ کی شکل میں طبع اور شائع ہوگا۔

[2] یہ الفاظ انگریزوں کے بارے میں جو ہندوستان پر تسلط حاصل کر رہے تھے خود سید صاحبؒ کے قلم سے اس خط میں آئے ہیں جو آپ نے راجہ ہندو راؤ وزیر گوالیار کو لکھا ہے، ملاحظہ ہو "سیرت سید احمد شہیدؒ" جلد اول صفحہ ۴۰۲ از مصنف۔ [3] مکتوب بنام شاہ سلیمان والی چترال۔

سرگرمیوں سے دور اور علیحدہ ہونے کی بنا پر تعجب خیز بھی تھا، اور مسرّت انگیز بھی، اس مجمع میں خاصی تعداد غیر مسلم تعلیم یافتہ حضرات اور شہر کے انتظامیہ کے نمائندوں کی بھی تھی، تلاوت اور ایک حمد کے بعد جو راقم کی ہمشیرہ سیّدہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ مرحومہ کی لکھی ہوئی تھی، ڈاکٹر سید احمد الحسنی نے خطبۂ استقبالیہ پڑھا، اوّلاً اس حمد کے چند شعر لکھے جاتے ہیں ؎

تری حمد مجھ سے ہو کیا بیاں، تری شان جلّ جلالہٗ
ترا ذکر راحتِ قلب و جاں، تری شان جلّ جلالہٗ
تری حمد پوری محال ہے جو کہوں تو خام خیال ہے
تو خود آپ اپنی مثال ہے، تری شان جلّ جلالہٗ
تری ذات اعلیٰ صفات ہے، ترا نام آبِ حیات ہے
تری یاد وجہِ نجات ہے، تری شان جلّ جلالہٗ

خطبۂ صدارت کا صرف آخری پیراگراف یہاں نقل کیا جاتا ہے :-

"عالمی رابطۂ ادب اسلامی کی ہندوستانی شاخ نے حمد و مناجات کے نہ صرف ادبِ اسلامی میں خصوصی مقام و اہمیّت، بلکہ فطرتِ انسانی اور قلبِ سلیم کی صحیح و مؤثر ترجمانی میں اس کے اہم کردار کو ظاہر کرنے کے لئے مستقل مذاکرۂ علمی (سیمینار) کا جو فیصلہ کیا، وہ اپنے موضوع کی اہمیت اور زمان[1] و مکان کے اعتبار سے بھی ہر طرح موزوں اور مناسب تھا، اس سے

[1] یہ زمانہ ربیع الاول کا مہینہ تھا جس سے معرفتِ الٰہی، توحیدِ خالص اور دعا و مناجات کا ایک عالمی اور لافانی دور شروع ہوا۔

www.abulhasanalinadwi.org

ایک طرف داعیوں اور ذمہ داروں کے ادبی مطالعہ کی وُسعت اور گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے' دوسری طرف دین و ادب کے اس رشتہ کو زندہ اور مضبوط کرنے کا احساس بھی' جو عرصہ سے ادب کی ایک محدود اور "منصوبہ بند" اجارہ داری کی وجہ سے کمزور ہوگیا ہے' جہاں تک مقالہ نگاروں اور شرکائے جلسہ کا تعلق ہے' ان کے لئے یہ شرکت و تعاون "ہم خرما و ہم ثواب" کا مصداق ہے"!

اس سیمینار میں شرکت کے لئے ہندوستان کی جامعات اور مختلف علمی مراکز کے علاوہ عالم اسلام کی ممتاز علمی و ادبی شخصیتوں نے شرکت کی' جن میں مشہور صحافی و مقالہ نگار اور مملکت سعودی عرب کے مجلس شوریٰ کے رکن شیخ احمد محمد جمال' شاعرِ طیبہ (مدینہ منورہ) ضیاء الدین صابونی، جامعۃ الامام محمد بن سعود ریاض کے کلّیۃ العلوم الاجتماعیہ کے پروفیسر ڈاکٹر عبد الحلیم عُویس، رابطۂ عالم اسلامی کے ایک شعبہ کے ذمّہ دار محمد محمود الحافظ، کراچی یونیورسٹی کے اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر وقار احمد رضوی، اُمّ القریٰ مکہ معظمہ کے سابق پروفیسر و حال معتمد تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی، پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی' خواجہ احمد فاروقی، مولانا ضیاء الدین اصلاحی ناظم دار المصنفین' مولانا عبد الوہاب خلجی (جنرل سکریٹری جمعیۃ اہل حدیث ہند) خاص طور پر قابل ذکر ہیں' ہندوستان کے اداروں میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملّیہ اسلامیہ دہلی، جواہرلال یونیورسٹی دہلی، بنارس ہندو یونیورسٹی، الہ آباد یونیورسٹی، کالی کٹ یونیورسٹی، انسٹی ٹیوٹ آف فارن لینگویجز حیدرآباد، اودھ یونیورسٹی' دار العلوم ندوۃ العلماء

www.abulhasanalinadwi.org

دارالمصنّفین اعظم گڑھ، پونہ اور اورنگ آباد کے فاضل مقالہ نگاروں نے شرکت کی۔

ڈاکٹر احمد الحسنی کے خطبۂ استقبالیہ کے بعد رابطۂ ادب اسلامی کے سکریٹری مولوی محمد رابع حسنی ندوی نے اپنی رپورٹ پیش کی، ممالک عربیہ کے مندوبین نے اپنے کلمات اور تأثرات پیش کئے، اور اس بات پر مسرّت کا اظہار کیا کہ ان کو اس سیمنار میں شرکت کے توسّط سے دعوت و تبلیغ، جہاد فی سبیل اللہ، اور علم و تصنیف کے اس مرکز میں آنے کی سعادت حاصل ہوئی، پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی نے اپنا فاضلانہ و مؤرخانہ مقالہ انتخاب واختصار کے ساتھ پڑھا جس کو لوگوں نے شوق وقدر کے ساتھ سنا۔

اس افتتاحی جلسہ کے بعد مقالات کی پانچ نشستیں اور اختتامی جلسہ ضلع پریشد کے ہال میں ہوا، جو ہر مرتبہ حاضرین اور باذوق سامعین سے معمور نظر آتا تھا، ان جلسوں میں عرب فضلاء کا خطاب بھی ہوا، خاص طور پر ڈاکٹر عبد الحلیم عویس کی تقریر سے عربی مصری خطابت کا وہ نمونہ نہ صرف اہلِ رائے بریلی کے سامنے بلکہ فضلائے جامعات اور مقالہ نگاروں کے سامنے آیا، جس کا ہندوستان میں بہت کم موقعہ آتا ہے اور جس نے اجتماع کو ایمانی حرارت اور زورِ خطابت سے مسرور بلکہ مسحور کیا۔

اس سیمنار میں حمد و مناجات کے جو نمونے پیش کئے گئے، ان میں زیادہ تر اسی شہر کے قریب العہد شعراء اور حمد و مناجات کہنے والوں کے اشعار تھے، یہاں پر ان کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں، مناجات میں راقم کے دادا اور مولانا حکیم سید عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حکیم سید فخر الدین صاحب[1] خیالی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مناجات پڑھی گئی، جس کا بند ہے ؎

---

[1] تفصیلی حالات اور کلام کے نمونہ کے لئے ملاحظہ ہو "تذکرۂ گلِ رعنا" اشاعت ششم ص ۵۲۴-۵۴۶ مطبوعہ دارالمصنّفین اعظم گڑھ۔

الٰہی تجھ کو آساں ہے مری مشکل کا حل کرنا کمالِ سرفرازی میں مجھے ضرب المثل کرنا

والدہ مرحومہ سیّدہ خیر النساء صاحبہ[۲] کی مناجات پڑھی گئی، جس کے چند شعر نقل کئے جاتے ہیں ؎

کون سی سرکار ہے جس کا ہے سب کو آسرا کون سا دربار ہے جس میں ہے ہر کوئی کھڑا
کون سا وہ شاہ ہے جس کا ہے ہر کوئی گدا کون سا در ہے نہ جس در سے کوئی خالی پھرا

آج اسی سرکار سے میں بھی تو پا کر شاد ہوں
آج اسی دربار سے میں بھی تو خوش ہو کر پھروں

عزیز القدر مولوی محمد ثانی مرحوم کی بھی ایک مناجات پڑھی گئی، جس کے تین[۳] شعر یہ ہیں ؎

خداوندا میں سرتاپا خطا ہوں اسیرِ پنجۂ حرص و ہوا ہوں
فقیر و خاکسار و بے نوا ہوں بُرا ہوں پر ترے در کا گدا ہوں

الٰهی لا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنِّیْ
مُقِرٌّ بِالَّذِیْ قَدْ کَانَ مِنِّیْ

اسی کے ساتھ اسی حسنی خاندان کے ایک فاضل فرد ادیب و شاعر اور حافظ حدیث مولوی سید ابو الخیر صاحب برقؔ مرحوم[۱] کی ایک مؤثر مناجات کے اشعار بھی پڑھے گئے، جس کے بھی تین[۳] شعر لکھے جاتے ہیں ؎

کفِ دست میدان اور ایک ہستی کڑی دھوپ ہے آگ سی ہے برستی

---

[۱] مصنف راقم کے حقیقی ماموں زاد بھائی تھے، ان کو احادیثِ صحیحہ مع اسناد کے (جس کا ہندوستان میں بہت کم رواج ہے) ہزاروں کی تعداد میں یاد تھیں، عربی ادب و زبان سے بھی بڑا ذوق تھا، شاعری میں شمس لکھنوی اور ثاقب لکھنوی کے شاگرد تھے، مفصل تعارف کے لئے "پرانے چراغ" حصہ دوم ملاحظہ ہو۔

www.abulhasanalinadwi.org

نہ پانی نہ سایہ، نہ دریا نہ بستی   کلیجہ میں اک آگ، ہمت میں پستی

ندامت سے بھی ہیں پسینے پسینے

نہ پوچھا مگر حال یارب کسی نے

رائے بریلی کے اس سہ روزہ اجلاس میں اہل رائے بریلی کے علمی تعاون اور بلند حوصلہ مہمان نوازی کا نمونہ بھی سامنے آیا، جس کا اس سے پہلے کبھی تجربہ و مشاہدہ نہیں ہوا تھا، میموریل سوسائٹی کی ضیافتوں کے علاوہ رائے بریلی کے تین اصحاب نے بڑے پیمانہ پر مہمانوں کی ضیافت کی اور فراخ دلانہ طریقہ پر دعوت کا انتظام کیا۔[1]

تجاویز میں جو زیادہ تر حمد و مناجات کے موضوع اور اس کے ادبی و تاریخی جائزہ اور اس کے ارتقاء و تدوین سے متعلق تھیں، کویت کے خلاف عراقی جارحیت کے نتیجہ میں اسلامی ادیبوں، اسلامی ادب کے بھی معرض خطر میں آجانے اور وہاں اسلامی ادب کے ارتقاء کو نقصان پہونچنے سے متعلق بھی ایک تجویز منظور کی گئی، مندوبین اور مہمانانِ گرامی اور اجلاس کے ذمہ داروں نے ایک دن دائرۂ شاہ علم اللہؒ (تکیہ کلاں) میں بھی زحمت فرمائی، اور دوپہر کا کھانا تناول کیا، اور وہاں کے تاریخی مقامات اور حضرت سید صاحبؒ سے تعلق رکھنے والے نشانات کی بھی زیارت کی، ان میں گورنر بہار جناب محمد یونس سلیم صاحب بھی تھے، جو راقم سے بابری مسجد کے سلسلہ میں بات کرنے کے لئے اچانک ۹ راکتوبر کو

---

[1] مقالات کے عنوان اور مقالہ نگاروں کے نام "تعمیر حیات" کی ۲۵ ر اکتوبر کی اشاعت میں یا اگر سیمینار کی رپورٹ شائع ہوئی تو اس میں دیکھے جا سکتے ہیں، اتنا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ مقالات ۲۵ کی تعداد میں تھے، اور ان میں سے اکثر موضوع کے جدید پہلوؤں اور وقیع معلومات پر مشتمل تھے، مولوی نور عظیم صاحب ندوی نے زیادہ تر جلسہ کو حسن و خوبی کے ساتھ کنڈکٹ کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

رائے بریلی تشریف لے آئے تھے، لکھنؤ سے تاخیر سے پہونچنے کی وجہ سے وہ آخری اجلاس میں شرکت نہیں کر سکے، دینی، ادبی ذوق رکھنے والوں اور مقامی معاونین کے علاوہ شہر کا انتظامیہ (ADMINISTRATION) بھی شکریہ کا مستحق ہے، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور دوسرے سرکاری ذمّہ داران بھی جلسوں میں آتے تھے اور انتظام و تحفّظ میں مدد دینے کے لئے پولیس کے ذمّہ دار اور کانسٹبل بھی خاصی تعداد میں رہتے تھے۔

میں نے اپنی آخری تقریر میں دو باتوں کی طرف خاص طور سے توجہ دلائی، ایک یہ کہ اتنا بڑا بین الاقوامی اجتماع اس وجہ سے منعقد ہو سکا کہ یہاں ماحول پُر امن اور پُر سکون ہے، کوئی کشیدگی اور کوئی تناؤ نہیں پایا جاتا، زندگی کے سارے کاروبار علمی و تحقیقی یا ترقیاتی کام ایسے ہی پُر سکون فضا میں انجام پا سکتے ہیں، اسی ماحول کو پورے ملک میں باقی رہنا چاہیئے۔

دوسری بات یہ کہی گئی کہ اس اجتماع سے لوگ فائدہ اٹھائیں، اور ان کی زندگی پر اس کا اثر ظاہر ہو، یہ کوئی مشاعرہ نہیں ہے کہ لوگ شعر سنیں، واہ واہ کریں اور چلے جائیں، ہمارا یہ اجتماع علمی و ادبی بھی تھا اور دینی بھی، اس کا یہ پیغام ہے کہ ہم کو اور آپ کو زندگی کے ہر معاملہ میں اور ہر لمحہ اللہ کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے، اور اسی سے مدد طلب کرنی چاہیئے، دعا پر یہ سہ روزہ اجتماع ختم ہوا۔[1]

کڑا مانک پور کا سفر اور ایک جلسۂ سیرت میں خطاب

جن حضرات نے "سیرت سید احمد شہیدؒ"[2] یا "حیات عبد الحیؒ"[3] یا ہندوستان کے

---

[1] سیمینار کے اس جائزہ کے پیش کرنے میں "تعمیر حیات" کے اس روداد سے فائدہ اٹھایا گیا ہے، جو مولوی محمود الازہار ندوی کی مرتب کی ہوئی ہے۔ [2] حصہ اول ص ۸۵-۸۷ عنوان "خاندان امیر سید قطب الدین اور ان کی اولاد"۔ [3] ص ۲۱-۲۳

www.abulhasanalinadwi.org

حسنی قطبی خاندان کے قدیم تذکروں اور کتب انساب "تاریخ آئینۂ اودھ" و"بحر الانساب" وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ اس خاندان کے اوّلین فرد اور مُورثِ اعلیٰ جو بغرضِ دعوت و اصلاح اور جہاد فی سبیل اللہ ہندوستان تشریف لائے اور جن سے اس خاندان کی ہندوستان میں بنیاد پڑی، وہ شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد الحسنی (۵۸۱ھ - ۶۷۷ھ) کی ذات گرامی تھی جن کو ۶۰۰ھ میں ایک رویائے صادقہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے ہندوستان جانے کا ایماء و اشارہ ہوا، اور آپ غزنی کے راستہ سے اعزّہ و سادات اور غزنی کے رؤسا و شرفاء و مجاہدین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ دہلی تشریف لائے، ایک مدّت تک دہلی میں شیخ الاسلام کے منصب پر فائز رہے، دہلی کے تمام مشائخ و علماء اور سلاطینِ وقت آپ کا ادب و احترام کرتے تھے، دہلی سے پورب کا قصد کیا اور وہاں کے متعدد قلعوں اور علاقوں کو فتح کر کے اسلامی حکومت میں شامل کیا، پھر کڑہ[1] میں مستقل سکونت اختیار فرمائی، یہاں ۹۶ سال کی عمر میں ۳ رمضان ۶۷۷ھ میں وفات پائی اور کڑہ ہی میں مدفون ہوئے۔

آپ کی ولادت ۵۸۱ھ میں بغداد میں ہوئی، پہلے اپنے حقیقی ماموں زاد بھائی سید عبدالرزاق ابن سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ سے سلوک کی تربیت حاصل کی اور خلافت سے سرفراز ہوئے، انکی وفات کے بعد سلسلۂ سہروردیہ کے عالی مرتبت شیخ ابوالجناب نجم الدین کبریٰ سے رجوع کیا اور خلافت سے ممتاز ہوئے[2]۔

---

[1] یہ دریائے گنگا کے مغربی جانب قصبہ مانک پور کے بالمقابل ضلع الہ آباد میں واقع ہے، اور اس کی سرحد ضلع فتحپور سے متصل ہے۔ [2] سید قطب الدین مدنیؒ کے اخلاف میں بلند مرتبہ مشائخ مصلحینِ کبار اور عالی ہمّت مجاہدین بڑی تعداد میں پیدا ہوئے، اور ان میں سے بہت سے (باقی صفحہ ۳۲۸ پر)

www.abulhasanalinadwi.org

سید قطب الدین مدنیؒ کے علاوہ کڑہ کو ایک دوسرے عالی مرتبت شیخ طریقت اور مربی روحانی مولانا شمس الدین خواجگی عُریضی ملتانی کے مدفن ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، جن کو حضرت اسماعیل بن جعفر الصادق سے نسبی اور شیخ علاء الدین حسینی جیوری سے تلمذ اور بیعت وخلافت کی نسبت حاصل تھی جو بیک واسطہ حضرت سید قطب الدین محمد المدنی کے مجاز وخلیفہ تھے[۱]، آپ کی وفات ۱۸ محرم ۸۹۶ھ میں ہوئی، وہ بھی والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحیؒ صاحب کے اجداد مادری میں ہیں۔

حضرت خواجگی پر تواضع اور فنائیت کا ایسا غلبہ تھا کہ انھوں نے وصیت فرمائی تھی کہ میری قبر پر یہ دو شعر لکھ دیئے جائیں ؎

برائے خدا اے عزیزان من | نویسید بر گور من ایں سخن
کہ چوں خواجگی در تہہ خاک شد | نکو شد کہ خس کم جہاں پاک شد

چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی، وہ دریائے گنگا کے مغربی کنارہ پر دریا سے متصل دفن کئے گئے بعد میں ایک رویائے صادقہ کی بنا پر ان کے جسد مبارک کو وہاں سے منتقل کرکے دریا کے کنارہ ایک بلند ٹیلہ پر دفن کیا گیا[۲]، اور یہ شعر وہاں بھی قبر پر کندہ کردیئے گئے۔

(باقی صفحہ ۳۲۷ کا) بلند دینی مناصب اور عہدۂ قضا پر فائز رہے، آپ کا سلسلۂ طریقت اب بھی دکن میں جُنیدی کی نسبت سے پایا جاتا ہے، اور گلبرگہ وغیرہ میں اس سلسلہ کے متعدد شیوخ، اور منتسبین مدفون ہیں۔

[۱] ان کی تصنیفات میں سے سلوک وتصوف میں رسالہ "مراد مرید" اور حدیث میں "الاربعین" یادگار رہے، "مراد مرید" کا حصہ اول اردو ترجمہ کے ساتھ مولوی نہال احمد صاحب علوی کڑوی ایڈیٹر "الاحسان" نے عرصہ ہوا مطبع انوار احمدی سے شائع کیا تھا، اور وہ مولانا سید عبدالحی صاحبؒ کے کتب خانہ محفوظہ کتب خانہ ندوۃ العلماء میں موجود ہے [۲] قصبہ کے لوگوں اور معتقدین نے پختہ مزار اور گنبد تعمیر کیا جو غالباً پہلے نہیں تھا اور خاندانی طرز عمل کے خلاف ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

ان دونوں بزرگوں کے مدفن ہونے کی بنا پر جن سے ہمارے خاندان کو نسبی افتخار و شرف حاصل رہا ہے، اور خاص طور پر حضرت سید قطب الدین مدنیؒ کے مدفن ہونے کی وجہ سے جو خاندان کے مورثِ اعلیٰ اور جدّ امجد ہیں، اور کڑہ کے ایک صدی سے زائد خاندان کے مسکن و مدفن ہونے کی وجہ سے یہ بات بالکل قرین قیاس تھی کہ راقم سطور جو دنیا کے دور دراز مقامات (یورپ وامریکہ) اور اسلامی ممالک میں الجزائر و مراکش تک جا چکا ہے اور مسلمانوں کے "فردوسِ گم گشتہ" اندلس (اسپین) تک کی سیاحت کر چکا ہے، کڑہ کے قُرب مکانی اور سفر کی سہولتوں کی بنا پر ایک سے زائد بار اس کو وہاں جانے کا اتفاق اور اپنے اجداد کرام کے قبور کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی ہوتی لیکن اس وقت تک کہ کاروانِ زندگی ستّر سے اوپر کی منزل کو پہونچ چکا ہے اس کی نوبت نہ آئی، اس میں اس کو بھی دخل تھا کہ وہ محض قبور کی زیارت کے لئے "شدِّ رحال" کرنا نہیں چاہتا تھا، اس کے لئے کسی دینی تقریب اور قوی محرّک کا منتظر تھا۔

تقدیر الٰہی سے اس کا بھی انتظام ہو گیا، دار العلوم ندوۃ العلماء کے ایک فاضل مولوی محمد نفیس ندوی نے (جو کڑہ کے علاقہ سے وطنیت کا تعلق رکھتے ہیں) کڑہ کے جوار میں ایک جلسۂ سیرت کے انعقاد کا انتظام کیا اور سفر حجاز سے پہلے ہی مجھ سے وعدہ لے لیا کہ میں اس کی شرکت کے لئے سفر کروں گا، اور ضمناً اجداد کرام کی قبور پر حاضر ہو کر فاتحہ بھی پڑھ لوں گا۔

رائے بریلی کے رابطۂ ادبِ اسلامی کے سیمنار سے فارغ اور مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد ۱۱؍ اکتوبر کو راقم اور متعدد اعزّہ اور افراد خاندان (عزیزان مولوی محمد رابع ندوی، مولوی محمد واضح ندوی، عبد اللہ حسنی، سید محمد سالم ہنسوی، سید محمد مسلم حسنی،

www.abulhasanalinadwi.org

مولوی سید ابوبکر حسنی ایم ۔اے سابق استاد نہرو یونیورسٹی دہلی) اور رائے بریلی کے احباب کی ایک جماعت کے ساتھ جو خود بھی کڑہ سے دلچسپی رکھتے تھے، دو مستقل گاڑیوں پر روانہ ہوئے، تقدیر الٰہی سے (جس کی حکمت بعد میں معلوم ہوگی) ہمیں اس جگہ جہاں سے کئی راستے جاتے ہیں، کوئی رہبر نہیں ملا، اور چونکہ ذہن میں یہ تھا کہ یہ جلسہ کڑہ میں یا اس کے بالکل متصل ہو رہا ہے، ہم سیدھے کڑہ پہونچ گئے، وہاں جلسہ یا کسی اجتماع کے کوئی آثار نظر نہیں آئے، قصبہ بھی کچھ غیر آباد اور ویران نظر آیا، ہم لوگ دیر تک اپنے قدیم کرم فرما، اور کڑہ کی قابل فخر شخصیت سید صدیق حسن صاحب آئی سی ایس مرحوم کے خاندانی مسکن پر جو غیر آباد ہے دیر تک کسی رہبر اور واقف کار کا انتظار کرتے رہے، تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد دو صاحبان اسکوٹر پر آئے اور انھوں نے بتایا کہ جلسہ قصبہ سے کچھ فاصلہ پر فلاں گاؤں میں ہو رہا ہے، اور منتظمین و حاضرین منتظر ہیں، یہ جگہ قصبہ سے تقریباً دو کلومیٹر پر واقع تھی، وہاں پہونچے تو دیکھا کہ مجمع منتظر ہے، مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی، مولانا عبدالوحید صاحب فتحپوری مہتمم مدرسہ اسلامیہ فتح پور اور مولانا قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی بھی تشریف رکھتے ہیں۔

میں راستہ بھر سوچتا ہوا گیا تھا کہ سیرت کے کس پہلو پر تقریر کروں گا کہ سیرت پاک کا موضوع ایک بحر زخار ہے، اس کے لئے کس عنوان کا انتخاب کیا جائے، لیکن جلسہ گاہ اور منزل مقصود کی تلاش میں جو پریشانی و سرگردانی پیش آئی اُس نے راہ پائی اور حقیقت رسی کی راہ ہموار کر دی، اور اتفاقی طور پر وہ مضمون ذہن میں آیا، جو منزلِ مقصود پر آسانی سے پہونچ جانے کی شکل میں شاید مشکل ہی سے آتا۔

میں نے سورۂ اعراف کی آیت مندرجہ ذیل سے :-

www.abulhasanalinadwi.org

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی	اور (یہ اہلِ جنّت) کہیں گے کہ خدا کا
هَدٰىنَا لِهٰذَا قف وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ	شکر ہے جس نے ہم کو یہاں کا راستہ
لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ج لَقَدْ	دکھایا اور اگر خدا ہم کو راستہ نہ دکھاتا
جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ط	تو ہم راستہ نہ پا سکتے، بے شک ہمارے
(سورۂ اعراف ۔ ۴۳)	پروردگار کے رسول حق بات لے کر آئے تھے۔

اپنی تقریر کا آغاز کیا، اور کہا کہ جنّت تک پہونچنے والے خوش نصیبوں نے کتنی سچی بات کہی کہ سب شکر خدا کا ہے جس نے ہم کو جنّت تک پہونچایا اور ہم اپنی (خداداد ذہانت و ذکاوت، کسی علم و مہارت اور ذاتی تلاش و جستجو سے) اس مقام عالی تک نہیں پہونچ سکتے تھے، اگر خدا کی رحمت اور رہبری ہماری یاوری نہ کرتی۔

پھر انھوں نے اس حقیقت کو بھی بیان کیا کہ خدا ایک ایک کی ہدایت کے لئے زمین پر نہیں اترتا اور وہ ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر راستہ پر نہیں لگاتا، اس کا ذریعہ پیغمبروں کی بعثت اور اُن کی ہدایت و رہبری ہے، وہی دنیا میں اللہ کا پیغام، ہدایت و نجات کا سامان اور منزلِ مقصود کا نشان لے کر آتے ہیں، اور وہی گم کردہ انسانیت اور بھٹکے ہوئے افرادِ بنی آدم کو راہ پر لگاتے اور منزل تک پہونچاتے ہیں۔

میں نے کہا کہ اہلِ جنت کے اس اعلانِ حق اور اظہارِ حقیقت کا ہم نے آج عملی تجربہ کیا، ہم اپنے وطنِ جدید سے اپنے وطنِ قدیم تک آرہے تھے جو ہمارے خاندان کا ایک صدی سے زیادہ مسکن رہا ہے، اور جو ہمارے شہر و مسکن سے دور کسی دوسرے ملک ہی میں نہیں کسی دوسرے صوبہ اور ریاست میں بھی واقع نہیں ہے، اسی صوبہ میں اور متصل اضلاع میں ہے[1]،

---

[1] رائے بریلی سے کڑہ مانک پور۔۔۔۔۔۔۔ گنگا پار کر کے ۶۵ کلومیٹر ہے، اور ہم جس راستہ سے گئے (جس میں دریا نہیں پڑتا) وہ ۱۱۰ کلومیٹر تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

راستہ میں نہ کوئی پہاڑ ہے نہ دریا، نہ ریگستان نہ صحرا، کوسوں تک ایک ہی سڑک آتی ہے، پھر راستے الگ الگ ہو جاتے ہیں، زبان بھی مختلف نہیں، اور تہذیب و تمدّن بھی مختلف نہیں لیکن ہم منزل کے بالکل قریب پہونچ کر (کئی راستے ہونے کی وجہ سے) بھٹکے اور خوب بھٹکے، ہمارا وطنی تعلق، زبان کی وحدت، آنکھوں کی بینائی اور سرگردانی کچھ کام نہ آئی، اور ہم جلسہ گاہ (جو اس جگہ سے بہت زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے جہاں ہم کھڑے تھے) اس وقت پہونچے جب رہبر آئے، اور ہم اُن کی رہنمائی میں جلسہ گاہ میں پہونچے۔

اب سوچیے کہ یہ دنیا اور یہ سرزمین جس میں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں راستے نکلتے اور سیکڑوں ہزاروں کوس تک جاتے ہیں، فلسفوں، مذہبوں، مکاتبِ خیال اور علم و ادب اور دانشمندی کی شکل میں ہزاروں پہاڑ کھڑے ہیں، اور دریا بہہ رہے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک اپنی طرف دعوت دے رہا ہے، پھر خواہشاتِ نفس، آب و تاب رکھنے والے منافع، اور پُرکشش ترغیبات کا ایک جال بچھا ہوا ہے، اس "بھول بھلیاں" میں انسان ایک فرستادۂ خدا، معصوم و مخلص رہبرِ کامل کے بغیر کیسے صحیح راستہ پا سکتا ہے، اور منزلِ مقصود کو پہونچ سکتا ہے؟

یہ رہبرِ کامل اور فرستادۂ خدا انبیاء و مرسلین ہیں، جو انسانوں کی رہنمائی کے لئے دنیا میں آتے رہے اور گُم کردہ راہ اور حیران و سرگرداں انسانی قافلوں کو اپنے اپنے وقت اور زمانہ میں خدا تک پہونچاتے اور جنّت کا مستحق بناتے رہے، تنہا انھیں کے ذریعہ صحیح معرفتِ الٰہی، مقصدِ تخلیق کا علم اور زندگی گذارنے کا صحیح راستہ مل سکتا ہے، یہاں نہ ذہانت کام آتی ہے، نہ علم و فن، اور نہ سرگردانی و حیرانی، اہلِ جنّت نے پہلے تو اس کا اعلان کیا کہ اگر خدا ہماری ہدایت کا سامان نہ کرتا تو ہم یہاں تک (جنّت تک)

www.abulhasanalinadwi.org

نہیں پہونچ سکتے تھے، پھر اس حقیقت کا انکشاف اور اقرار کیا کہ اس ہدایت کا ذریعہ تنہا انبیاء و مرسلین ہیں۔

لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔ بے شک ہمارے پروردگار کے قاصد اور ایلچی (انبیاء و رسل) حق لے کر آئے۔

پھر میں نے حاضرین کو متوجہ کیا کہ اب بھی ہدایت و نجات کا راستہ پیغمبروں ہی کی پیروی، اور اب قیامت تک خاتم الرسل سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے اور آپؐ کی سنّت کے اتّباع اور آپؐ کے اُسوہ پر چلنے میں ہے، اور ہم سب کا فرض عبادات و عادات، معاملات و تعلقات، ذاتی و عائلی زندگی میں شریعت کو حکم بنانا اور اس کو مقدّم رکھنا ہے، ہم اپنی پوری انفرادی، اجتماعی زندگی میں آزاد نہیں ہیں، شریعت کے پابند ہیں، پھر میں نے وقت کے تقاضہ اور تجربہ کی بنا پر شادی بیاہ کے خود ساختہ رسوم اور از خود عائد کردہ پابندی و قیود اور برادران وطن کی تقلید و نقّالی کے خلاف عرض کیا اور شادیوں کو سادہ طریقہ پر کرنے، اسراف و نمائش اور نام و نمود سے بچنے کی تلقین کی۔

اس سلسلہ میں وطنی اور نسبی تعلق کی مناسبت سے میں نے حضرت سید احمد شہیدؒ کی تربیت کردہ جماعت کا ایک واقعہ سنایا کہ پشاور کی فتح کے بعد وہاں کے ایک پٹھان نے جماعت مجاہدین کے ایک فرد سے کہا کہ میں ایک بات پوچھتا ہوں صحیح صحیح جواب دیجئے گا وہ یہ کہ کیا ہندوستانیوں کی آنکھ کمزور ہوتی ہے اور وہ دور کی چیز نہیں دیکھ سکتے؟ انھوں نے کہا کہ ایسا ہرگز نہیں ہے، اور آپ کے ذہن میں یہ سوال کیوں آیا؟ اس نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ لوگ مہینوں اور برسوں سے اپنے گھر والوں سے دور ہیں لیکن

www.abulhasanalinadwi.org

میں نے اس قافلہ کے کسی آدمی کو کسی نامحرم کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا، اس سے میں سمجھا کہ آپ دور کی بینائی سے محروم ہیں، ایک دو ہوں تو اس کا سمجھنا آسان ہے، لیکن سیکڑوں آدمیوں کی یہ احتیاط سمجھ میں نہیں آتی۔

قافلہ کے فرد نے کہا کہ یہ اللہ کے ارشاد :۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ	اہلِ ایمان سے کہدیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں
اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ۔	نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی
(سورۃ النور۔ ۳۰)	حفاظت کریں۔

کی تعمیل اور ہمارے امام و مربّی حضرت سید احمدؒ کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہے، میں نے عرض کیا کہ اگر مسلمان ہر جگہ اس پر عمل کریں تو ان کا اخلاقی امتیاز کھل کر سامنے آئے اور لوگ اسلام کے عقیدتمند اور گرویدہ ہوں، میں نے کہا کہ میں نے یہ بات آکسفورڈ (انگلستان) میں بھی جمعہ کے موقعہ پر وہاں کے مسلمان تعلیم یافتہ مجمع کے سامنے کہی تھی کہ اگر ہم اپنا اخلاقی امتیاز و بلندی ثابت کر دیں تو یہاں بھی قبولِ اسلام اور کم سے کم اس کے مطالعہ اور تحقیق کا ذوق پیدا ہو جائے۔

جلسۂ سیرت سے فارغ ہو کر ہم لوگ رہبروں کی رہبری میں قصبہ (کڑہ) میں آئے، بڑی مشکل سے شہر سے باہر کھیتوں میں اپنے جدِّ امجد حضرت سید قطب الدین مدنیؒ کے مزار تک پہونچے جہاں نہ کوئی کتبہ ہے نہ گنبد[1]، وہاں فاتحہ پڑھی، اور کچھ دیر رہ کر حضرت خواجگی کے مزار مبارک تک آئے جو گنگا کے کنارہ ایک اونچے ٹیلہ پر واقع ہے، وہ شعر تو

---

[1] یہ بحمد اللہ اس خاندان کا قدیمی شعار ہے، بڑے بڑے اہل اللہ، علمائے ربّانیین اور شہرۂ آفاق مصنّفین کی قبریں خام ہیں اور بلا قبّہ و گنبد۔

www.abulhasanalinadwi.org

نظر نہیں آئے جو ان کی قبر پر کندہ کئے گئے ہیں کہ ان پر چادر پڑی ہوئی تھی، اور قبر پختہ تھی، اور گنبد بھی بنا ہوا تھا، لیکن اُن کے وہ دونوں شعر اس وقت بھی مستحضر تھے، اس کو نسب و نسبت کا اثر کہئے یا احترام و عقیدت کہ میں نے (جو شعر گوئی کی صلاحیت سے محروم ہے) دوسرے شعر میں تھوڑا سا تصرّف کیا، ان کا شعر تھا ؎

کہ چوں خواجگی در تہہِ خاک شد نکو شد کہ "خس کم جہاں پاک" شد[1]

میں نے اس کے بجائے یہ کر دیا کہ ؎

کہ چوں خواجگی در تہہِ خاک شد نکو شد کہ منزل بہ افلاک شد[2]

زیارت قبور سے فارغ ہو کر سید صدیق حسن صاحب مرحوم کے مکان کے قریب مسجد میں عصر کی نماز ادا کی اور چائے پی، سید صاحب کے صاحبزادہ سید رشید حسن صاحب انجینیر لکھنؤ سے آگئے تھے، انھوں نے سید صاحب کے مکان میں مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا ہے، اس کے لئے جگہ کے انتخاب میں مشورہ کیا اور بخیر و خوبی یہ سفر تمام ہوا، اور ہم لوگ اپنے مستقر رائے بریلی آگئے۔

بابری مسجد و رام جنم بھومی کے قضیہ میں ملاقاتیں، مشورے اور جدّ و جہد

راقم کی مکہ معظمہ میں ہونے والی رابطۂ عالم اسلامی کی مؤتمر میں شرکت کے لئے (جس کا تفصیل سے ذکر آچکا ہے) ۷ ستمبر کو جدّہ کے لئے روانگی ہوگئی تھی، جہاں سے واپسی ۲۶ ستمبر کو

---

[1] یہ جملہ ایک محاورہ اور مثل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے کہ "خس کم جہاں پاک" یعنی کوڑا کرکٹ کم ہوا دنیا پاک ہوگئی۔ [2] اس میں افلاک سے عالم ارواح کی طرف اشارہ ہے، جو اس خاکدان ارضی سے بلند و بالا ہے، اس سے معراج و اسراء کی طرف ہرگز اشارہ نہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

ہوئی، ان تین ہفتوں میں راقم ہندوستان کے تازہ حالات سے بالکل بے خبر رہا، مؤتمر کی مصروفیت، عرب و بیرونی ممالک کے احباب سے ملاقاتوں، حرم شریف کی حاضری اور مدینہ طیبہ کے معمولات نے ہندوستان کے اخبارات کا مطالعہ تو الگ رہا (جو وہاں دشواری سے دستیاب ہوتے ہیں) ہندوستان کے ریڈیو کے پروگرام اور خبریں سننے کا موقعہ بھی نہیں دیا، اس وقت تک ان مساعی کا ماحصل کانچی پورم مدراس کے شنکراچاریہ جی سے ملاقات اور ان سے گفتگو کے نتیجہ میں جو تجویز سامنے آئی تھی اس کے بارے میں دینی و انتظامی نقطۂ نظر سے غور و فکر اور مستند اور صاحب الرائے علماء سے مشورہ کا ارادہ اور اس کی روشنی میں مناسب اقدام کا قصد اور نیّت تھی، جس کی تکمیل ہندوستان واپس جاکر ہی ہوسکتی تھی، اتفاق سے اس ملاقات و گفتگو کے ایک دوسرے رفیق و شریک کار مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب بھی مؤتمر میں شرکت کرنے کے لئے ساتھ ہی آئے ہوئے تھے، اس درمیان میں صرف اتنی بات نے کچھ توجہ مبذول کرائی کہ محترمی محمد یونس سلیم صاحب گورنر بہار کا ٹیلیفون آیا کہ "آپ لوگ جلد واپس آجائیں آپ کی ضرورت ہے" جس کے جواب میں کہہ دیا گیا کہ ہم لوگ ۲۶/۲۷ ستمبر سے پہلے نہیں آسکتے۔

۲۶ ستمبر کو جب بعد مغرب دہلی کے ہوائی اڈہ پر پہونچنا ہوا تو استقبال کرنے والوں میں کئی نئے اور اجنبی چہرے نظر آئے، وزارتِ داخلہ کے ایک ترجمان اور نمائندہ بھی ملے، اور اپنی قیام گاہ (اوکھلہ) تک پہونچتے پہونچتے یہ بات معلوم ہوگئی کہ مسئلہ کو حل کرنے اور فریقین کے مذہبی طبقہ سے مل کر کسی مفاہمتی فارمولہ اور نتیجہ تک پہونچنے کی کوشش کرنے کے لئے اکثریت کے فرقہ میں سے کانچی پورم کے شنکراچاریہ جی اور راقم

کا نام لیا جا رہا ہے، اور کئی روز سے ریڈیو اور ٹی، وی بھی اس کی اشاعت کر رہے ہیں، اور اس کے نتیجہ میں ایک کثیر تعداد کی نگاہیں ہم دونوں کی طرف لگی ہوئی ہیں اور زبانوں پر ہم دونوں کا نام آرہا ہے، قیام گاہ پر پہونچتے ہی بعض سیاسی پارٹیوں کے نمائندوں اور اخبار نویسوں کے ٹیلیفون آنے شروع ہو گئے کہ ہم ابھی آنا چاہتے ہیں، اتفاق سے اس دن ریزرویشن کی مخالفت میں احتجاج و تحریک کے سلسلہ میں دہلی کے بہت سے راستے بند تھے، ہم لوگ بڑی دشواری سے (جبکہ ۶½ بجے ہمارا جہاز دہلی ایرپورٹ پر پہونچ گیا تھا) ۹ بجے رات کو اپنی قیام گاہ پر پہونچے تھے، میں تفصیلات معلوم کئے بغیر کسی کو ملاقات اور گفتگو کا موقعہ دینا مناسب نہیں سمجھتا تھا، اس لئے تکان کا عذر کر کے ان سے پیچھا چھڑایا، پھر بھی صبح بہت سے شائقین پہونچ گئے، اور میں نے لکھنؤ کے سفر کی تیاری اور تازہ حالات سے بے خبری کا عذر کر کے اُن سے معذرت کی، لکھنؤ آئے تو اس خبر کی تصدیق ہوئی، یہاں پر ایک اردو اخبار کا تراشہ پیش کیا جا رہا ہے جس سے اس واقعہ پر روشنی پڑتی ہے :-

"مصالحتی میٹنگ میں مسلمانوں کی نمائندگی مولانا علی میاں کریں گے"

مدراس ۲۵ ستمبر باوثوق ذرائع سے موصولہ اطلاعات کے مطابق حکومت نے بابری مسجد رام جنم بھومی تنازعہ کے حل کے لئے مذہبی رہنماؤں کی جو میٹنگ بلانے کی تجویز رکھی ہے اس میں مسلمانوں کی نمائندگی مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی کریں گے۔

تجویز پر بحث کے دوران مسلم نمائندگی کا مسئلہ مسٹر چندر شیکھر نے اٹھایا، اور انھوں نے ہی مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی کا نام تجویز کیا ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

جس کو مختصر بحث کے بعد قرارداد میں شامل کر لیا گیا، معلوم ہوا ہے کہ مسٹر وی۔ پی سنگھ کے قریبی حلقوں نے شاہی امام جامع مسجد دہلی مولانا عبداللہ بخاری کا نام تجویز کیا تھا، لیکن کونسل نے مسٹر چندر شیکھر کے تجویز کردہ نام کو ترجیح دی[1]"

حیرت کی بات ہے کہ یہ خبر ملک کے بیشتر سیاسی حلقوں اور اس قضیہ سے دلچسپی رکھنے والوں پر بجلی بن کر گری، اور اس کا کہیں حیرت و استعجاب اور کہیں طنز و تعریض کی شکل میں ردِّ عمل ظاہر ہوا، یہاں پر صرف اس کا ایک نمونہ اقتباس کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے :۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بابری مسجد۔ رام جنم بھومی قضیہ اب اپنے آخری دور میں ہے اور انجام کو پہونچنے والا ہے، تو ٹھیک اسی موقعہ پر مولانا علی میاں کا نام بیچ میں لایا گیا، ممکن ہے علی میاں کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہو کہ ان کا نام قضیہ میں ثالثی کرانے والوں کی فہرست میں لکھا جائیگا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ علی میاں اس جھگڑے میں پڑنے سے انکار کر دیں، شاہی امام سید عبداللہ بخاری کو بھی یہ گوارہ نہ ہوگا کہ اُن کے رہتے ہوئے علی میاں پکی پکائی ہانڈی کھاتے کے لئے دستر خوان پر بیٹھ جائیں اور شاہی امام کو کوئی پوچھے بھی نہیں، اس وقت شاہی امام سرکاری امام کا درجہ رکھتے ہیں، راجہ وشوناتھ پرتاپ سنگھ کے دربار میں شاہی امام کا رُتبہ بہت بلند ہے، ان کی سُنی جاتی ہے[2]"

اس موقعہ پر یہ سوال خود بعض مسلمان حلقوں کی طرف سے بہت بلند آہنگی سے

---

[1] آزاد ہند کلکتہ ۲۶ ستمبر ۱۹۹۰ء [2] آزاد ہند کلکتہ کا افتتاحیہ بابت ۲۵ ستمبر ۱۹۹۰ء۔

www.abulhasanalinadwi.org

اُٹھایا گیا کہ جن کو مسلمانوں کا نمائندہ بنایا گیا ہے، اُن کے والد مرحوم (مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ) نے اپنی عربی کتاب "الهند في العهد الإسلامي" میں مندر توڑ کر مسجد بنانے کی نسبت شہنشاہ بابر کی طرف کی ہے، اور وہ بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں،[1] اس بیان اور مصنّف کتاب کے ساتھ نسبت وتعلق کو راقم کے خلاف بڑی دلچسپی اور اہتمام سے استعمال اور اس کی وجہ سے کسی مفاہمت اور گفتگو کے لئے میرا انتخاب غلط اور مضرت رساں ثابت کیا گیا، یہاں تک کہ لکھنؤ کی عدالتِ عالیہ میں میرے خلاف ایک رِٹ داخل کی گئی، ہم یہاں اس سلسلہ میں اخبار "قومی آواز" میں شائع شدہ خبر کا مضمون نقل کرتے ہیں:۔

"لکھنؤ ۹ / اکتوبر آج الٰہ آباد ہائی کورٹ کی لکھنؤ بنچ میں ایک رِٹ درخواست پیش کی گئی ہے، اس میں ایک طرف تو عدالت سے یہ درخواست کی گئی ہے کہ وہ مرکزی اور ریاستی حکومتوں کو بابری مسجد کو ہندوؤں کے حوالہ کرنے سے

---

[1] غالباً کسی غیر مسلم مطالعہ کرنے والے، بلکہ بیشتر مسلمان ناظرین کو بھی اس کی خبر نہ تھی، بعض ذرائع سے معلوم ہوا (والغیب عند اللہ) کہ ایک ایسے صاحبِ قلم اور ایک اسلامی اُردو رسالہ کے مدیر شہیر نے (جن کو اس عاجز سے خاص کدّ اور دلچسپی ہے) بعض ہندو اخبار نویسوں اور خاص طور پر ارون شوری کو (جو اپنی مسلم دشمنی میں مشہور ہیں) اس کتاب اور اس کے اس بیان کی طرف متوجہ کیا، ہمارے بعض مخلص دوستوں نے بتایا کہ پونا تک میں اس رسالہ اور مدیر محترم سے دلچسپی رکھنے والے عربی کی اس کتاب کو جو دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد کی طرف سے برسوں پہلے شائع ہوئی تھی، تلاش کرتے پھرتے تھے، بالآخر ان کو اس کا اردو، انگریزی ترجمہ مل گیا اور انھوں نے اخبارات میں اس کا حوالہ دیا، اور مجلسوں میں چرچا کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

باز رکھنے کے لئے حکم جاری کرے، اور دوسری طرف یہ استدعا بھی کی گئی ہے کہ راشٹریہ یکجا پریشد میں مسئلہ کو مذہبی لیڈروں کی گفت وشنید کے ذریعہ طے کرانے کی جو بات کہی گئی ہے اس میں مسلمانوں کی نمائندگی کا حق مولانا سید ابوالحسن ندوی کو نہ دیا جائے۔

اس بات کو ابھی قبول نہیں کیا گیا ہے اور اس کے قابلِ سماعت ہونے پر توقع ہے کہ بدھ کے دن بحث ہوگی۔

رِٹ درخواست کے بارے میں مرکزی حکومت اور ریاستی حکومت کے سرکاری وکیلوں کو نوٹس جاری کر دیا گیا ہے، رِٹ میں جو سیوان (بہار) کے مسٹر آس محمد انصاری نے دائر کی ہے، مرکزی حکومت، ریاستی حکومت، مولانا ابوالحسن علی ندوی اور اُتر پردیش وقف بورڈ کو فریق بنایا گیا ہے، درخواست دہندہ کے وکلاء مسٹر ہری اوم سنگھ اور مسٹر شکیل احمد انصاری نے یہ رِٹ پیش کی۔

رِٹ میں کہا گیا ہے کہ مولانا علی میاں مسلم فرقہ کے نمائندہ نہیں ہیں، اس سلسلہ میں رِٹ درخواست میں ایک کتاب کا کئی جگہ ذکر کیا گیا جو درخواست دہندہ کے بموجب مولانا علی میاں کی تحریر کردہ ہے، اور جس میں رِٹ کے بموجب یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ بابری مسجد بابر نے مندر توڑ کر تعمیر کی تھی۔[1]

۱۰ اکتوبر کو یہ رِٹ خارج کر دی گئی، یہاں "قومی آواز" لکھنؤ کے ۱۱ اکتوبر ۱۹۹۰ء کی اشاعت کا اقتباس پیش کیا جا رہا ہے:۔

---

[1] روزنامہ "قومی آواز" ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۰ء۔

www.abulhasanalinadwi.org

"لکھنؤ۔ ۱۱؍ اکتوبر۔ آج الٰہ آباد ہائی کورٹ کی لکھنؤ بنچ کی ایک ڈویژن بنچ نے اس رِٹ درخواست کو مسترد کردیا جس میں مرکزی حکومت، ریاستی حکومت، مولانا ابوالحسن علی ندوی اور وقف بورڈ کو فریق بنایا گیا تھا۔

یہ رِٹ سیوان (بہار) کے مسٹر آس محمد انصاری نے دائر کی تھی، رِٹ میں اور دوسرے نکات کے علاوہ یہ بھی کہا گیا تھا کہ مولانا علی میاں مسلم فرقہ کے نمائندہ نہیں ہیں، رِٹ کے بموجب مولانا علی میاں کی تحریر کردہ کتاب میں کہا گیا ہے کہ بابر نے مندر توڑ کر مسجد بنوائی، رِٹ میں عدالت سے استدعا کی گئی کہ بابری مسجد کو ہندوؤں کے حوالہ کرنے سے باز رکھنے کا حکم جاری کرے اور دوسری استدعا یہ کی گئی تھی راشٹریہ یکتا پریشد میں مسئلہ کو مذہبی لیڈروں کی گفت وشنید کے ذریعہ طے کرانے کی بات جو کہی گئی ہے اس میں مسلمانوں کی نمائندگی کا حق مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو نہ دیا جائے۔

مخالف فریقین کی طرف سے مرکزی حکومت کے سرکاری وکیل مسٹر دیوان سنگھ رندھاوا، مسٹر محمد وسیم ایڈوکیٹ اور ریاستی حکومت کی طرف سے مسٹر جگدیش بھلا نے رِٹ کی مخالفت کی، رِٹ پر بحث کی سماعت سننے کے لئے آج خاصی تعداد میں لوگ عدالت نمبر ۳ کے اندر اور باہر کارروائی سننے کے لئے موجود تھے جن میں مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی بھی شامل تھے، جب عدالت نے رِٹ کو مسترد کردیا تو لوگوں نے وکیل سرکار کے علاوہ ایک دوسرے کو مبارکباد دی۔

مسٹر جسٹس برجیش کمار اور مسٹر جسٹس کے۔ سی بھارگو نے اپنے فیصلے

www.abulhasanalinadwi.org

میں لکھا کہ مولانا علی میاں مسلم فرقے کے نمائندہ ہیں یا نہیں، یہ طے کرنا ہمارے لئے مشکل ہے، اور یہ معاملہ عدالت کے دائرۂ اختیار میں بھی نہیں ہے۔

فاضل بنچ نے اپنے فیصلہ میں مزید کہا کہ اس رِٹ میں اسٹند عائم کی گئی، تنقید زیادہ کی گئی ہے، اس کے علاوہ درخواست گذار نے اس رِٹ میں یہ بھی نہیں واضح کیا کہ اس کمیٹی بنانے سے اس کو کیا شکایت ہے"۔

مجبور ہو کر مجھے اس سلسلہ میں ایک بیان دینا پڑا جو مختلف اخبارات میں شائع ہوا، یہاں اس کا متن "قومی آواز" لکھنؤ کی ۱۴؍ اکتوبر ۱۹۹۰ء کی اشاعت سے نقل کیا جاتا ہے:۔

"لکھنؤ ۱۳؍ اکتوبر۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے آج ایک انٹرویو میں اس بات کی واضح طور پر تردید کی ہے کہ انھوں نے اپنی کسی کتاب، مقالہ، یا تقریر میں یہ بات لکھی یا کہی ہے کہ کسی مندر کو توڑ کر بابری مسجد تعمیر کی گئی ہے۔

انھوں نے یہ بات اُردو اکیڈمی کے صدر ڈاکٹر یونس نگرامی کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہی جس کو ڈاکٹر یونس نگرامی نے اشاعت کے لئے جاری کیا ہے، انٹرویو کے دوران جب ان سے دریافت کیا گیا کہ بعض عناصر کی طرف سے یہ بات بار بار دہرائی جا رہی ہے کہ انھوں نے اس قسم کی بات کہی ہے، تو اس کے جواب میں مولانا علی میاں نے جو کہا ہے اس کے بموجب مولانا کے والد حکیم سید عبدالحیؒ نے ایک کتاب "ہندوستان اسلامی عہد میں" تصنیف کی تھی، لیکن اس میں اس بات کا تاریخی

حوالہ نہیں ہے، اور جس بات کا حوالہ تاریخی دستاویز سے نہ ہو، اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ بات کسی سے سنی ہوئی ہے[1]، اور تحقیق کی محتاج ہے۔

انٹرویو کے بموجب مولانا علی میاں نے خود اس کو محسوس کیا ہے اور اپنے والد ماجد کی علمی عظمت کو دل وجان سے ماننے کے باوجود وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ان کی تحریر وحی کا درجہ نہیں رکھتی، انسانی کاوش ہے، اس میں غلطی بھی ہوتی ہے، اور خود مصنف کی رائے بدلتی ہے، تاریخ کوئی جامد چیز نہیں ہے جس کا سفر ایک منزل پر ختم ہو جاتا ہو، کاروانِ تحقیق جاری رہتا ہے۔

مولانا نے اپنے انٹرویو میں کہا کہ ان کی اپنی تحقیق اس کے برعکس ہے، اور اس کا واضح اور کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ ان کی فرمائش پر سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب ایم۔اے ناظم دارالمصنفین (شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ) نے اس بات کی تحقیق کی کہ بابری مسجد پہلے رام جنم تھی یا نہیں؟ اور انھوں نے اس مسئلہ پر اتنا تاریخی مواد جمع کر دیا ہے کہ اب کسی کو علمی انداز میں شک کرنے کی گنجائش نہیں، یہ صرف بابر پر الزام ہے، یہ کتاب اس اکیڈمی سے شائع ہوئی جس کے مولانا صدر تھے اور اب بھی ہیں، اور وہی ان کی رائے ہے"!

دہلی میں علماء کا اجتماع اور فریقین کے مذہبی پیشواؤں کی باہمی گفتگو

میرے سفرِ حجاز کے دوران محترمی جناب محمد یونس سلیم صاحب گورنر بہار،

---

[1] کتاب کے انگریزی ترجمہ میں یہ بات (IT IS SAID) (کہا جاتا ہے) کہہ کر بیان کی گئی ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور محترم کرشن کانت جی گورنر آندھرا پردیش نے اپنی مساعی جاری رکھیں، میرے سفر حجاز سے واپسی پر انھوں نے چاہا کہ میں پھر مدراس جاکر کانچی پورم کے شنکر اچاریہ جی سے ملوں، میں نے اپنی صحت کی کمزوری، تکان اور بڑھی ہوئی مشغولیت کا عذر کیا، اور ان کو رائے دی کہ وہ مولانا پاریکھ صاحب کو اپنے ساتھ لے جائیں، چنانچہ اُن تینوں حضرات نے مدراس کا سفر کیا، لیکن وہاں جاکر ان تینوں حضرات کو یہ معلوم کرکے بڑا دھکا لگا کہ اس خبر کے پھیل جانے کی وجہ سے کہ شنکر اچاریہ جی نے ہم چاروں سے کچھ وعدے کئے ہیں، اور وہ مورتیوں کے مسجد سے خارج کئے جانے اور مسلمانوں کو نماز کی اجازت دیئے جانے کی تجویز سے متفق ہیں، شمال سے پُرجوش غیر مسلم اور جارحانہ ہندو فرقہ پرست جماعتوں کے افراد وہاں پہونچ گئے اور انھوں نے شنکر اچاریہ جی کو دھمکی دی کہ اگر انھوں نے ایسی کسی بات کی منظوری دی تو وہ مٹھ کو آگ لگا دیں گے، شنکر اچاریہ جی نے کچھ تأمّل اور کشمکش کے بعد اس سے دست برداری کا وعدہ کیا اور بادلِ ناخواستہ قبول کیا، پاریکھ صاحب کا بیان ہے کہ جب محترم یونس سلیم صاحب نے یہ سُنا تو ان کے اعصاب پر سخت اثر پڑا، ان پر بے اختیار گریہ طاری ہوگیا اور اندیشہ ہوا کہ کوئی حادثہ پیش نہ آجائے، چنانچہ ان کو وہاں سے علیحدہ کرکے کسی دوسرے حصہ میں منتقل کیا گیا، اور کچھ دیر کے بعد اُن کو سکون ہوا۔

سفر حجاز سے پہلے ہی میرے اصرار پر یہ بات طے ہوگئی تھی کہ مسجد خالص ہندو مذہبی پیشواؤں کی تولیت میں نہ دی جائے، ہمارے نامزد کردہ دو مسلمان متولّی بھی ہوں، دوسرے یہ کہ حکومت اس کے تحفّظ کی ذمّہ داری لے، اس لئے کہ یہ شنکر اچاریہ صاحبان اتنی دور بیٹھ کر اس کا تحفّظ نہیں کر سکتے اور کسی وقت بھی

www.abulhasanalinadwi.org

اُن کی بے خبری میں اس پردھاوا بولا جاسکتا ہے، چنانچہ یہ بھی طے ہوگیا کہ اس انتظامی کمیٹی میں مرکزی حکومت کے ہوم سکریٹری اور اُترپردیش کی ریاستی حکومت کا ہوم سکریٹری بھی ہوگا، اور یہ بات شنکراچاریہ جی نے مان لی۔

چونکہ میں نے باصرار یہ بات کہی تھی کہ میں تنہا اپنی ذمہ داری پر کسی فیصلہ کو قبول کرنے اور کسی مفاہمت پر دستخط کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں، پہلے یہ بات مستند علماء کے سامنے رکھی جائیگی کہ وہ اس کا شرعی جائزہ لیں اور اس سے مطمئن ہوں، پھر اس کا اعلان کیا جائیگا، اس بنا پر محترم یونس سلیم صاحب نے ۱۵؍اکتوبر کو دہلی میں ان ممتاز علماء کو تشریف لانے اور گفتگو کرنے کی دعوت دی جن میں سے اکثر کے نام میرے ہی تجویز کئے ہوئے تھے، وقت بہت کم تھا اس لئے اس میں بڑا شبہ تھا کہ وہ سب حضرات مدعوین اس عرصہ میں دہلی پہونچ سکیں گے، دعوت میرے نام سے دی گئی تھی، اور سفر و قیام کی سہولتیں گورنر صاحبان کی طرف سے مہیّا کی گئی تھیں۔

اس عرصہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ریاست اترپردیش کے وزیر اعلا ملائم سنگھ یادوجی نے اس مسئلہ کو حل کرنے اور اپنی ریاست کو تصادم و انتشار سے بچانے اور کسی فریق کی حمایت و جانب داری کے الزام سے بچنے کے لئے ایسی مستعدی اور بیدار مغزی کا اظہار کیا اور ایسے وسیع اور مؤثر انتظامات کئے جس کی مثال ماضی میں دُور تک ملنی مشکل ہے، انھوں نے فضا کو درست کرنے اور اپنے انتظامیہ پر اعتماد ثابت کرنے کے لئے ۱۲؍اکتوبر ۱۹۹۰ء کو لکھنؤ میں ایک ریلی کا انتظام کیا، ریلی ہنر کت کرنے والوں کی تعداد اور امن و سکون کے اعتبار سے اتنی کامیاب

www.abulhasanalinadwi.org

ثابت ہوئی کہ اس سے پہلے کسی ایسے مظاہرے اور اجتماع کا اس سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا، B.B.C لندن نے شریک ہونے والوں کی تعداد پانچ لاکھ بتائی، ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ لوگوں نے پوچھنے پر بتایا کہ وہ اپنی مرضی اور شوق سے آئے ہیں، لائے نہیں گئے، لیکن متعدد ذمہ داروں اور واقف کاروں کا جنھوں نے اس ریلی میں شرکت کی تھی، بیان ہے کہ شرکت کرنے والوں کی تعداد بیس۲۰ لاکھ (دو ملین) سے کم نہ تھی، اس سے وزیر اعلا کی مقبولیت اور اثر اور طاقت کا ثبوت مہیّا ہوا، جو اس وقت کے حالات میں بہت ضروری تھا، راقم نے اپنا اخلاقی فرض سمجھتے ہوئے اس کامیابی پر ان کو مبارکباد دی اور انھوں نے تشکّر و امتنان کے ساتھ جواب بھی دیا۔

راقم اپنے رفیق سفر حاجی عبدالرزاق کے ساتھ ۱۳ / اکتوبر کو شب میں دہلی میل سے روانہ ہوا، عزیز گرامی ڈاکٹر مولوی عبداللہ عباس ندوی (جن کے یہاں اوکھلا میں عرصہ سے قیام ہوتا ہے) میری سہولت اور راحت کا انتظام کرنے کے لئے مع اہلِ خانہ و معاونین ایک دن پہلے ہی دہلی پہونچ گئے تھے، ۱۴ / اکتوبر کو ان کی قیام گاہ پر دونوں گورنر صاحبان محترمی محمد یونس سلیم صاحب اور جناب کرشن کانت جی ملاقات کے لئے تشریف لائے، اور بتایا کہ مدعو حضرات اچھی تعداد میں تشریف لا رہے ہیں، اُن کے جانے کے بعد سعودی سفیر عالی جناب فواد صادق مفتی صاحب تشریف لائے، اور کسی دن کھانے کی دعوت قبول کرنے کے لئے کہا۔

۱۵ / اکتوبر کو صبح دس۱۰ بجے سے بہار بھون کے ایک وسیع کمرہ میں یہ مشاورتی اجتماع شروع ہوا، یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ متعدد مُسن و مشغول اور لائقِ احترام شخصیتیں تشریف لے آئیں، جن میں خاص طور پر مولانا سید منّت اللہ رحمانی امیر شریعت بہار و اُڑیسہ،

مولانا مفتی ابوالسعود صاحب امیر شریعت کرناٹک اُن کے صاحبزادہ مولانا مفتی اشرف علی صاحب اور معاون مولانا نیّر ربّانی، مولانا حمید الدین عاقل حسامی (امیر ملت اسلامیہ آندھرا پردیش و ناظم دار العلوم حیدر آباد) مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمی قاضی شریعت بہار و اُڑیسہ، مولانا مختار احمد صاحب ندوی (امیر جمعیۃ اہلِ حدیث ہند) مولانا عبد الوہاب خلجی (جنرل سکریٹری جمعیۃ اہلِ حدیث) مولانا ڈاکٹر سید کلب صادق صاحب مجتہد لکھنوٴ، مولانا رضوان قاسمی صاحب (قاضی دار القضاء امارتِ ملّتِ اسلامیہ و ناظم دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد) مولانا خالد سیف اللہ صاحب (نائب قاضی دار القضاء حیدر آباد و صدر مدرس دار العلوم سبیل السلام) مولوی سراج الحسن صاحب امیر جماعت اسلامی ہند، جناب حسن نظامی ثانی صاحب (سجادہ نشین درگاہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ) اور متعدد علماء و دینی کارکن تھے، بعد میں مولانا محمد سالم قاسمی صاحب مہتمم دار العلوم (وقف) دیوبند، مولانا ظفیر الدین صاحب مفتی دار العلوم دیوبند بھی آکر شریک ہوئے۔[1]

جلسہ کا آغاز محترم محمد یونس سلیم صاحب کی تقریر سے ہوا، جس میں انھوں نے اس سلسلہ کے آغاز، اس کے محرّکات اور مصالح کا ذکر کیا، اور اس کی ضرورت ثابت کی کہ سیاسی جماعتوں کے بجائے فریقین کے مذہبی پیشواؤں کے اتفاق و مفاہمت سے مسئلہ طے ہو، پھر مولانا عبد الکریم پاریکھ نے اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ سفر مدراس اور اس کی روئیداد سنائی، اور آخری ملاقات کا وہ حوصلہ شکن و صبر آزما واقعہ بھی

---

[1] معلوم نہیں مولانا سید اسعد مدنی صاحب صدر جمعیۃ العلمائے ہند کا نام کیسے رہ گیا، وہ یا تو دورہ پر تھے یا دعوت دینے والوں کو ذہول ہو گیا، اسی طرح بعض اور اہم ملی شخصیتیں شریک نہ ہو سکیں جیسے مولانا سید احمد ہاشمی اور مولانا اخلاق حسین قاسمی وغیرہ۔

www.abulhasanalinadwi.org

سنایا جس نے محترم یونس سلیم صاحب کو ایسا مضطرب و بے چین کر دیا کہ اُن کی صحت کی طرف سے فکر ہوگئی، ان دونوں حضرات نے بار بار اس کا ذکر کیا کہ شنکراچاریہ جی شروع سے میرا حوالہ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہماری صرف اُن سے گفتگو اور تبادلۂ خیال ہو سکتا ہے، اور اسی سے کوئی نتیجہ نکل سکتا ہے، میں اپنے نام کا اس طرح سے بار بار اعلان و اظہار (اس نفسیاتی ردّ عمل کے تجربہ کی بنا پر جو ایسے چیدہ مجمع میں کسی کا اس اہمیت کے ساتھ نام لینے سے ہوا کرتا ہے) اس کو پسند نہیں کرتا تھا، لیکن مجبور تھا، بعد میں میں نے یار یکھ صاحب سے کہا کہ آپ اس میں احتیاط سے کام لیں، مگر وہ اپنے خلوص کی بنا پر اظہار واقعہ کے لئے ایسا کرتے رہے۔

ان دونوں حضرات کی تقریروں کے بعد میں نے معزز حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت مُلک بابری مسجد اور رام جنم بھومی کے تنازعہ کی وجہ سے کوہ آتش فشاں کے دہانہ پر کھڑا ہے، اس قضیہ کو جس طرح چلایا گیا، اس کے طریق کار سے دو بڑے نقصان پہونچے، ایک یہ کہ ہندو قوم میں اپنے مذہب کی وہ انتہا پسندانہ حمیّت اور مذہبی جوش پیدا ہو گیا، جو ایک سیکولر ملک کے نقطۂ نظر سے بھی مُضر ہے، اور مسلمانوں کے لئے مُضر تر، جو باہمی اعتماد و احترام کی فضا ہی میں امن و سکون کی زندگی گزار سکتے ہیں، اور اپنا ملّی تشخص محفوظ رکھ سکتے ہیں، دوسرے یہ کہ اس نے دعوت و تبلیغ اور اسلام کے تعارف کی راہ میں وہ مشکلات پیدا کر دیں جو اس سے پہلے کبھی نہیں تھیں، حالانکہ مسلمانوں کے لئے اس ملک میں امید کی کرن اور اُن کا سب سے بڑا سہارا اور قوت یہ دینِ فطرت، اس کی تعلیمات، قرآن مجید اور سیرت نبویؐ سے واقف کرانے اور ان کے مطالعہ کی دعوت دینے کے امکانات و مواقع ہی

www.abulhasanalinadwi.org

تھے، اگر ان کا راستہ بند ہو گیا، تو گویا یہاں کے مسلمانوں کی قسمت پر مہر لگ گئی، اس لئے اس مسئلہ کو جلد حل کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ معتدل (NORMAL) اور پُرسکون فضا واپس آئے، جس میں اکثریت کو اس دین کی قدر کرنے، اس سے فائدہ اٹھانے، اور اس کے بارے میں اپنی غلط فہمیاں رفع کرنے کا موقع ملے، میں نے عرض کیا کہ ہمارے علمائے کرام کو اس کا ایسا حل سوچنا چاہئے جو شرعًا قابل قبول اور انتظامًا قابل عمل ہو۔

مجالس کے تجربہ کی روشنی میں کہ وہاں اظہار خیال اور زور خطابت کا دروازہ کھل جاتا ہے اور کسی عملی نتیجہ پر پہونچنا مشکل ہو جاتا ہے، میں نے رائے دی کہ اس کے لئے ایک کمیٹی بنادی جائے، جو ہندو مذہبی پیشواؤں سے گفت و شنید سے پہلے ایک تجویز اور قابلِ عمل فارمولہ طے کرلے، چنانچہ پانچ حضرات کی ایک کمیٹی بنادی گئی، اور ان سے درخواست کی گئی کہ وہ جلد اپنا کام شروع کر دیں، لیکن دہلی کے قیام کی آخری تاریخوں تک ایسا واضح اور قابل عمل فارمولہ سامنے نہیں آسکا، اور وہی حل اور منصوبہ باقی رہا جس کو پارکیھ صاحب پیش کر چکے تھے۔

رائے پور و سہارنپور کا سفر

راقم نے لکھنؤ سے روانہ ہونے سے پہلے ہی اس کی ضرورت محسوس کی تھی، اور اہتمام کیا تھا کہ اس پیچیدہ مسئلہ کے حل کرنے اور اس آزمائش کے دور ہونے کے لئے دعا اور ختم کا اہتمام کیا جائے کہ یہی بے دست و پابندوں کا سب سے بڑا سہارا اور کامیابی کا ذریعہ ہے، اس کے لئے ایک ایک مخصوص قاصد اور خط حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاپ گڑھی کو الٰہ آباد اور دوسرا مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب

www.abulhasanalinadwi.org

کو باندہ بھیجا، خود دارالعلوم ندوۃ العلماء میں رفیق عزیز مولوی معین اللہ صاحب ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء نے آیتِ کریمہ کے ختم کا انتظام کیا جو ہماری واپسی کے بعد تک جاری تھا، ۱۸ اکتوبر پنجشنبہ کو میں خود نظام الدین دہلی کے مرکز تبلیغ میں حاضر ہو کر امیر جماعت تبلیغ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی سے ملا، اور ان کے سامنے تفصیل کے ساتھ ملک کی صورت حال کو پیش کیا اور اس کی موجودگی میں دینی و دعوتی کاموں اور ان کے مراکز بلکہ مدارس و مساجد تک جس طرح خطرہ میں پڑ گئے ہیں، اس کو پیش کیا، (جس پر یقیناً اُن کی نظر بھی ہوگی) اور دعا کی درخواست کی، معلوم ہوا کہ حضرت نے اس کا اہتمام فرمایا، پنجشنبہ اور جمعہ کو چونکہ میری دہلی میں کوئی خاص مشغولیت نہیں تھی، اس لئے خیال آیا کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے اور رائے پور بھی حاضری دے دی جائے، اور وہاں بھی دعا کا اہتمام کرنے کے لئے عرض کیا جائے کہ "مُلّا کی دوڑ مسجد تک"۔

چنانچہ اس تجویز کے مطابق پنجشنبہ (جمعرات) ہی کو عصر کی نماز پڑھ کر اوکھلہ سے رائے پور کے لئے روانگی ہوئی، عزیزی مولوی شمس الہدیٰ ندوی نے جو اوکھلہ ہی میں مقیم ہیں، اپنی گاڑی پر لے جانے اور واپس لانے کا اہتمام کیا، اور اس سفر میں عزیزی عبدالرزاق کے ساتھ عزیز گرامی سید حسن عسکری طارق (مقیم مدینہ منورہ) جو دہلی آئے ہوئے تھے، اور مولوی زبیر احمد ندوی بھی ہمراہ ہوئے، یہ دیوالی کی رات تھی، پھر گاڑی چلانے والے راستہ سے پورے طور پر واقف نہ تھے، اس لئے ہم لوگ ۱۱ بجے رات کو رائے پور کی خانقاہ میں پہونچے، سوتے ہوئے لوگوں کو جگایا، خیال تھا کہ قصبہ میں جو کچھ فاصلہ پر ہے خبر نہ ہونے پائے، مگر کسی طرح ہمارے قدیم مہربان اور میزبان راؤ عطاء الرحمن خاں

www.abulhasanalinadwi.org

صاحب کو خبر ہو گئی، وہ اسی وقت آگئے، دیر رات کو ہم لوگوں نے آرام کیا، صبح اہلِ قصبہ جن میں خاص طور پر ہمارے قدیم کرم فرما اور اس سفرِ حج کے رفیق جو مُرشدنا حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کی ہم رکابی میں ۱۹۵۰ئہ میں ہوا تھا، رفیق سفر راؤ فضل الرحمٰن خاں صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں، تشریف لے آئے، اور ہماری آمد کا چرچا قرب وجوار میں ہو گیا، جس کے نتیجہ میں جمعہ کی نماز میں مجمع کثیر جمع ہو گیا اور ایک بڑی تعداد نے مسجد سے باہر نماز پڑھی، میں نے خطبہ سے قبل اور بعد نماز مجمع سے خطاب کیا اور دعوتی و اصلاحی مضمون کے ساتھ اس مسئلہ کے لئے دعا کے اہتمام پر خاص طور پر زور دیا، خانقاہ اور اس کے ماحول میں وہ خاص سکینت اور رونق محسوس ہوئی جو قریب کے اس دور کا اثر تھا جب وہ ایک شیخِ وقت کی موجودگی اور کثیر التعداد ذاکرین اور طالبین خدا سے معمور رہتی تھی۔

نماز عصرؒ سے فارغ ہو کر دہلی کی طرف روانگی ہوئی، سہارنپور کو جو راستہ میں پڑتا ہے قدیم تعلقات اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی نسبت وتعلق کی بنا پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا، ہم لوگوں نے حضرت شیخ کے دولت خانہ پر (جو کچے گھر کے نام سے موسوم تھا) حاضری دی، صاحبزادۂ گرامی قدر مولانا محمد طلحہ صاحب، مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث، مولانا محمد شاہد صاحب، مفتی محمد یحییٰ صاحب اور دوسرے افراد خاندان کو اطلاع ہو گئی اور وہ سب کچے گھر میں جمع ہو گئے، اور بہت خوش ہوئے، ہم نے دعا کے لئے عرض کیا، مولانا طلحہ صاحب نے فرمایا کہ کل جس وقت آپ کی مجلس ہو گی، ہم ختم بخاری اور دعا کرائیں گے، امید ہے کہ اس کا اہتمام ہوا ہو گا، اس "کچے گھر" میں پہونچ کر آنکھوں کے سامنے وہ مناظر آگئے، جب ایک ایک وقت میں متعدد مشائخ کبار

www.abulhasanalinadwi.org

اور علمائے عالی تبار یکجا نظر آتے تھے، اور حضرت شیخ الحدیث اپنی شفقتوں، خورد نوازیوں اور مرتبہ شناسیوں کے ساتھ تشریف فرما ہوتے تھے۔

ہندو مذہبی پیشواؤں سے گفتگو اور وزیر اعظم سے ملاقات

اس عرصہ میں ہندو مذہبی پیشواؤں سے بھی گفتگو شروع ہوئی جو تقریباً ۲۲ کی تعداد میں تھے، اور جہاں تک اندازہ ہے سب ممتاز اور منتخب لوگ تھے، جن میں شاید جیوتی کے آدمی زیادہ تھے، اُن سے پہلے پاریکھ صاحب نے پھر میں نے خطاب کیا، میں نے اپنے خطاب میں کہا کہ تاریخ کا تجربہ یہ ہے کہ جب کوئی اہم بحرانی مرحلہ (CRISIS) کسی معاشرہ یا قوم کو پیش آیا ہے تو مخلص مذہبی پیشواؤں ہی نے اس کو حل کیا، سیاسی لوگوں کی کمزوری یہ ہے کہ وہ مسئلہ کو جلد حل کرنے کے بجائے اس کو طول دیتے ہیں، تاکہ اس سے وہ سیاسی مقاصد و فوائد حاصل کر سکیں اور اُن کی قیادت کی ضرورت محسوس کی جاتی رہے، اس لئے آپ حضرات کے تعاون اور جد وجہد کی ضرورت ہے، میری تقریر کے بعد ان حضرات میں سے کئی نے ہندی میں خطاب کیا، جس میں خیر سگالی کا جذبہ اور اس تحریک کے خیر مقدم کرنے کا انداز ظاہر ہوتا تھا، لیکن اس کے ساتھ رام جنم بھومی سے تعلق و عقیدت بھی ظاہر ہوتی تھی، مولانا سالم صاحب قاسمی نے بھی مختصر خطاب کیا، لیکن مجلس کسی عملی نتیجہ اور طریق کار پر ختم نہیں ہوئی اور آئندہ نشست کا اعلان کیا گیا، جو افسوس ہے ہندو مذہبی پیشواؤں کے نہ آنے کی وجہ سے نہیں ہو سکی۔

۱۷ ار اکتوبر کی شب میں وزیر اعظم راجہ وی۔ پی سنگھ صاحب سے علماء کی ملاقات کا وقت مقرر ہوا، زیادہ تر مجھے گفتگو کرنے کا موقعہ دیا گیا، میں نے کہا کہ اس وقت ہر قیمت پر

www.abulhasanalinadwi.org

امن وامان (LAW & ORDER) قائم رکھنا ضروری ہے، اور آپ اس سلسلہ میں امن وامان قائم کرنے کے پیش نظر اور عدالت کے فیصلہ کا انتظار کرنے کی بنا پر (جو جیسا کہ ہر شہری کا فرض ہے حکومت کی بھی ذمہ داری ہے) کوئی مضبوط قدم اٹھا سکتے ہیں، اس ملک کی بقا اور تحفظ کے لئے تین چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں جمہوریت (DEMOCRACY) نامذہبیت (SECULARISM) اور عدم تشدد (NON VIOLENCE) انھوں نے اس سے اتفاق کیا۔

اس گفتگو کے بعد ہم لوگ ہندو مذہبی پیشواؤں سے گفتگو کر رہے تھے کہ وزیر اعظم صاحب کی طرف سے ایک آرڈیننس کی اطلاع ملی جس میں اس کا اعلان تھا کہ بابری مسجد اور اس کے گردوپیش کا علاقہ حکومت کی ملکیت میں لے لیا جائے گا، اور مقدمہ یو۔پی کی عدالت عالیہ کے بجائے سپریم کورٹ کے حوالہ کر دیا جائے گا، اس آرڈیننس سے بہت سے قانون دانوں اور علماء کے ذہن میں بے چینی پیدا ہوئی، اور جن لوگوں کو اس تفصیل کا علم نہیں تھا، انھوں نے آرڈیننس کی اجمالی حمایت و تائید میں دستخط کر دیئے، بعد میں جب اُن کو تفصیلات کا علم ہوا تو انھوں نے بھی اس سے اختلاف ظاہر کیا اور اس کو شہری و مذہبی حقوق میں مداخلت تصور کیا، مجھے بھی اس تفصیل کا علم بعد میں ہوا، اور اس بنا پر لکھنؤ آکر ۲۲ ؍ اکتوبر کو اشاعت کے لئے یہ بیان جاری کیا:۔

"دہلی میں علماء کے وفد کی وزیر اعظم سے ۱۷ ؍ اکتوبر کی شب میں بابری مسجد کے سلسلہ میں جو گفتگو ہوئی تھی اس میں ہر قیمت پر امن وامان کو قائم رکھنے اور عدالت کے فیصلہ کا انتظار کرنے کی درخواست کی گئی تھی جو حکومت کا فرض اوّلین ہے، اُن سے گفتگو کے نتیجہ میں مسئلہ کا حل نکلنے کی توقع پیدا ہوئی تھی،

www.abulhasanalinadwi.org

ہم لوگوں نے اسی لئے اس کو پسند کیا تھا، لیکن فارمولہ آنے پر مسجد اور اس کے ماحول کو سرکاری ملکیت میں لے لینے اور مسئلہ کے سپریم کورٹ کے حوالہ کرنے کی باتیں مسئلہ سے تعلق رکھنے والوں کی نظر میں درست نہیں معلوم ہوئیں۔

میں وزیر اعظم کی کوشش اور فکر مندی کی قدر کرتے ہوئے اُن سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ فارمولہ میں ایسی ترمیم کریں جو مسلمانوں کو ان کا جائز حق دلائے، اور جس سے نئی مشکلات نہ پیدا ہوں، اس سلسلہ میں میں نے وزیر اعظم کو ایک خط بھی بھیجا ہے"۔

بعد میں یہ معلوم کر کے سب کو اطمینان و مسرّت ہوئی کہ صدارتی آرڈیننس واپس لے لیا گیا، اور اس سے جو پیچیدگی اور خطرات پیدا ہوئے تھے، وہ فوری اور ظاہری طور پر رفع ہو گئے۔

۲۴ر اکتوبر کو پھر اُن مسلم و غیر مسلم مذہبی شخصیتوں اور نمائندوں کی نشست ہونے والی تھی جو ۲۰ر اکتوبر کو جمع ہوئے تھے، بعد میں معلوم ہوا کہ صرف مسلمان نمائندے اور علماء پہونچے، دوسرے فریق کا کوئی نمائندہ اور مذہبی شخصیت دہلی نہیں پہونچی با وجودیکہ گورنر آندھرا پردیش شری کرشن کانت جی نے آندھرا بھون میں اس کا خاص انتظام کیا تھا۔

لکھنؤ واپسی

دہلی کے اس قیام میں تنفس کی تکلیف سے بچنے کے لئے میں تیز قسم کی دوائیں استعمال کر کے اپنے کو اس قابل بناتا رہا کہ نقل و حرکت اور مجلسوں میں شرکت کر سکوں،

www.abulhasanalinadwi.org

لیکن ضروری پروگرام سے فارغ ہو کر کچھ تو آرام کے لئے اور کچھ اپنی اُفتادِ طبع کی بنا پر (اخبار نویسوں اور انٹرویو لینے والوں اور سوال وجرح کرنے والوں کے ہنگامہ سے بچنے کے لئے) یہی مناسب معلوم ہوا کہ میں لکھنؤ اور اپنے مستقر پر واپس ہو جاؤں، ۲۴ر اکتوبر کی میٹنگ میں مجھے شریک بھی نہیں ہونا تھا، چنانچہ ۲۱ر اکتوبر یکشنبہ کو صبح کی فلائٹ سے میں عزیزی عبدالرزاق کی معیّت میں لکھنؤ آ گیا۔

یہاں آکر معلوم ہوا کہ ریاستی وزیر اعلیٰ مسٹر ملائم سنگھ یادو نے ۳۰ر اکتوبر کے مجوزہ رتھ یاترا اور کارسیوا کو روکنے اور اس سے پیدا ہونے والے خطرات اور تصادم وانتشار سے ریاست اور ملک کو بچانے کے لئے غیر معمولی جرءت مندانہ اقدامات کئے ہیں اور وسیع انتظامات، جن کی نظیر پچھلے دور میں بھی (جب کانگریس پارٹی برسرِ حکومت تھی) ملنی مشکل ہے، انھوں نے پولیس اور فوج سے بھی پورا کام لیا ہے اور ایک شہر سے دوسرے شہر تک نقل وحرکت پر بھی پابندیاں لگا دی ہیں، بہت سی ٹرینیں بھی منسوخ ہو گئی ہیں، بعض ریاستوں کے طرزِ عمل میں بھی فرق آیا ہے، بھارتیہ جنتا پارٹی کے صدر مسٹر اڈوانی کو بہار میں، راج ماتا سندھیا کو باندہ میں، اٹل بہاری باجپئی جی کو لکھنؤ میں گرفتار کر لیا گیا، اور کارسیوا منظّم طریقہ پر انجام نہیں پا سکا۔

مرکز نے بھی اُن کے ساتھ زیادہ ہمدردی اور تائید کا معاملہ شروع کر دیا ہے، صرف کانگریس پارٹی ملک کے مفاد، قومی اتحاد اور معاشرہ وانتظامیہ کی گرتی اور بگڑتی ہوئی حالت، اور عوام کے مسائل (بڑھتی ہوئی گرانی، انتظامی ابتری، فرقہ وارانہ کشمکش، اخلاقی تنزّل وغیرہ) کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف صورتِ حال سے فائدہ اٹھانے اور دوبارہ اقتدار میں آنے کی کوشش میں ہے، اور اس طرح وہ اپنی قدیم،

www.abulhasanalinadwi.org

قابلِ فخر تاریخ پر پانی پھیر رہی ہے' اس وقت ضرورت تھی کہ پارٹی پالیٹکس اور اقتدار کی کشمکش کو نظر انداز کر کے ملک و معاشرہ کو بچانے کی کوشش کی جاتی اور ایک ایسی فضا اور صورتِ حال پیدا کی جاتی کہ حکومت اور انتظامیہ کو (B J P) جیسی فرقہ پرست جماعت کی مدد، اس پر اعتماد کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی، اور اس کی صورت یہی تھی کہ وہ جنتا پارٹی سے تعاون کرتی، اور اس کی اخلاقی و سیاسی مدد کرتی' اور دونوں پارٹیاں ملکر ایک ایسی مضبوط اور با اصول حکومت بناتیں جو ہندوستان کے بنیادی دستور کے مطابق جمہوریت سکولرزم اور عدم تشدد کی بنیادوں پر کام کرتی اور ملک کو اس شدید بحرانی مرحلہ (CRISIS) سے بچا لیتی جو تلوار کی طرح اس کے سر پر لٹک رہا ہے' اور جس سے اندیشہ ہے کہ ملک کو آزاد کرانے والوں اور اس کے دانشور اور پختہ کار رہنماؤں کی ساری کوششوں پر پانی نہ پھر جائے۔

یہاں پر ریاستی وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ یادو کی نشری اپیل کا ایک مختصر اقتباس پیش کیا جاتا ہے، جو انھوں نے ۲۶ اکتوبر کو کی، جس سے اُن کے صاف ذہن اور اخلاقی جرأت کا اندازہ ہوتا ہے:۔

"وہ اجودھیا میں موجود ڈھانچہ (یعنی بابری مسجد) کو گرانے کی اجازت نہیں دیں گے، لیکن یہ ضرور چاہیں گے کہ یہ مسئلہ یا تو عدالت کے ذریعہ طے ہو جائے' یا پھر آپسی بات چیت کے ذریعہ طے کیا جائے' یہ مسئلہ جو اب ایک قومی مسئلہ بن گیا ہے' اور قومی اتحاد و سالمیت کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے، حکومت کا پیدا کیا ہوا مسئلہ نہیں ہے۔

انھوں نے کہا کہ حکومت کی بقا کا انحصار اس مسئلہ پر ہے' اور اس مسئلہ کا

www.abulhasanalinadwi.org

حل مستقبل میں قومی سیاست کا رُخ اور ہمارے آئینی کردار کو متعین کردے گا،
ہم کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہمارا آئینی کردار مذہبی حکومت کا ہوگا یا سیکولر حکومت کا،
انھوں نے کہا کہ اس تنازعہ کو دونوں فرقوں کے لئے وقار کا مسئلہ بنا دیا گیا لیکن
کسی جمہوری نظام میں اکثریت کے مذہب کو ریاست کا مذہب نہیں سمجھا جا سکتا؛[لہ]

وزیر اعظم ہندوی۔ پی سنگھ جی نے بھی حکومت کے ردّو بدل اور کسی پارٹی کے اکثریت میں ہونے کو ثابت کرنے کے موقعہ پر سیکولرزم ہی کو معیار اور بنیاد بنایا اور اس کا اعلان کیا کہ اسی بنیاد پر ۷ر نومبر کو ہونے والے پارلیمنٹ کے اجلاس میں فیصلہ کیا جائے گا کہ کون سیکولرزم کا حامی ہے اور کون مخالف؟

کارسیوا اگرچہ پورے طور پر انجام نہیں دیا جاسکا مگر اس کو روکنے اور مسجد کے تحفّظ کے لئے پولیس اور انتظامیہ کی سطح پر جو اقدامات کئے گئے (اور جو اس وقت ناگزیر تھے) ان کی شہرت اور ہندی، انگریزی پریس کے ذریعہ مبالغہ آمیز اور سنسنی خیز خبروں نے پورے ملک اور خاص طور پر ریاست اُترپردیش میں نفرت و دہشت اور خوف وخطرہ کی ایک ایسی فضا پیدا کردی کہ مختلف شہروں میں کہیں مکمل اور کہیں جزوی کرفیو نافذ کرنا پڑا، تعلیم گاہیں پہلے سے بند تھیں، آمد ورفت وخرید و فروخت کا سلسلہ بھی تعطّل کا شکار ہوا جس سے پوری شہری زندگی کہیں کہیں مفلوج ہو کر رہ گئی، اور فضا پر ایک بے یقینی اور خوف وہراس کی کیفیت طاری ہوگئی، جو عام طور پر برسر جنگ ملکوں میں غنیم کے حملوں کے موقعہ یا خطرہ پر ہوا کرتی ہے لیکن یہ اقدامات ضروری تھے، اور ان پر اس شدید منافرت اور جارحانہ ارادوں نے مجبور کیا تھا جن سے نہ صرف

لہ "قومی آواز" ۲۷ر اکتوبر ۱۹۹۰ء

www.abulhasanalinadwi.org

بابری مسجد بلکہ اقلیت کی جان ومال، املاک اور اُن کے قابل احترام ولائقِ حفاظت مقامات بھی خطرہ میں پڑ گئے تھے، یہاں پر اس بیان کا متن نقل کیا جاتا ہے جو راقم کی طرف سے اخبارات اور ریڈیو کو دیا گیا، اور ۲ر نومبر ۱۹۸۹ء کو اس کی اشاعت ہوئی۔

"ہندوستان کے ایک مُحبِّ وطن شہری اور غیر سیاسی انسان اور تاریخ داں کی حیثیت سے نہایت رنج وصدمہ اور شرمندگی کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ اس وقت ملک ایک ایسے بحرانی اور سخت ترین دور سے گذر رہا ہے، جس سے وہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بھی جس کو انگریزوں نے "غدر" کا نام دیا ہے، نہیں گذرا[1]، وہ ملک جو اپنی امن پسندی اور اخلاقی بلندی کی بنا پر دنیا میں مشہور تھا، اور دوسرے ملکوں کو بھی اس کا پیام دے سکتا تھا، اپنے ہی شہریوں کے ہاتھوں ایک میدانِ جنگ بنا ہوا ہے، جس میں ایک شہری دوسرے شہری سے غیر ملکی اور بر سرِ جنگ دشمن کی طرح لڑ رہا ہے، اور مجموعی طور پر ملک ہی کا اور ہندوستانی قوم ہی کا نقصان ہو رہا ہے، اور دنیا میں اس کی بدنامی اور ذلّت۔

اس وقت اس شرمناک صورتِ حال کو تبدیل کرنے اور اس پر قابو پانے کی ایک ہی شکل ہے کہ فریقین کے کچھ سمجھدار، انسانیت دوست اور مُحبِّ وطن میدان میں آئیں، اور گاندھی جی کی طرح اس صورتِ حال کو تبدیل کرنے

---

[1] ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ ایک محدود دائرہ (انگریزی افواج اور انتظامیہ سے جنگ و مقابلہ) میں محدود تھا۔ اور اس میں حصہ لینے والے ہندوستانیوں کے لئے وہ قابلِ فخر اور قابلِ تعریف اقدام تھا، بخلاف اس فرقہ وارانہ تصادم کے جو ایک ہی ملک کے باشندوں کے درمیان تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

اور ملک میں معتدل و پُرسکون (NORMAL) فضا پیدا کرنے کے لئے جان کی بازی لگا دیں، اور ایسی فضا پیدا کریں جس میں اخلاقی و آئینی طریقہ پر اور باہمی اعتماد و احترام کے ساتھ اس مسئلہ کا تصفیہ ہو سکے جو اس نزاع کا باعث ہوا ہے، اور ملک اس خطرہ سے بچ جائے جو باہر کے حملہ اور ایک منظّم و مسلّح جنگ سے کسی طرح کم نہیں، اور جس میں شریفانہ اور معتدل شہری زندگی گزارنا، جان و مال اور ملک کے قیمتی اثاثہ کو بچانا، اور مذہبی اور اصلاحی و تعلیمی فرائض کو انجام دینا بھی مشکل ہو رہا ہے، اور سارا معاشرہ (SOCIETY) خوف و ہراس کی زندگی گزار رہا ہے، اور ہندوستان کے نام کو بٹّہ لگ رہا ہے، ہمارے خیال میں ایسے اشخاص کی کمی نہیں، خاص طور پر اکثریت کے فرقہ کے کچھ ممتاز و مشہور اور بے لوث افراد کا اس مقصد کے لئے میدان میں آنا زیادہ مفید ہوگا، اور ہمارے نزدیک ہمارا یہ عظیم ملک ایسے دانشوروں اور انسان دوستوں سے خالی نہیں!!

اعتراف و احساس

اس موقعہ پر اس کا اظہار و اقرار کئے بغیر رہا نہیں جاتا اور اس کا اظہار نہ کرنا ایک حقیقت پوشی اور اخلاقی کمزوری محسوس ہوتی ہے کہ اس قضیہ کو ایسے مناسب طریقہ پر حل کرنے میں جس سے فریقین کی یہ محاذ آرائی ختم ہو جس نے ملک کے سکون بلکہ امن و امان کو خطرہ میں ڈال دیا ہے، محترمی محمد یونس سلیم صاحب اور کرشن کانت جی نے سخت جدّوجہد اور فکرمندی سے کام لیا، دونوں نے اپنے اپنے معزّز عہدوں

www.abulhasanalinadwi.org

(گورنرشپ) کی مصروفیتوں اور ذمہ داریوں میں اپنے کو مقیّد و محدود نہیں رکھا، بلکہ اس کے لئے رضاکارانہ طریقہ پر طول طویل سفر کئے، فریقین کے ذمہ دار اصحاب سے ملاقاتیں کیں، اور اجتماعات بلائے، اور ان کا بلند سطح سے انتظام کیا، محترمی یونس سلیم صاحب نے دہلی کے قیام کے آخری دنوں میں بتایا کہ ۲۵، ۲۶ ستمبر سے (جب میری واپسی حجاز سے ہوئی) ۲۰ اکتوبر تک وہ اپنی ریاست کی (جس کے وہ گورنر ہیں) راجدھانی پٹنہ نہیں جا سکے، میرے پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ ضروری کاغذات اُن کے دستخط کے لئے دہلی آجاتے تھے، ان کو اس عرصہ میں آرام کا موقعہ بھی نہیں ملا جس سے ان کی صحت پر خاصا اثر پڑا، کرشن کانت جی نے بھی بار بار مدراس، دہلی اور لکھنؤ کے سفر کئے اور یہ مسئلہ پورے طور پر ان کے دل و دماغ پر حاوی اور طاری رہا، ایک دن انھوں نے تمام مندوبین کی اپنی قیام گاہ آندھرا بھون میں اولوالعزمی کے ساتھ دعوت کی، اور وہ اس موقعہ پر بڑے ممنون و مسرور نظر آتے تھے۔

ان ۲ دو حضرات کے ماسوا ہمارے محترم دوست اور مخلص رفیق کار مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب کا اس جدوجہد میں بڑا حصہ ہے، حجاز کے طویل سفر سے واپس آنے پر وہ چار ۴ دن بھی اپنے مستقر ناگپور میں جہاں ان کو آرام اور اپنے کاروبار کے تقاضے اور ذمہ داریاں پورا کرنے کی ضرورت تھی ٹھہر نہ سکے، ان کا سارا وقت مدراس، حیدرآباد اور دہلی میں گزرا، اگر ان کو کسی دن ناگپور جانے کی شدید ضرورت پیش آئی تو وہ ہوائی جہاز سے ایک ۱ دن دو ۲ دن کے لئے ناگپور گئے اور فوراً واپس آگئے، ان تینوں حضرات کی اس فکرمندی و جدوجہد کا ذکر نہ کرنا عدم تشکر اور اخفاء حقیقت کے مرادف ہے، اسی کے ساتھ مولانا ڈاکٹر سید کلب صادق صاحب نے

www.abulhasanalinadwi.org

بھی دہلی کا بار بار سفر کیا اور اس سلسلہ میں بڑی فکرمندی اور حقیقت پسندی کا اظہار کیا۔

اس کے ساتھ اپنی ایک کمزوری اور نفسیاتی کیفیت کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے مزاج و طبیعت، موروثی اثرات، اور زندگی بھر کے مشاغل اور ذوق کے دائرہ سے باہر نکل کر ایک ایسے مسئلہ کے لئے جدّوجہد کرنا جس کے لئے مختلف اشخاص اور حلقوں سے رابطہ پیدا کرنا، دیر دیر تک دوسروں کی باتیں سننا، طویل سفر اختیار کرنا اور اپنے ذوقی اور طبعی مشاغل (لکھنے پڑھنے، اور مولانا آزاد کی زبان میں "خود مشغولی") سے منقطع اور دور رہنا ضروری تھا، سخت مجاہدہ اور امتحان معلوم ہو رہا تھا، رہ رہ کر اپنا گوشۂ عافیت اور کنجِ تنہائی یاد آتا تھا، جہاں یا تو والد صاحبؒ کے معمول و مذاق کے مطابق مطالعہ و تصنیف اور ایک عظیم ادارہ ندوۃ العلماء کے انتظامی و تعلیمی مسائل میں وقت گزرتا یا اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے ذوق و تربیت کے مطابق ذکر و تسبیح و یادِ خدا میں وقت صرف ہوتا۔

لیکن حقائق سے کسی طرح آنکھیں نہیں بند کی جا سکتیں، جب سر پر طوفان کھڑا ہو، اور ماحول بے گانہ سے بے گانہ تر بلکہ برسرِ جنگ اور آمادۂ فساد ہو، تو پھر کسی علمی و تعمیری کام تصنیفی و تحقیقی مشغلہ اور یکسوئی و فراغِ خاطر کی گنجائش نہیں اور (محلّوں اور رہائشی مکانات تو الگ رہے) مساجد، مدارس، اور کتب خانوں اور تصنیفی اداروں کی بھی خیریت نہیں، جن اصحابِ دعوت و عزیمت کی سوانح نگاری میں عمر کا بڑا حصہ صرف کیا، اور صدہا صفحات سیاہ کر کے (ناواقفوں کے لئے) اُن کے کارناموں کو روشن کیا، اُن کا تقریباً مشترک وصف اور جوہر یہی تھا کہ انھوں نے اپنے اپنے

www.abulhasanalinadwi.org

وقت اور عہد کے خطرات اور "تحدّیات" (چیلنجوں) کو محسوس کیا، اُن کا مقابلہ کیا اور اُن کا جواب دیا، اور بار ہا انھوں نے اجتماعیت کو انفرادیت پر اور صف آرائی و مُہم جوئی کو عُزلت و خلوت پر ترجیح دی، اُن کے اخلاص و شانِ عزیمت سے تو ادنیٰ مناسبت و مشابہت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا، لیکن جب بلا طلب اور خواہش و کوشش کے یہ ذمّہ داری سر پر آپڑی اور اس سلسلہ میں بار بار نام لیا گیا، اور امید کی بھی (ہزار بد ھم و باریک سہی) ایک کرن نظر آئی تو اس سے فرار اختیار کرنے اور انکار کر دینے کی جُرأت نہیں ہوئی بس اتنا قصور ہوا جس کی وجہ سے سیاسی و تحریکی حلقوں اور اخبارات و رسائل میں استعجاب و استفسار اور تنقید و تعریض کا ایک دروازہ کھل گیا، اور ایک جلی اور بڑی علامتِ استفہام (؟) نمایاں ہو کر آگئی جس کے جواب میں یہ چند سطور سپردِ قلم کی گئیں، ورنہ۔ ؏

عشق کار یست کہ بے آہ و فغاں نیز کنند

اس عرصہ میں بنگلہ دیش و پاکستان میں اس تنازعہ اور بابری مسجد کے بارے میں ارادوں اور اقدامات کے ردِّ عمل کے نتیجہ میں وہاں اقلّیتی فرقہ کے متعدد مندروں کی شکست و ریخت کی جو خبریں اخبارات اور ریڈیو سے معلوم ہوئیں پھر پاکستان ریڈیو نے اجودھیا میں پیش آنے والے واقعات کی جو یک طرفہ و یک رُخی تصویر پیش کی جس میں مرکزی حکومت بالخصوص ریاست اُترّپردیش کی حکومت و انتظامیہ اور بالخصوص شری ملائم سنگھ یادو جی کے جُرأت مندانہ اقدامات کو یکسر نظر انداز کیا گیا، اور ان کا ذکر بھی نہیں کیا، اس سے تکلیف ہوئی اور ایک مسلمان کی حیثیت سے (جس کو اعتراف و انصاف اور شہادت بالحق کی بلکہ ایسے موقعہ پر

www.abulhasanalinadwi.org

تشکّر و امتنان کی تعلیم دی گئی ہے) پریس کو ایک بیان دینا ضروری سمجھا جو ۶ر نومبر کے اخبارات میں شائع ہوا، اس کا متن یہاں نقل کیا جاتا ہے :۔

"واقعہ یہ ہے کہ علم دین اور شریعت واصول اسلام سے واقفیت رکھنے والے اور حلقۂ علماء سے تعلق رکھنے والے ایک فرد کی حیثیت سے، بلکہ ایک مسلمان اور ایک سیکولر ملک کے شہری کی حیثیت سے بھی صدہا سال کی پُرانی مسجد اور مسلمانوں کی عبادت گاہ پر جو جارحانہ، متعصّبانہ اور نا منصفانہ اقدام کیا گیا، اور کئے جانے کا خطرہ ہے، اس کی پوری مذمت کرتے ہوئے اس کا اظہار کیا جاتا ہے کہ بعض پڑوسی مسلمان ملکوں میں عوام کی طرف سے بابری مسجد اور رام جنم بھومی اجودھیا کے واقعات اور خبروں سے متاثر ہوکر وہاں کی ہندو اقلیّت کے بعض مندروں کے شکست وریخت کے جو واقعات سننے میں آئے وہ اسلامی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتے اور وہ ایک جذباتی ردّ عمل ہے جو اسلام کی صحیح نمائندگی نہیں کرتا اور اس کی اچھی تصویر پیش نہیں کرتا، مسلمانوں کو قرآنی وآسمانی تعلیمات کے زیر اثر ایسے عاجلانہ اور جذباتی اقدامات سے بالاتر ہونا چاہیئے، اور اپنے یہاں کی اقلیّتوں اور دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے تحفّظ کا وہ نمونہ پیش کرنا چاہیئے جو ان ملکوں کے لئے بھی قابل تقلید اور سبق آموز ہو، جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں۔

اسی طرح اس تنازعہ اور اس سے پیدا شدہ واقعات کی جو یک طرفہ تصویر پاکستانی ریڈیو نے پیش کی ہے اس سے بھی مجھے اتفاق نہیں، اور اس کو

www.abulhasanalinadwi.org

یں نے بنظر تحسین نہیں دیکھا، اس لئے کہ اس میں ان کوششوں، پُرعزم دلیرانہ اور دانشمندانہ انتظامات کا ذکر اور اعتراف نہیں جو مرکزی حکومت اور بالخصوص اُتّرپردیش کی حکومت اور وہاں کے وزیر اعلیٰ نے مسجد کے تحفّظ اور اس کو انہدام و شکست وریخت اور اس پر قبضہ کرنے کے ارادوں اور کوششوں کو ناکام بنانے کے لئے اختیار کئے اور وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئے اور مسجد تقریباً محفوظ رہی، ان مساعی اور انتظامات کا اعتراف کرنا اور ان کی تحسین ایک اخلاقی فرض، اور ان کے ذمہ داروں کے لئے ہمت افزا اور قابلِ تشکّر عمل ہوتا۔"[1]

پارلیمنٹ کا ہنگامی اجلاس اور وی۔ پی سنگھ جی کی ٹیک دوستی

ان گرفتار شدہ لیڈروں کو (جنھوں نے رتھ یاترا اور کارسیوا کی قیادت کی تھی اور جن میں شری اڈوانی، اٹل بہاری باجپیئی اور راج ماتا سندھیا پیش پیش تھیں) رہا کر دیا گیا، اور متعدد مقامات پر کرفیو میں ڈھیل دے دی گئی، پھر بھی مختلف ریاستوں بالخصوص ریاست اُتّرپردیش میں خوف و ہراس اور فرقہ وارانہ منافرت کی فضا قائم رہی، وزیر اعلیٰ نے کارسیوکوں کو بابری مسجد میں جانے اور مورتیوں کا درشن کر لینے کی اجازت دے دی اور اس پر عمل ہوا۔[2]

---

[1] روزنامہ "قومی آواز" لکھنؤ شمارہ ۶ر نومبر ۱۹۹۰ء۔

[2] کاش کہ اس کے ساتھ یہ اعلان بھی کر دیا جاتا کہ جس کو جو مورتی پسند آئے وہ لے جا سکتا ہے، اور اپنے گھر کو اس سے سجا سکتا ہے، اس طرح مورتیوں کا قضیہ آسانی کے ساتھ حل ہو سکتا تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

لیکن ابھی اس قضیہ کا طے ہونا باقی تھا اور اس رام جنم بھومی کی تحریک کے چلانے والے اس تحریک کو زندہ رکھے ہوئے تھے، اور اپنے فرقہ کے جذبات کو اس سے مشتعل کرتے رہتے تھے، ریاست کے وزیر اعلا ملائم سنگھ یادو جی اپنے اعلان اور اصول پر قائم تھے کہ خود مرکزی حکومت کا بقاء واستقرار خطرہ میں پڑ گیا، اور یہ بات مشتبہ ومشکوک بن گئی کہ وہ بدستور باقی رہے گی اور راجہ وشوناتھ پرتاپ سنگھ ارکان پارلیمنٹ کی اکثریت کی حمایت کی بنیاد پر وزارتِ عظمیٰ کے عہدہ پر فائز رہیں گے یا نہیں، بی جے پی پہلے سے جنتا دل سے علیحدہ ہو چکی تھی، اور اپنی بے تعلقی بلکہ محاذ آرائی کا اظہار واعلان کر چکی تھی، جنتا دل کے ایک ممتاز ترین رکن چندر شیکھر جی بھی وی۔ پی سنگھ جی کو برابر چیلنج کر رہے تھے، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ ان کو اکثریت کا اعتماد حاصل نہیں اور وہ وزارت عظمیٰ کے عہدہ پر فائز رہنے کے آئینی طور پر اہل ومستحق نہیں۔

وہ بابری مسجد رام جنم بھومی کے سلسلہ میں بھی ان کی غلطیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کرتے تھے کہ انھوں نے رتھ یاترا کے نکالنے کے اعلان پر کوئی فوری کارروائی نہیں کی، اور کوئی حکم امتناعی جاری نہیں کیا، اور ساری ذمّہ داری اور اس ملک گیر مہم کا مقابلہ کرنے کا کٹھن کام ریاست اُتّر پردیش کے وزیر اعلا پر چھوڑ دیا، جنھوں نے اس کو عزم وطاقت، لیکن نزاکت کے ساتھ نبا ہا، چندر شیکھر جی کے علاوہ بھی پارلیمنٹ کے مختلف گروپوں کا (جن میں کانگرس پارٹی سب سے زیادہ نمایاں تھی) وی۔ پی سنگھ جی سے اختلاف ظاہر ہو گیا تھا، اور اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بھی عدم اعتماد کا اظہار کریں گے، اگرچہ وی۔ پی سنگھ جی مطمئن نظر آتے تھے، اور وہ اس سوال کو بنیاد بنا کر کہ "ملک کے سیکولر رہنے کی کون تائید کرتا ہے اور کس کو اس سے اختلاف ہے"

www.abulhasanalinadwi.org

اور مذہب کی بنیاد پر حکومت کو چلانا چاہتا ہے"؟ پارلیمنٹ کے ارکان کی اکثریت کو اپنی حمایت اور تائید پر آمادہ کریں گے کہ یہ مسئلہ آئینی اور دستوری تھا، اور حکومت کے کسی مذہب کی بنیاد پر قائم ہونے اور رہنے کی حمایت مشکل سے کوئی کریگا۔

دو۲ متقابل تصویریں

ایک ایسے وقت میں جب ملک آزاد ہونے اور قومی حکومت کے قائم ہونے کی پوری تاریخ میں نازک ترین مرحلہ سے گزر رہا تھا، اور پورے ملک کے انتشار، منافرت اور خانہ جنگی کے شکار ہونے کا خطرہ تھا، حکمراں پارٹی اور مرکز میں اس اختلاف کا رونما ہونا جس سے ملک کا ڈھانچہ بدل جانے اور شدید بحران کا شکار ہونے کا قوی اندیشہ تھا، ملک میں سیاسی شعور کی کمی، حقائق سے بے خبری بلکہ ملک سے صحیح وفاداری اور اس کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار ہونے اور اپنے جذبات اور مفادات سے بلند ہو کر ملک کے بقا، اور اس کی سلامتی کے لئے جدوجہد کی ضرورت کے عدم احساس اور اقتدار کے لئے کشمکش کے موجود ہونے کا روشن ثبوت تھا، جس سے ملک کے مستقبل کے بارے میں بھی تاریخ پر بصیرت و نظر رکھنے والوں میں اندیشے و شبہات پیدا ہونے کا موقعہ تھا، اور جس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس عظیم ملک کے لئے جس میں خدا کا دیا ہوا سب کچھ ہے، اور جو بیرونی دنیا کے لئے بھی ایک نمونہ بن سکتا ہے، اور کثرت میں وحدت (UNITY IN DIVERSITY) اور عدم تشدّد (اہنسا) کے اصول پر عمل کرنے کا نمونہ پیش کر سکتا ہے، کوئی "کلمۂ جامعہ" نہیں جو ان مختلف المذاہب مختلف الخیال اور مختلف تہذیبیں اور ثقافتیں رکھنے والے عناصر کو ایک رشتہ میں

www.abulhasanalinadwi.org

منسلک اور ایک مقصد کے لئے متحد کر سکے۔

دوسری طرف ہم سایہ ملک پاکستان کا (جو اسی برّصغیر (SUB CONTINENT) ہی کا ایک حصّہ ہے) خلاف توقع اور خلاف روایاتِ سابقہ، دوسرا نقشہ تھا، وہاں اسلامی جمہوری اتّحاد نے اپنی مقابل و مخالف پارٹیوں اور محاذات پر نمایاں فتح اور کامیابی حاصل کی تھی، اور اسلامی جمہوریت کے قیام اور اسلام کے آئین اور شریعت کے قوانین کے نفاذ، اور ملک میں اخلاق و معاشرہ کے بہتر ماحول کے قیام کے لئے کوشش کے اعلان نے اکثریت کا دل جیت لیا تھا، اور اس کو وہ "کلمۂ جامعہ" مل گیا تھا جو اس کثرت میں وحدت پیدا کر سکے، اور ملک کی اکثریت کا اعتماد و تائید حاصل کر سکے، یہ بھی ایک تقدیری بات تھی کہ جس رات (۷، ۸ر نومبر کی درمیانی شب میں) وی۔ پی سنگھ جی کی سبکدوشی کی خبر ریڈیو سے سنی گئی، اسی شب میں ہم پاکستان ریڈیو سے میاں نواز شریف صاحب کی وزیر اعظم کی حیثیت سے حلف برداری کے بعد تقریر سن رہے تھے، پہلے ایک خوش الحان قاری نے سورۃ النساء کی یہ آیات جو اس موقع کے لئے بہت موزوں تھیں بڑی اثر انگیز آواز میں تلاوت کیں :۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا	خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں
الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا	کی امانتیں اُن کے حوالے کر دیا کرو،
حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا	اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو
بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا	انصاف سے فیصلہ کرو، خدا تمہیں
يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ	بہت خوب نصیحت کرتا ہے بے شک
سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	خدا سنتا (اور) دیکھتا ہے، مومنو!

www.abulhasanalinadwi.org

اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا	خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری
الرَّسُوۡلَ وَاُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ	کرو، اور جو تم میں سے صاحبِ حکومت
فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ	ہیں اُن کی بھی، اور اگر کسی بات
اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ	میں تم میں اختلاف واقع ہو تو
تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ	اگر خدا اور روز آخرت پر ایمان
ذٰلِکَ خَیۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا ۝	رکھتے ہو تو اس میں خدا اور اس کے
(سورۃ النساء - ۵۸ - ۵۹)	رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو،
	یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا
	مآل بھی اچھا ہے۔

سب اسی "کلمۂ جامعہ" کا فیض تھا جو گئی گزری حالت میں بھی ایک آسمانی دین اور عقیدۂ توحید کے ماننے والوں میں کسی نہ کسی شکل میں پایا جاتا ہے، میاں نواز شریف کی تقریر بھی (خدا ان کو اس پر عمل کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے) سنجیدہ اور متوازن تھی اور اس میں ملک کو صحیح اسلامی جمہوریت کی طرف لے جانے، ملک میں بہتر اخلاقی و معاشرتی ماحول کے قیام، انسدادِ رسوم قبیحہ و اسرافِ بیجا، زکوٰۃ کی صحیح تقسیم، نسلی تعصّب کے ازالہ اور شریعت کے قوانین کے نفاذ وغیرہ کے ارادے ظاہر کئے گئے، جن کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ ان پر کہاں تک عمل ہوگا، لیکن یہ سب اسی دین اور "کلمۂ جامعہ" کا فیض اور اثر تھا جس سے کوئی اسلامی ملک و معاشرہ ابھی تک پورے طور پر محروم نہیں ہوا، اور اس سے ہر زمانہ میں اور ہر ملک میں محیّر العقول کام لیا جا سکتا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

ہندوستان جیسے کثیر المذاہب مختلف تہذیبوں ثقافتوں زبانوں بلکہ مختلف تاریخیں رکھنے والے عناصر کے ملک میں (جو علیحدہ علیحدہ بھی اپنی بڑی تعداد رکھتے ہیں) اگر کسی ایسی قیادت یا حکومت کو وجود میں لایا جا سکتا ہے جو ملک کی بقاء وترقی اور اس کے مسائل کو حل کرنے اور اس کو مستحکم و متحد رکھنے کی صلاحیت رکھتی ہو، اگر کوئی اصول اور طریقۂ فکر و عمل اس کی شیرازہ بندی اور چارہ سازی کر سکتا ہے تو یہی وہ تینؔ اصول ہیں جن کو اس ملک کا بنیادی دستور اور دائمی اصول بنایا گیا تھا، یعنی جمہوریت (DEMOCRACY) نامذہبیت (SECULARISM) اور عدم تشدّد (NON-VIOLENCE) اور جب اس سے انحراف ہوگا، فرقہ وارانہ منافرت پھیلائی جائے گی، اور حصول اقتدار اور ذاتی یا جماعتی استحصال کے لئے کشمکش اور نبرد آزمائی شروع ہو جائے گی، اور ملک کے مفاد کو پس پشت ڈال دیا جائے گا، تو یہ ملک ہزار فطری دولتوں اور طاقتوں اور بیرونی امدادوں اور مداخلتوں کے باوجود، بدامنی، خانہ جنگی، و خوں ریزی اور تباہی کا شکار ہوگا، خدا اس ملک کو اس سے بچائے اور یہاں کی قیادتوں، تنظیموں، جماعتوں اور دانشوروں کو اس حقیقت کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بابری مسجد اور جنم بھومی کے تنازعہ کے سلسلہ میں ایک انکشاف

ابھی تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ بابری مسجد اور جنم بھومی کا تنازعہ سابق وزیر اعظم راجیو جی کے زمانۂ وزارتِ عظمیٰ کی پیداوار ہے، ان کے زمانہ میں مسجد کا تالا کھولا گیا اور مسجد و مندر کا قضیہ پیدا ہوا، لیکن جارج فرنانڈیز سابق وزیر ریلوے کے ایک بیان سے جو حال میں

www.abulhasanalinadwi.org

اخبارات میں شائع ہوا ہے، یہ انکشاف ہوا کہ وہ مسز اندرا گاندھی کی نشاندہی اور (انتخابی مصالح کی بنا پر) مصلحت اندیشی اور سیاسی استحصال کا پیدا کیا ہوا ہے،

جارج فرنانڈیز نے کہا:۔

"ہمیں یہ سن کر دھچکا لگا کہ شور گیا شی مسز اندرا گاندھی نے ستمبر ۱۹۸۴ء میں وشوہندو پریشد کے لیڈروں کو مشورہ دیا تھا کہ اگر واقعی رام جنم بھومی مندر بنانے کے لئے وہ لوگ بابری مسجد لینے کے لئے سنجیدہ ہیں تو پھر انھیں زبردست تحریک چلانا چاہیئے، انھوں نے کہا کہ ۱۹۸۶ء میں تالے کھول دینا اور ۱۹۸۹ء میں شلانیاس کی اجازت دے دینا کانگریس (ا) کی ایک سازش کا جزء ہے کہ ہندو ووٹ حاصل کئے جائیں، پہلے ۱۹۸۴ء میں اور پھر ۱۹۸۹ء میں اگرچہ اس میں زیادہ کامیابی نہ ہوسکی، مگر وہ سمجھتے ہیں کہ نیشنل فرنٹ، بائیں بازو کی پارٹیاں، گاندھیائی نظریات والے اور ٹریڈ یونین والے ضرورت ہے کہ مشترکہ زبردست تحریک چلائیں اور (B.J.P.) اور کانگریس دونوں کے مذہب کو سیاسی اغراض کے لئے استعمال کئے جانے کے لئے اصولی جواز کا بھانڈا پھوڑیں۔"[1]

بے یقینی کی فضا اور شدید انتظار

۱۹ر نومبر تک (جب مسٹر چندر شیکھر حکومت کو اعتماد کا ووٹ حاصل ہوا) پورے ملک میں ایک بے یقینی اور قیاس آرائی کی فضا چھائی ہوئی تھی، اور کسی کسی وقت محسوس ہوتا تھا کہ پورا ملک ایک لاوارث مال کی طرح ہے، جو فرقہ پرست جماعتوں

---

[1] "قومی آواز" ۱۹ر نومبر ۱۹۹۰ء

www.abulhasanalinadwi.org

اور سیاسی استحصال کرنے والوں کے رحم و کرم پر ہے، معلوم نہیں کون سی سیاسی پارٹی اور تنظیم اس ملک کی باگ ڈور سنبھالے گی، مسٹر چندر شیکھر اور ان کی پارٹی والے بار بار یہ تأثر دیتے تھے کہ ان کو ایوان قانون ساز (پارلیمنٹ) میں اکثریت کی تائید حاصل ہے، اس سے بھی امید ہوتی تھی کہ کانگریس اُن کے بارے میں نرم گوشہ رکھتی ہے اور اُن کو اس کی تائید حاصل ہونے کی امید ہے، اس عرصہ میں انھوں نے جو بیانات دیئے اُن سے ان کی حقیقت پسندی، وطن دوستی، ملک کی زبوں حالی اور اس کے خطرات سے دوچار ہونے، بلکہ تباہی کے غار کے کنارہ پہونچ جانے کے احساس کا اظہار ہوتا تھا، انھوں نے ۱۳ر نومبر کو بمبئی میں ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ "وہ حکومت کی قیادت بہت پُرآشوب دور میں کر رہے ہیں، مگر وہ تمام گاندھیائی نظریات کو اپنے ذہن میں رکھے ہوئے ہیں، اور وہی نظریات ملک و قوم کو روشنی دکھا سکتے ہیں، اور اس کو طاقت دے سکتے ہیں، انھوں نے کہا کہ کانگریس (ا) کے ساتھ کام کرنے پر وہ اس لئے آمادہ ہو گئے کہ ملک کو "قعرِ مذلّت" سے نکالیں .... میں یہ بات صاف کر دینا چاہتا ہوں کہ کانگریس پارٹی اور میرا خود دونوں کا یہ خیال ہے کہ ملک قعرِ مذلّت میں آگیا ہے، لہٰذا صورت حال کی درستی کے لئے کچھ تو کیا جانا ہی چاہیئے"[1]

انھوں نے پریس کانفرنس میں رام جنم بھومی، بابری مسجد مسئلہ کو ملک کے مفاد میں باہمی تعاون اور بات چیت سے حل کئے جانے پر بھی زور دیا، اور کہا کہ ان کی رائے یہ ہے کہ یہ "گرم مسئلہ" صرف باہمی مفاہمت اور متعلقہ فریقوں میں خیرسگالی کے جذبہ کے ساتھ حل کیا جا سکتا ہے، ضروری ہے کہ اس مسئلہ کو اوّلین اہمیت دی جائے اس لئے کہ اس نے

---

[1] "قومی آواز" ۱۴ر نومبر ۱۹۹۰ء

www.abulhasanalinadwi.org

ملک کے اتحاد کے لئے خطرہ پیدا کر دیا ہے[1]۔

چندر شیکھر کی کامیابی اور ان کے بیانات

۱۶ر نومبر ۱۹۹۰ء کو انھوں نے ۶۵ ووٹوں کی اکثریت سے وزارت عظمیٰ کا استحقاق اور اپنے اور اپنی پارٹی کے لئے اعتماد کا ووٹ حاصل کر لیا، انھوں نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ اپنے پہلے خطاب میں عوام پر زور دیتے ہوئے کہا کہ تشدد سے باز رہیں، مذہب کو سیاست سے الگ رکھیں، اور ہر قسم کی تفریق کو ختم کر دیں، تاکہ ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو، اور سبھی طبقوں کے مساویانہ مواقع کو یقینی بنایا جا سکے، انھوں نے کہا کہ "مندر ضرور بنے مگر مسجد توڑ کر نہیں" انھوں نے کہا کہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ چالیس ۴۰ برسوں کی تمام کوششوں کے باوجود بھوک، افلاس، بے روزگاری اور تکلیف کو اب بھی دور کرنا باقی ہے، یہ بدقسمتی ہی نہیں بلکہ شرمناک ہے[2]۔

یوپی کے وزیر اعلا کا دوبارہ انتخاب

مسٹر چندر شیکھر کے وزیر اعظم منتخب ہو جانے کے بعد اب اتر پردیش کے وزیر اعلا کے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے اور اپنے منصب پر باقی رہنے کا مرحلہ باقی تھا، جس کی طرف خاص طور پر مسلمانوں کی نظریں لگی ہوئی تھیں کہ اگر وہ اپنے جرأت مندانہ اقدامات اور بابری مسجد کے ڈھانچہ کے تحفظ کے سلسلہ کے پُرعزم انتظامات کے بعد وزارتِ عُلیا کے عہدہ سے محروم کر دیئے گئے تو اس کا نزلہ مسلمانوں پر گرے گا اور انھیں کو اس کا حساب

---

[1] "قومی آواز" ۱۴ر نومبر ۱۹۹۰ء [2] "قومی آواز" ۱۸ر نومبر ۱۹۹۰ء

www.abulhasanalinadwi.org

چکانا پڑیگا، جو وزارت نے گی وہ بجیال خوبش ماضی کی "غلطیوں اور کوتاہ اندیشیوں" کی تلافی اور رام جنم بھومی کی تحریک کے قائدین اور اکثریت کے فرقہ کو خوش کرنے کی کوشش کرےگی۔

لیکن خوش قسمتی سے ۲۰ نومبر کو ملائم سنگھ جی یادو دوبارہ وزیر اعلا منتخب ہو گئے، اسمبلی میں انھوں نے اپنی اکثریت ثابت کردی اور اعتماد کا ووٹ لے لیا، اس نقطہ سے الگ ہوکر کہ انھوں نے مسٹر وشوناتھ پرتاپ سنگھ پر بہت سے الزامات لگائے اور بہت سی شکایتیں کیں، اور اس بحث میں پڑے بغیر کہ اس میں کتنی حق بجانب ہیں، مسلمان عام طور پر اُن کے انتخاب سے خوش ہوئے، اس سے بھی بحث نہیں کہ یہ خوشی کب تک برقرار رہے گی، اور وہ اپنے گزشتہ طرز عمل کو کہاں تک نباہ سکیں گے اور اس کو حق بجانب بھی سمجھیں گے کہ سیاست شطرنج کی ایک ایسی بازی ہے کہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کس وقت پیادہ کو بڑھایا جائے گا اور کس وقت سوار کو، لیکن انھوں نے بابری مسجد کے سلسلے میں جو اظہار خیال کیا وہ بہر حال ان کے سابقہ کردار سے مطابقت رکھتا ہے، اور (اس وقت کی حد تک) قابلِ تعریف ہے، انھوں نے ۲۲ نومبر کو بارہ بنکی سے قریب فاصلہ پر ایک بڑے جلسۂ عام کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ :۔

"میں نے ہندوستان کا وقار پوری دنیا میں نہ صرف بڑھایا ہے، بلکہ پوری دنیا میں میں نے عملی طور پر ثابت کردیا ہے کہ ہندوستان آزادی کے ۴۰ برس بعد بھی سیکولرزم اور جمہوریت کے اصولوں پر پوری طرح قائم ہے، اگر گذشتہ ۳۰ اکتوبر کو بابری مسجد ٹوٹ گئی ہوتی تو ہندوستان میں قتل عام ہو جاتا، اور پوری دنیا میں ہندوؤں کی جان و مال کی حفاظت کا مسئلہ پیدا ہو جاتا، ۳۰ اکتوبر کو بابری مسجد توڑ کر مندر بنانے والے قطعی طور پر رام کے پجاری نہیں، بلکہ یہ لوگ

www.abulhasanalinadwi.org

اپنے سیاسی مفاد کی خاطر رام کے نام کی عظمت کو کم کر رہے ہیں، بابری مسجد اور رام جنم بھومی کا قضیہ باہمی گفتگو یا عدالت سے جب تک حل نہیں ہوتا، موجودہ صورت حال کو قائم رکھنا، میری حکومت کی ضد نہیں بلکہ فرض ہے، کیونکہ ہم نے وزارت کی کرسی پر بیٹھتے وقت آئین وقانون کی حفاظت کا حلف لیا ہے۔"[1]

فرقہ وارانہ فسادات، تشدّد، کھلی ہوئی جارحیت اور عمومی خوف وہراس

اگرچہ شری ملائم سنگھ یادو اور انتظامیہ کے بابری مسجد کے تحفّظ کی حد تک انتظامات نے مسجد کو (خاکم بدہن) انہدام یا مندر کی شکل میں تبدیل ہو جانے سے بچا لیا، اور اجودھیا کی حد تک خوں ریزی اور کھُلے ہوئے فرقہ وارانہ تصادم کے واقعات پیش نہیں آئے لیکن رام جنم بھومی کی تحریک کے حامیوں اور اکثریت کے تشدّد پسند عناصر کا غصہ اور نزلہ مختلف اضلاع کے پُرامن اور بے قصور مسلمان شہریوں پر گرا، رتھ یاتراؤں نے جو دُور دراز کی ریاستوں سے بڑے کرّوفر، مشتعل جذبات اور مذہبی جوش کے ساتھ نکلے تھے، وہ جہاں سے گذرے انھوں نے فضا کو آتش گیر اور ہنگامہ خیز بنا دیا، پُرجوش اور مغلوب الحال رام جنم بھومی کے حامیوں کے ساتھ (اپنی قدیم روایت کے مطابق) (P.A.C.) نے بھی اس میں بڑا کام کیا، متعدد مغربی اضلاع (مراد آباد، میرٹھ، شاملی اور مظفر نگر) اس کا نشانہ بنے، لیکن اس میں سب سے بڑا حصہ بجنور کا تھا، جس نے زمانۂ سابق میں حافظ محمد ابراہیم جیسا وطن دوست اور کارگذار وزیر، اور مولانا حفظ الرحمٰن سیہاروی جیسا جری، ایثار پیشہ، اور صاف ذہن قائد ہندوستان کو دیا تھا، حکومت یوپی کے اقدامات کے

---

[1] "قومی آواز" ۲۳ نومبر ۱۹۹۰ء۔

www.abulhasanalinadwi.org

(جو اس نے بابری مسجد کے تحفظ کے سلسلہ میں کئے) ردِّ عمل نے بجنور کے امن و امان کی تاریخی روایات کو پامال کر کے اقلیتی فرقہ کو زبردست جانی و مالی نقصان پہونچایا،[1] فرقہ پرستوں نے اقلیتی فرقہ کے افراد کو مار مار کر جے سیا رام کہنے پر مجبور کیا، سیکڑوں افراد کے ہاتھ پیر توڑے گئے، جگہ جگہ عصمت دری کے حیا سوز واقعات بھی پیش آئے، اور خواتین کو جلایا بھی گیا، پچاسوں افراد (P.A.C.) کی مار سے مفلوج اور بیکار ہو کر رہ گئے، کئی مساجد کو نقصان پہونچایا گیا، موتی مسجد میں تبلیغی جماعت کے دو افراد شہید کئے گئے، مقتولین کی تعداد سیکڑوں تک پہونچتی ہے۔[2]"

یہ خوف و ہراس صرف مسلمانوں تک محدود نہیں رہا، اس کی متواتر روایتیں اور چشم دید گواہ موجود ہیں کہ خود اکثریت کے فرقہ پر بھی ان دنوں وحشت اور دہشت کی ایک کیفیت طاری رہی اور گھروں میں بھی (خاص طور پر راتوں میں) وہ دہشت زدہ اور پریشان رہے، لکھنؤ کی حد تک (جو اپنی امن پسندی قدیم تہذیب اور ہندو مسلم تعلقات کی خوشگواری کے لئے مشہور تھا، اور جس میں عرصۂ دراز سے کوئی فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوا تھا) تو یہ ذاتی مشاہدہ اور شخصی تجربہ کی حیثیت رکھتا ہے، بعض ایسے معالجین اور ڈاکٹروں نے جن کو رجوع عام حاصل ہے بیان کیا کہ ان کے پاس اکثریتی فرقہ سے تعلق رکھنے والے افراد کثیر تعداد میں آئے، جو اس خوف و دہشت کی وجہ سے

---

[1] جماعت اسلامی کے ناظم کی رپورٹ کے مطابق مقتولین کی تعداد ۶۵ ہے (قومی آواز لکھنؤ ۲۷ نومبر ۹۰ء)

[2] ماخوذ از رپورٹ مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علمائے ہند و مولانا اسرار الحق قاسمی ناظم عمومی، شائع شدہ اخبار "عزائم" ۲۲ نومبر ۱۹۹۰ء و مراسلہ عزیز الرحمن صاحب بجنوری سابق ایم۔ ایل۔ اے و فرزند حافظ محمد ابراہیم صاحب سابق وزیر اتر پردیش و مرکز۔

www.abulhasanalinadwi.org

اعصاب اور قلب کے مریض اور ہاضمہ کی بیماریوں کے شکار تھے، اس غیر فطری اور ہندوستان کے لئے باعث شرم صورت حال کا جلد تبدیل ہونا اور ملک میں باہمی اعتماد بلکہ باہمی احترام اور جانبین کے تحفظ کے رجحان اور کوشش کا پیدا ہونا، ملک کی اہم ترین ضرورت اور وقت کا تقاضہ ہے۔

اس وقت ملک کا اہم ترین مسئلہ بلکہ اس کے حفظ و بقا کی شرط ہی اس مذہبی جنون، ناعاقبت اندیشی اور حقیقتاً انارکی اور خانہ جنگی (CIVIL WAR) پر قابو پانا ہے، یہ نہیں کہا جا سکتا کہ موجودہ مرکزی حکومت اور صوبائی حکومت اس پر کہاں تک اور کب قابو پا سکے گی، اس کی اہمیت کس حد تک سمجھے گی اور وہ اس میں کس حد تک کامیاب ہوگی، راقم سطور کے نزدیک اب بھی اس کا علاج رابطۂ عوام، اور "پیام انسانیت" کی ملک گیر تحریک کو تیز کرنا اور اس کو مؤثر و عمومی بنانا اور اس کے لئے اکثریت کے دانشوروں، انسانیت دوست، اہل فکر، اور سیاسی رہنماؤں کا زیادہ سے زیادہ تعاون حاصل کرنا اور ہندوستان کے تمام مرکزی مقامات اور بڑے شہروں میں "پیام انسانیت" کے بڑے پیمانہ پر جلسے منعقد کرنا، اور گھر گھر یہ پیغام پہونچانا ہے، خدا اس تحریک کے کارکنوں اور ہمدردوں کو جو ابھی بہت تھوڑی تعداد میں ہیں، اور ان کے پاس وسائل کی بھی کمی ہے، اس کی زیادہ سے زیادہ توفیق دے، اسی کے ساتھ پریس اور ذرائع ابلاغ کے تعاون کی بھی ضرورت ہے، خاص طور پر ہندی وانگریزی اخبارات کی فرض شناسی، وطن دوستی، اور حقیقت پسندی کی (جس کی کمی یا فقدان کا احساس خاص طور پر بابری مسجد اور رام جنم بھومی کے اس تنازعہ کے شروع ہونے کے بعد شدت سے ہوا) اب بھی ان سے فارسی غزل گو شاعر کے شعر میں صرف ایک حرف

www.abulhasanalinadwi.org

(دکول سے) بدل کر کہنے کی ضرورت ہے کہ ؎

زیرِ قلمت[1] ہزار جان است

آہستہ خرام بلکہ مخرام

ایک مشورہ اور تجویز

لکھنؤ کے قیام کے دوران مجھے عزیزی اسحاق کانپوری (مالک ایر انڈیا بیٹری کانپور) کا ٹیلیفون ملا کہ قاضی شہر مولانا منظور احمد صاحب مظاہری کچھ رفقاء کے ساتھ آپ سے ملنا اور ایک اہم مسئلہ پر بات کرنا چاہتے ہیں، میں نے جواب میں کہدیا کہ تشریف لا سکتے ہیں، اور وقت بتا دیا، غالباً ۱۸ یا ۱۹ نومبر کو وہ کانپور کے علماء اور فکرمند اصحاب کے ایک وفد کے ساتھ تشریف لائے، انھوں نے فرمایا کہ بابری مسجد اور رام جنم بھومی کے قضیہ نے پورے ملک کو اور خاص طور پر مسلمانوں کو ایک سخت خطرہ سے دوچار کر دیا ہے، جان و مال و عزت و آبرو، مساجد و مدارس وغیرہ سب خطرہ میں پڑ گئے ہیں، مناسب یہ ہے کہ یہ مسئلہ مسلم پرسنل لا بورڈ اپنے ہاتھ میں لے لے، اس نے ایک نازک اور مشکل مسئلہ میں (نفقۂ مطلّقہ کے سلسلہ میں جو سپریم کورٹ کا فیصلہ تھا) جس آسانی، خاموشی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کامیابی حاصل کی اور حکومت سے یہ مسئلہ طے کرا دیا، اور پارلیمنٹ نے اس کی تائید میں بل پاس کر دیا، وہ ایک تاریخی واقعہ ہے، جس کی مثال آسانی سے نہیں مل سکتی، اگر اسی طریقہ سے بورڈ اس مسئلہ کو بھی اپنے ہاتھ میں لے کر

---

[1] فارسی شعر اس طرح ہے، شاعر محبوب کو مخاطب کر کے کہتا ہے ؎

زیرِ قدمت ہزار جان است آہستہ خرام بلکہ مخرام

مُثبت اور تعمیری انداز میں مفاہمت اور گفت وشنید کے ذریعہ طے کرادے، اور اس کو سیاسی جماعتوں اور افراد کے حوالہ نہ کرے، تو ملک بھی اور مسلمان بھی ایک بڑی آزمائش سے بچ جائیں گے[1]۔

راقم نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ مسئلہ اب ایسا آسان، سادہ اور سہل العمل نہیں رہا، اس کے ساتھ مختلف جماعتوں اور تنظیموں کی دلچسپیاں، قائدانہ مفادات، اور مستقبل کی عزّت وشہرت کے جذبات وابستہ ہیں، بورڈ کی کامیابی کا بڑا راز یہ تھا کہ یہ مسئلہ بالکل اس کے حوالہ کردیا گیا تھا، اس میں کسی قائدانہ یا سیاسی مسابقت ومقابلہ کا جذبہ شامل نہیں تھا، بورڈ کے ارکان نے عوام کے پورے اعتماد کے ساتھ، افہام وتفہیم کے ذریعہ اس وقت کے وزیرِاعظم راجیو جی اور وزیرِ قانون (اشوک سین جی) کو دلائل سے مطمئن کرکے اور اس کا ثبوت فراہم کرکے کہ ہندوستان کے سارے مسلمان اس کی تائید میں ہیں، (اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ملک میں صدہا عوامی جلسے اس کی تائید میں ہوئے اور ہزارہا تار وزیرِاعظم صاحب کو ملے، اسی کے ساتھ دعاؤں کا بھی بڑا اہتمام کیا گیا) یہ مسئلہ اس آسانی کے ساتھ طے کرالیا جو بہت سے لوگوں کے لئے حیرت انگیز اور تعجب خیز تھا، میں نے مولانا کو مشورہ دیا کہ پہلے آپ بورڈ کے ممتاز ارکان سے جو ممتاز علماء کی حیثیت رکھتے ہیں، مسئلہ کا ایک حل اور فارمولہ مرتّب کرالیں، جو شرعاً قابلِ قبول اور انتظاماً قابلِ عمل ہو، اور کسی کے لئے اس پر شرعی اور دینی نقطۂ نظر سے اعتراض کی گنجائش نہ ہو، پھر اگر مسلمانوں کے مختلف حلقوں کی طرف سے اس کا مطالبہ کیا گیا اور اس پر

---

[1] مولانا کے خیال کی ترجمانی اپنی یاد کے مطابق اپنے الفاظ میں کی گئی ہے، ضروری نہیں کہ بعینہٖ یہی ان کے الفاظ ہوں، مگر مدّعا اور مقصود یہی تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

رضامندی ظاہر کی گئی تو یہ قدم اٹھایا جا سکتا ہے، اس سلسلہ میں آپ بورڈ کے جنرل سکریٹری مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی امیر شریعت بہار واڑلیسہ سے پہلے رابطہ قائم کریں، انھوں نے بھی اگر اس کو منظور کر لیا تو مجھے کوئی اعتراض یا انکار نہیں ہوگا، مولانا اور ان کے رفقاء یہ سن کر کانپور واپس گئے۔

دہلی کا مسلم پرسنل لا بورڈ کا جلسہ اور اس کی تجویز

غالباً ۳۰ نومبر کو اخبارات سے اطلاع ملی کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی عاملہ کا جلسہ بابری مسجد کے مسئلہ پر غور و فیصلہ کرنے کے لئے ۳ دسمبر ۹۰ء کو بچوں کے گھر دریا گنج میں منعقد ہو رہا ہے، بلکہ یکم دسمبر کو مولانا سید منّت اللہ صاحب رحمانی سکریٹری بورڈ کا نجی خط اطلاع کا اس معذرت کے ساتھ ملا کہ وقت کی تنگی کی وجہ سے شخصی رابطہ قائم نہیں کیا جا سکا اور اطلاع دیر میں دی جا رہی ہے، راقم نے جس کو ۲ دسمبر کے اس جلسہ میں شرکت کرنی ضروری تھی جو گنگا پرشاد میموریل ہال لکھنؤ میں اردو اکیڈمی اترپردیش کی دعوت پر اور اس کے زیر انتظام فرقہ وارانہ کشیدگی، فضا کی آلودگی اور باہمی منافرت پر اظہار تشویش و ناپسندیدگی اور اس کی اصلاح کی جدوجہد، باہمی احترام و اعتماد کی فضا پیدا کرنے اور ملک کو اس خطرہ اور اس کے ہولناک نتائج سے بچانے کے لئے منعقد ہو رہا تھا، اور راقم ہی کو اس میں افتتاحی خطبہ دینا تھا، جس کے لئے اس نے مقالہ تیار کر رکھا تھا، عزیز گرامی ڈاکٹر محمد یونس نگرامی (چیرمین اکیڈمی) اس کے خاص داعی اور منتظم تھے، "پیام انسانیت" کی تحریک کے ایک داعی و خادم کی حیثیت سے اس موقع سے فائدہ اٹھانا ہر طرح مناسب تھا، جس میں اکثریتی فرقہ کے بہت ممتاز دانشور، ادیب،

www.abulhasanalinadwi.org

صاحبِ قلم اور صحافی بھی شرکت کرنے والے تھے، راقم نے ۲ ر دسمبر کی شب میں جانے والے طیارہ پر اپنے اور عزیزی عبدالرزاق کے لئے سیٹ محفوظ کرائی، پوری امید تھی کہ رات ہی میں ۱۱-۱۲ بجے دہلی پہونچنا ہو جائیگا، اور صبح کی نشست میں جو ۔ ایجے دن کو منعقد ہونے والی ہے شرکت ہو جائیگی، مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب راقم ہی کی خواہش اور تاکید پر دہلی پہونچ گئے تھے، ڈاکٹر اشتیاق صاحب بھی ٹرین سے جا رہے تھے، ہر طرح سے اپنے سفر اور وقت پر پہونچنے کا اطمینان تھا۔

لیکن جب ۲ ر دسمبر کو شب میں ۹ بجے کے قریب ہوائی اڈہ پر پہونچنا ہوا تو چند منٹ کے بعد تختہ پر تحریری اطلاع اور ایک زبانی اعلان کے ذریعہ معلوم ہوا کہ اس وقت کی پرواز منسوخ ہو گئی، جہاز نہیں جائیگا، مجبوراً اور ذہنی تردّد و فکر کے ساتھ قیام گاہ پر واپسی ہوئی۔

ٹیلیفون کے ذریعہ پاریکھ صاحب اور بعض ذمہ داروں کو اطلاع کر دی گئی کہ اب ۳ ر دسمبر کو دوپہر کے طیارہ سے انشاء اللہ پہونچنا ہوگا، یقین تھا کہ جو لوگ پرواز کے منسوخ ہو جانے کی وجہ سے رات کو نہیں جا سکے، ان کو اگلے دن کے طیارہ اور پروازمیں ترجیح اور اوّلیت دی جائیگی کہ ان کا کوئی قصور نہ تھا، اس کا ذمہ دار ہوائی محکمہ اور انتظامی مجبوری یا کوتاہی ہے، اگلے دن عزیزی شاہد حسین کو جو ندوۃ العلماء کے دفتر میں کام کرتے ہیں اور سفروں میں اکثر معاونت کرتے ہیں، پہلے سے بھیج دیا گیا کہ وہ نشستیں حاصل کرلیں، انھوں نے پوری کوشش کی مگر ہوائی اڈہ کے ذمہ داروں نے معذرت کر دی کہ بیرونِ ملک کے مسافروں کی وجہ سے جگہ خالی نہیں، اس طرح بورڈ کی دوسری نشست میں بھی جو بعد مغرب ہونے والی تھی شرکت کی امید جاتی رہی اور ٹیلیفون سے دہلی اس کی

www.abulhasanalinadwi.org

اطلاع کردی گئی، ٹرین سے سفر کرنا بھی (نشستوں کے رزرویشن نہ ہونے کی وجہ سے) ممکن نہ ہوسکا تھا" فہر درویش برجان درویش" کے مطابق بورڈ کے اس اہم اجلاس میں عدم شرکت پر راضی ہونا پڑا" وکان امر اللہ قدراً مقدوراً۔

ٹیلیفون کے ذریعہ اور بعد میں اخبارات سے یہ معلوم ہوا کہ جلسہ میں ارکان عاملہ اور مندوبین کی ایک بڑی تعداد شریک تھی، جلسہ نے ایک مبسوط و مفصل تجویز بھی پاس کی جس میں ان مختلف حلقوں، افراد اور بالخصوص رابطہ کمیٹی اور ایکشن کمیٹی کی کوششوں کو سراہا گیا، اور ان کو باہم مربوط رکھنے اور اتحاد مقصد کے ساتھ اتحاد عمل کی دعوت دی گئی، فرقہ پرست تنظیموں اور فرقہ پرست جارحیت کے نتیجہ میں جو حالات پیش آئے، اور متعدد مقامات پر پولیس بالخصوص (.P.A.C) نے جو کردار ادا کیا، اس کی مذمت کی گئی، اور کہا گیا کہ جو مسلمان ان ہنگاموں میں ہلاک ہوئے وہ شہید ہیں، اور شہادت کی موت اتنی عظیم ہے کہ مومن اس کی تمنا کرتا ہے، نیز مشورہ دیا گیا کہ مسلمان جان و مال، عزت و آبرو اور شعائر دینی کے حملہ کے موقعہ پر حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے اور اپنے دفاع کے لئے دینی، اخلاقی اور قانونی حق کا بھرپور استعمال کریں، اس ملک میں مسلمان کا وجود حکومت یا اکثریت یا کسی گروہ کے رحم و کرم پر نہیں ہے، اس کا سہارا صرف اللہ تعالےٰ کی ذات ہے، وہ خود اعتمادی اور خدا اعتمادی ہی کے ذریعہ زندہ اور باقی رہ سکتا ہے۔

اس کے ساتھ تجویز نے مسجد کے شرعی موقف کی وضاحت کی کہ نہ اُسے تبدیل کیا جاسکتا ہے، اور نہ اس کو کسی مصالحت کی بنا پر کسی فرد، جماعت یا حکومت کے حوالہ کیا جاسکتا ہے، پھر اس کا اظہار کیا گیا کہ" بابری مسجد" مسجد ہی ہے، وہ کسی غصب کی ہوئی زمین پر، یا کسی مندر کو توڑ کر نہیں بنائی گئی ہے، بنا بریں یہ مسجد مسلمانوں کو اسی حالت میں

www.abulhasanalinadwi.org

جس میں کہ ۲۲ دسمبر ۱۹۴۹ء تک تھی واپس کی جانی چاہیے، تجویز میں یہ بھی کہا گیا کہ مسجد سے ملحقہ قبرستان کی آراضی پر جو شیلانیاس ۹ نومبر ۱۹۸۹ء کو ہوا تھا، وہ غلط اور ناجائز تھا، اس مقام پر کار سیوا یا ایسے کسی پروگرام کی اجازت نہیں دی جاسکتی، پھر حکومت سے شکایت واحتجاج کیا گیا ہے کہ اس نے اب تک اشتعال انگیزی کو روکنے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی، حکومت کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔

فسادات میں اضافہ اور ترقی

اس طرح اس تجویز کی روشنی میں مسلمانانِ ہند کو جرأت وعزیمت سے کام لینے کا حوصلہ افزا پیغام ملا اور مسجد کے تحفّظ کے سلسلہ میں کوشش کرنے والے افراد اور کمیٹیوں کی خدمات کے اعتراف اور ان کے ساتھ تعاون کے جذبہ کا اظہار بھی ہوا، جو ایک اچھا اقدام تھا، لیکن مسئلہ اپنی جگہ پر رہا، اور ملک کی صورت حال بگڑتی ہی چلی گئی، ۸ دسمبر کی خبر ہے کہ علی گڑھ میں فرقہ وارانہ تشدّد کی صورت حال مزید خراب ہوجانے کے بعد وہاں فوج طلب کرلی گئی ہے، پورے شہر میں غیر معیّنہ مدّت کے لئے کرفیو لگا دیا گیا، مرنے والوں کی مجموعی تعداد ۴۰ بیان کی گئی ہے، سب سے شرمناک واقعہ یہ پیش آیا کہ لکھنؤ سے روانہ ہوکر دہلی جانے والی گومتی ایکسپریس سے اتار کر چار افراد کو قتل کردیا گیا، ان میں ایک ریلوے افسر بھی شامل تھے[1]، اس کے چند روز بعد ایک چلتی ہوئی گاڑی سے ایک فرقہ (مسلمان) کے چار بچے کھڑکی سے باہر پھینک دیئے گئے، بدایوں، گنج ڈنڈوارہ

---

[1] "قومی آواز" ۹ دسمبر ۱۹۹۰ء بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ ان کی تعداد اس سے زیادہ تھی۔

www.abulhasanalinadwi.org

(ضلع ایٹہ) میں بھی فسادات کی اطلاع ملی، ۱۰ر دسمبر کی خبر ہے کہ علی گڑھ میں فساد جاری ہے، ۵۰ افراد ہلاک ہو چکے ہیں، ۱۲۱ افراد زخمی پائے گئے، صورت حال بے حد کشیدہ ہے، مسلم یونیورسٹی غیر معیّنہ مدّت کے لئے بند کر دی گئی[۱]، حیدر آباد فوج کے حوالہ کر دیا گیا، وہاں اموات کی تعداد ۱۸ تک اور ریاست آندھرا میں ہلاک شدگان کی تعداد ۹۰ ہو گئی، ریاستی وزیر نے احتجاجًا استعفا دے دیا، اجودھیا میں بابری مسجد کو ڈائنا مائٹ سے اُڑانے کی کوشش کی گئی، اور ایک شخص گرفتار کیا گیا[۲]، کانپور میں بھی فوج طلب کر لی گئی۔

لکھنؤ میں اردو اکیڈمی کا جلسہ دعوتِ امن واتّحاد

۲ر دسمبر ۹۰ء کو اردو اکیڈمی اُتّر پردیش کے زیر انتظام ادیبوں، شاعروں، دانشوروں کی دعوت پر "گنگا پرشاد میموریل ہال" لکھنؤ میں ایک کامیاب اور یادگار جلسہ ہوا جس میں اردو، ہندی کے اہلِ قلم، ادیب اور دانشور خاصی تعداد میں شریک ہوئے، ہال اپنی وُسعت کے باوجود حاضرین سے (جن میں ہر طبقہ کے لوگ تھے) کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، ہال کا درمیانی راستہ (جو گذرگاہ تھی بھی بھرا ہوا تھا، اور ڈائس پر بھی سامعین کی ایک تعداد تھی، جلسہ کی صدارت مشہور و معروف شخصیتوں کے ایک پینل نے کی، جس میں پروفیسر گیان چند جین، مسٹر شمس الرحمٰن فاروقی، ممتاز صحافی مسٹر ودیا ساگر سماجی رہنما

---

[۱] بعد میں یونیورسٹی کے ذمہ داروں کی طرف سے اس کی وضاحت کی گئی کہ یونیورسٹی بند نہیں ہوئی، صرف تعلیم بند ہوئی ہے (قومی آواز لکھنؤ ۱۱ر دسمبر ۹۰ء)

[۲] "قومی آواز" لکھنؤ ۱۰ر دسمبر ۱۹۹۰ء

www.abulhasanalinadwi.org

سردار کرم جیت سنگھ، اور شعبۂ فلسفہ لکھنؤ یونیورسٹی کی صدر پروفیسر روپ ریکھا ورما شامل تھیں، مہمانانِ خصوصی میں علی سردار جعفری صاحب' ہندی سنستھان کے چیرمین مسٹر پریپورنا نند (جو یو۔پی کے قدیم نامور وزیر تعلیم شری سمپورنا نندجی کے چھوٹے بھائی ہیں) اور ماہر امراض قلب ڈاکٹر منصور حسن خاں شامل تھے، افتتاحی مقالہ راقم نے پڑھا، جس میں تشدّد اور ظلم اور ناانصافی کے مضر اثرات کو تاریخی اور اخلاقی اقدار کی روشنی میں تفصیل سے بیان کیا، مقالہ میں کہا گیا کہ عالم انسانی میں کوئی چیز اس سے زیادہ تشویش انگیز نہیں ہے کہ انسان انسان سے ناامید ہوجائے' اور غلطی کو غلطی کہنے والا، اور اس کے مقابلہ میں صف آرا اور نبرد آزما ہونے والی کوئی جماعت اور طاقت موجود نہ ہو' اس سے زیادہ افسوسناک اور خطرناک بات یہ ہے کہ نفرت و یاس کے جنون میں بے زبان عورتوں اور معصوم بچوں پر دست درازی شروع ہوجائے' اور غنچوں اور کلیوں کو کھلنے اور مسکرانے سے پہلے مسل کر رکھ دیا جائے' پھر وہ بات تفصیل سے دہرائی گئی جو پچھلے مقالات اور تقریروں میں کہی گئی تھی کہ تاریخ کے سوئے ہوئے شیر کو جگانے کی کوشش کوئی دانشمندانہ فعل نہیں ہے' سیکڑوں' ہزاروں برس کی سوئی اور مری ہوئی تاریخ کو دوبارہ جگانا اور زندہ کرنا، اور ان اچھی یا بُری تبدیلیوں کو جو صدیوں پہلے ہوئی ہیں' اور جن کو اس ملک کے فراخ دل اور غیرت مند شہریوں نے صدیوں سے گوارہ کیا ہے' از سر نو قومی وقار کا مسئلہ بنا کر پیش کرنا، اور اس سفر کو پہلے قدم سے شروع کرنا، ملک کو ایسے نئے مسائل اور مشکلات سے دوچار کردے گا، جن کا مقابلہ کرنے کی اس ملک کو نہ فرصت ہے' نہ ضرورت' اور اس طرح حکومت انتظامیہ اور دانشور طبقہ کی توانائی بے محل صرف ہوگی، یہ محض اصول پسندی کا تقاضا نہیں' دوربینی'

www.abulhasanalinadwi.org

حقیقت پسند اور گہری سیاست کا بھی تقاضہ ہے[1]، آخر میں کہا گیا کہ کوئی کام شدید جدّوجہد، خطرات اور قربانیوں کے بغیر نہیں ہو سکتا، قوم کی صحیح تعمیر، انسانیت کا احترام، اور باہمی اعتماد و محبت پیدا کرنے کے لئے ہم کو ایک مجنونانہ اور سرفروشانہ جدوجہد کی ضرورت ہے، مقالہ کو اس شعر پر ختم کیا گیا ؎

اولوالعزمانِ دانشمند جب کرنے پہ آتے ہیں
سمندر پاٹتے ہیں، کوہ سے دریا بہاتے ہیں

مقررین میں سب سے بہتر تقریر ڈاکٹر بی این پانڈے کی تھی، جنھوں نے اورنگ زیب کے بارے میں بعض نئے انکشافات کیے، جن سے ان کی رواداری، وسیع القلبی، اور ہر مذہب کے احترام کا ثبوت ملتا ہے، انھوں نے ان کے ایک خط کا حوالہ دیا جو انھوں نے ایک ہندو راجہ کو ہندی میں لکھا تھا، اور بتایا کہ جنگل باڑی مٹھا کے مندر میں جہاں شیولنگ بنا ہے، وہاں اورنگ زیب کی تصویر بھی موجود ہے، لکھنؤ یونیورسٹی کی صدر شعبۂ فلسفہ پروفیسر روپ ریکھا ورما نے بھی اچھی تقریر کی، انھوں نے اوما بھارتی کے کیسٹوں، اور بی جے پی کے تقسیم کردہ کیسٹوں[2] پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ ان کے ذمّہ داروں کو جیل جانا چاہئے، انھوں نے کہا کہ ٹیپو سلطان کو جب دکھایا جاتا ہے تو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کہانی ہے، لیکن رامائن کے سیریل میں یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ تاریخ نہیں دیومالائی کہانی ہے، انھوں نے کہا کہ

---

[1] یہ مقالہ رسالہ "تعمیر حیات" ۲۵ر دسمبر ۱۹۹۰ء کے شمارہ میں بھی اور علیحدہ رسالہ کی شکل میں بھی "ملک و معاشرہ کے لئے سب سے بڑا خطرہ" کے عنوان سے شائع ہوا۔

[2] فضا کے مشتعل اور جذبات کے برانگیختہ کرنے اور مذہبی جنون پیدا کرنے میں ان کیسٹوں کا بڑا دخل ہے جو سخت اشتعال انگیز زبان میں ہیں، اور بڑے وسیع پیمانہ پر ان کو پھیلایا گیا ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

تاریخ اور تخیل کا فرق ختم کردیا گیا ہے، ڈاکٹر منصور حسن صاحب نے ناچیز راقم کے بارے میں مسلمانوں کے عمومی اعتماد کا اظہار کیا، اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ کردار محمدیؐ کا نمونہ بننے کی کوشش کریں، جلسہ کی نظامت ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد کررہے تھے، جلسہ کو مشہور انگریزی صحافی مسٹر ودیا ساگر، سردار کرم جیت سنگھ، مسٹر رام لعل جو کانفرنس کے کنوینر بھی تھے، اور پروفیسر گیان چندر جین نے بھی خطاب کیا، مجلس انتظامی کے چیرمین ڈاکٹر یونس نگرامی نے اپنے ادیبانہ خطبۂ استقبالیہ میں ملک کی گنگا جمنی تہذیب، اتحاد اور یک جہتی کی روایات کا تذکرہ کرتے ہوئے مسلمان صوفیوں اور مشائخ کے ان مؤثر اقوال (ملفوظات) کا حوالہ دیا جو ان کی وسیع القلبی اور حقیقت پسندی پر دلالت کرتے ہیں، ۱۰ بجے دن سے شروع ہوکر سوا ایک بجے جلسہ بخیر وخوبی ختم ہوا[1]۔

ضرورت ہے کہ ایسے جلسے جابجا تھوڑے وقفہ کے بعد، جگہ جگہ منعقد کئے جائیں، جو اس وبا زدہ فضا میں احتیاطی وحفاظتی انجکشنوں کا کام دے سکتے ہیں۔

ہندوستان کی دوسری ریاستوں کے ساتھ کشمیر میں کشت وخون اور قتل وتصادم کا سلسلہ چلتا رہا، اس کا افسوسناک نتیجہ کشمیر کے ایک معمر ومؤقر اور فاضل رہنما وقائد مولانا سعید مسعودی کی شہادت ہے، جن کو تین نامعلوم اشخاص نے گھر میں گھس کر شہید کردیا، مولانا کی عمر ۷۸ سال بتائی جاتی ہے، راقم کو ان سے نیاز حاصل تھا، انھوں نے اس کی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا تھا، اور ایک مرتبہ لکھنؤ بھی تشریف لائے تھے، رحمہ اللہ تعالیٰ ورزقنا ایاہ۔

بعض دوسری مصروفیات

دسمبر کا یہ پہلا ہفتہ راقم کے لئے بڑی مصروفیت کا تھا، نومبر کی آخری تاریخوں

---

[1] ماخوذ از رپورٹ "قومی آواز" لکھنؤ ۳ دسمبر ۱۹۹۰ء

www.abulhasanalinadwi.org

اور دسمبر کی ان ابتدائی تاریخوں میں عزیزی مولوی سید سلمان حسینی ندوی کی دعوت اور ان کے انتظام و اہتمام میں "شباب الاسلام" کا کیمپ کٹولی دیہات میں جو لکھنؤ سے چند میل کے فاصلہ پر قصبہ ملیح آباد کے مضافات میں ہے، مدرسہ سید احمد شہیدؒ کے احاطہ اور میدان میں لگایا گیا تھا، جس میں قریب کی یونیورسٹیوں میں تعلیم پانے والے فلسطینی نوجوان بھی اور دوسرے مسلمان طلبہ بھی مدعو تھے، راقم نے ۲۹ نومبر کو اس میں شرکت کی اور سورۂ کہف کی آیات جو اس موقعہ کے لئے خاص طور پر موزوں تھیں اور اپنے اندر پیغام رکھتی تھیں، پڑھیں اور اُن پر تقریر کی، آیات حسب ذیل ہیں:۔

اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝ (سورۂ کہف۔ ۱۳۔ ۱۴)	وہ کئی جوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی تھی، اور ان کے دلوں کو مربوط یعنی مضبوط کر دیا جب وہ اٹھ کھڑے ہوئے تو کہنے لگے، ہمارا پرورش کرنے والا آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، ہم اس کے سوا کسی کو معبود نہ پکاریں گے، اگر ایسا کیا تو اس وقت ہم نے بعید از عقل بات کہی۔

مقرر نے بتایا کہ یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ اس نے اُن کے جرأت مندانہ اقدام اور پھر تائید الٰہی کو اس ترتیب کے ساتھ بیان کیا جو ایسی نوجوانوں کی سرکیت جماعت کے لئے موزوں ہے جو "سرکار دربار" اور عوامی مذہب کے خلاف بہادرانہ قدم اٹھاتی ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

اور عہدوں اور مستقبل کی ترقیوں سے صرف نظر کرتی ہے، یعنی پہلے ایمان بالرّب پھر خدا کی طرف سے ہدایت میں اضافہ اور ترقی، پھر صبر و استقامت، اس کی طرف بھی اشارہ کیا گیا کہ یہاں خدا کے اسمائے حسنیٰ میں سے ربّ کا انتخاب کیا گیا، اور اُن کی زبان سے نکلے ہوئے اس اعلان کا ذکر کیا گیا کہ "رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اس لئے کہ معاملہ روٹی روزی کا، مستقبل کی ترقی اور خوشحالی کا تھا، تاریخ و تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اعلیٰ سرکاری عہدیداروں اور حکومت کے متوسّلین و مقرّبین کے چشم و چراغ تھے، اس لئے یہ اعلان خاص معنویت اور قدر و قیمت رکھتا ہے، اور آج مسلمان نوجوانوں کو اسی کی ضرورت ہے۔

کیمپ کے بعد مدرسہ سید احمد شہیدؒ کا سالانہ جلسہ بھی تھا، جس میں ۲ر دسمبر کے گنگا پرشاد میموریل ہال کے جلسہ کی وجہ سے اور شب میں دہلی روانہ ہونے کے پروگرام کی بنا پر (جو عمل میں نہیں آسکا) میں باوجود اعلان کے شرکت نہ کرسکا، اس پروگرام کے اختتام کے بعد ریاض سے دو ممتاز عرب فاضل و استاد جامعہ احمد براء الأمیری اور حیدر غدیر صاحبان ندوۃ الشباب العالمی ریاض کی طرف سے شرکت کے لئے آئے، جو سفر کی مشکلات کی وجہ سے تاخیر سے پہونچے، اُن کے اعزاز میں ۴ر دسمبر کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے عباسیہ ہال میں جلسہ ہوا، جس میں چند فلسطینی طلبہ نے بھی شرکت کی، اور اپنا مجاہدانہ ترانہ پڑھا، میں نے بھی عربی میں خطاب کیا جس میں عربوں کو ان کی ذمہ داری اور منصب یاد دلایا، اور ہندی مسلمانوں کے ذات نبویؐ اور مرکز اسلام سے گہرے ربط و تعلق کو یہاں کی سحر انگیز قومی تحریکوں اور یہاں کے طاقتور تہذیبی اثرات سے محفوظ رہنے کا راز بتایا، جن سے باہر آنے والی کوئی قوم اور تہذیب بچ نہیں سکی، اور کہا کہ یہی بلاد عربیہ اور عربوں کے خالص قومی و لادینی تحریکات سے محفوظ رہنے اور کامیابی کا واحد راستہ ہے کہ وہ ذات نبویؐ

www.abulhasanalinadwi.org

اور دعوتِ اسلامی ہی کو اپنے شرف و عزت کا راز سمجھیں اور اسی کا نمونہ ان کو عجمی مسلم اقوام اور مسلمانانِ عالم کے سامنے پیش کریں ، بقول اقبال ؎

یہ نکتہ پہلے سکھایا گیا کس اُمّت کو　　وصالِ مصطفویؐ، افتراقِ بولہبی

نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا　　محمد عربیؐ سے ہے، عالمِ عربی

آخر میں یہ بھی کہا گیا کہ اقوامِ عالم اور سیاسی وجنگی حریفوں کے مقابلہ میں آپ کا امتیاز اور غلبہ اور کامیابی کا راز، اللہ کے وعدوں پر یقین، شہادت کا شوق اور اس کے نتیجہ میں نعمائے جنّت کا حصول ہے، قرآن مجید میں صاف کہا گیا ہے :-

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ؕ	اور کفار کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا اگر
إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ	تم بے آرام ہوتے ہو تو جس طرح تم بے آرام
يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۚ وَتَرْجُونَ	ہوتے ہو اسی طرح وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں
مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ؕ وَكَانَ	اور تم خدا سے ایسی ایسی امیدیں رکھتے ہو
اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝	جو وہ نہیں رکھ سکتے، اور خدا سب کچھ
(سورۂ نساء ــــ ۱۰۴)	جانتا اور بڑی حکمت والا ہے ۔

جلسہ میں عزیزی سید سلمان ندوی اور دونوں عرب فاضلوں استاد حیدر غدیر اور استاد احمد البراء الامیری نے بھی خطاب کیا اور اس طرح کیمپ میں اُن کے اور میرے شریک نہ ہوسکنے کی تلافی ہو گئی ۔

مولانا ابو اللّیث صاحب اصلاحی ندوی کی وفات اور ندوہ میں جلسۂ تعزیت

مولانا ابو اللیث صاحب مرحوم کی علالت کی خبر مسلسل مل رہی تھی، آخر میں معلوم ہوا کہ

www.abulhasanalinadwi.org

وہ اعظم گڑھ کے اسپتال میں داخل ہیں اور ان کو آکسیجن دیا جا رہا ہے، اس سے اندیشہ پیدا ہو گیا تھا، لیکن اتنی جلد ان کی مفارقت کا اندیشہ نہیں تھا، ۵ دسمبر کو صبح ۱۰-۱۱ بجے ٹیلیفون سے ان کی وفات کا علم ہوا اور قدیم رفیقانہ و مخلصانہ تعلق اور اُن کی یگانہ خصوصیات اور خوبیوں کی بنا پر دلی صدمہ ہوا، راقم کے اور اُن کے ربط و تعلق کی مدّت نصف صدی سے متجاوز ہے، وہ غالباً ۳۱-۱۹۳۰ء میں دارالعلوم آئے، تین۳ چار۴ سال آخری درجوں میں تعلیم پانے کے بعد جس میں درجہ کی اگرچہ رفاقت نہیں رہی مگر طبعی مناسبت، اور مزاج و ذوق کے اشتراک کی بنا پر بہت قرب و موانست رہی، یہ وہ دور ہے جب مولانا مسعود عالم صاحب ندوی مرحوم، مولانا محمد ناظم صاحب ندوی، مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی، مولانا حافظ محمد عمران خاں صاحب ندوی، مولانا محمد اویس صاحب ندوی ہم سب ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے، اور دارالعلوم کی مجلسوں اور سرگرمیوں میں حصہ لیتے تھے، پھر جب ہم سب کے استاد امام عربیّت اور فاضل یگانہ علّامہ شیخ تقی الدین الہلالی المراکشی، صدر شعبۂ ادب عربی کی حیثیت سے لکھنؤ میں مقیم اور دارالعلوم ندوۃ العلماء میں استاد و مربّی ہوئے تو ان سے استفادہ کرنے والوں میں جو نوجوان پیش پیش تھے، ان میں مولانا ابواللیث صاحب بھی تھے، شیخ کو بھی ان سے آخر تک سرپرستانہ و مشفقانہ تعلق رہا، اور وہ عراق اور مغرب منتقل ہونے کے بعد بھی ان کو نہیں بھولے، اس کے بعد جب میں ۱۹۳۴ء میں دارالعلوم کے اساتذہ کی سلک سے منسلک ہوا تو مولانا ابواللیث صاحب کا بھی قریبی زمانہ میں بحیثیت استاد کے تقرر ہوا، اس سے ہم دونوں کا ربط و تعلق اور بڑھا، درمیان میں وہ کچھ عرصہ کے لئے اخبار "مدینہ" یا اس ادارہ سے نکلنے والے رسالہ کے سلسلۂ ادارت سے وابستہ ہو گئے، لیکن جلد پھر دارالعلوم میں آگئے۔

www.abulhasanalinadwi.org

۱۹۴۷ء کے بعد مولانا اس نازک اور پُرآشوب دور میں ہندوستان کی جماعتِ اسلامی کے امیر منتخب ہوئے، اور اس حیثیت سے وہ سالہا سال رامپور میں جہاں اس کا صدر دفتر اور اس کے زیر اہتمام چلنے والی ایک تعلیم گاہ بھی تھی مقیم رہے لیکن ہمارا تعلق بدستور قائم رہا، میں رام پور جاتا تو انھیں کے پاس ٹھہرتا، وہ لکھنؤ اور رائے بریلی بھی آتے رہتے، پھر مرکز دہلی منتقل ہو گیا، لیکن ہمارے روابط برابر قائم رہے، اور اس زمانہ میں بھی اُن کی دارالعلوم اور رائے بریلی میں آمد ورفت رہی، ہم دونوں جب جمع ہو جاتے تو پرانی یادیں، دارالعلوم کے بیتے ہوئے دن، ہلالی صاحب کا تذکرہ، اور بچھڑے ہوئے دوستوں کی یاد تازہ ہوتی، وہ ندوہ کی مجلس انتظامی کے رکن بھی تھے، اس سلسلہ میں بھی اُن کا آنا جانا ہوتا تھا، مجلس مشاورت کے صوبائی دوروں میں بھی اکثر ان کا ساتھ رہا، اور مناسبت خاص کی وجہ سے راقم، وہ اور مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب مرحوم ساتھ ٹھہرتے اور اکثر یکجا رہتے۔

آخر میں بڑی خواہش تھی کہ وہ کچھ دن آرام کرنے اور دوستوں سے ملنے کے لئے دارالعلوم میں آئیں اور قیام کریں، مگر ان کی علالت اور کمزوری کی وجہ سے یہ آرزو پوری نہ ہو سکی، اور انھوں نے اس دنیا سے سفر آخرت اختیار کیا۔

جس دن ان کی وفات کی اطلاع ملی اسی دن بعد نماز عصر راقم کی صدارت میں تعزیتی جلسہ منعقد ہوا، جس میں مولوی عبدالنور صاحب ندوی استاد دارالعلوم، اور مولانا سعید الرحمٰن صاحب ندوی، استاد دارالعلوم اور مدیر "البعث الاسلامی" نے تقریریں کیں۔

میں نے اپنی تقریر میں تین باتوں کی طرف خاص اشارہ کیا، ایک اُن کی اِس

www.abulhasanalinadwi.org

خصوصیت کی طرف کہ ایک عظیم و مؤثر جماعت کے امیر ہونے کے باوجود اُن کی سادگی، تواضع اور عالمانہ و مُدرّسانہ طرز زندگی میں کوئی فرق نہیں آیا، وہ اپنے قدیم دوستوں سے ایسی بے تکلفی اور خلوص سے ملتے تھے، جیسے اپنے زمانۂ طالب علمی و تدریس میں ملتے تھے، مشائخ و علماء سے بھی ان کے روابط قائم رہے،[1] دوسرے یہ کہ ۱۹۴۷ء کے بعد جماعت اسلامی جیسی جماعت کی ذمہ داری سنبھالنا، جس کے خاص سیاسی نظریات بھی تھے، کانٹوں بھرا تاج سر پر رکھنا یا ہتھیلی میں انگارہ رکھنے کے مرادف تھا، لیکن انھوں نے اس نازک منصب کو، صبر و استقامت[2] اور حکمت و فراست سے نباہا، تیسری اہم بات یہ تھی کہ ہندوستان میں چونکہ جماعت کی قیادت ایک مستند عالم اور خالص دینی و علمی حلقہ کے پروردہ اور ساختہ پرداختہ فرد کے ہاتھ میں تھی، اس لئے اس نے پاکستان کی جماعت اسلامی کی اس قیادت کے مقابلہ میں جو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی وفات کے بعد ان افراد کو منتقل ہوئی، (جو اپنی دوسری خوبیوں کے باوجود) مکمل عالم دین اور خالص علمی و دینی ماحول کے تربیت یافتہ نہیں تھے، زیادہ توازن، اعتدال، دینی پہلو کی رعایت اور علماء و مراکز دینی سے تعلق اور ان کے احترام کا ثبوت دیا اور وہ ان بعض غلطیوں اور بے اعتدالیوں سے محفوظ رہی جن کی پاکستان میں وہاں کے قدیم علماء اور دوسرا نقطۂ نظر

---

[1] جب مرشد محترم حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ رائے پوری کارام پور تشریف لے جانا ہوتا اور وہاں چند دن قیام ہوتا تو مولانا بھی زیارت و ملاقات کے لئے آتے، اسی طرح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی خدمت میں بغرض زیارت اور طلب دعا نظام الدین کے تبلیغی مرکز میں آتے اور حضرت شیخ خصوصی توجہ فرماتے اور کبھی مدینہ طیبہ کے کھجور وغیرہ کے تبرکات بھی عطا فرماتے، اور مولانا تشکّر کے ساتھ اس کا ذکر کرتے۔ [2] وہ غالباً تین مرتبہ جیل بھی گئے اور خاصی مدّت انھوں نے جیل میں گزاری۔

www.abulhasanalinadwi.org

رکھنے والوں کو جماعت سے شکایت ہے۔

جلسۂ تعزیت کے علاوہ مولانا کے لئے دعائے مغفرت، قرآن خوانی اور ایصال ثواب کا بھی اہتمام کیا گیا۔ غفراللہ لہ وتقبل حسناتہ وتجاوز عن سیّاٰتہٖ۔

پیامِ انسانیت کے نام سے آنکھ کے آپریشن کا ایک مشترک کیمپ

مدرسہ تعلیم القرآن واقع باغ میراں۔ جگدیش پور (ضلع سلطانپور) جو ندوۃ العلماء سے ملحق اور عزیزی سید عبداللہ حسنی کی نظامت و نگرانی میں ہے، کے بانی و ذمہ دار ماسٹر اشفاق احمد صاحب نے کچھ عرصہ پہلے مدرسہ کی عمارت میں آنکھ کے آپریشن کے ایک کیمپ کے اجرا کا ارادہ ظاہر کیا تھا اور مشورہ لیا تھا، راقم نے موجودہ حالات کے پیش نظر ایک ایسے مشترک کیمپ کے قیام کا خیر مقدم کیا، جس میں بلا تفریق مذہب و ملّت، طبقات اور برادریوں کے آنکھ کے عملِ جرّاحی کی خدمت انجام دی جائے، اور اس کو ایک انسانی خدمت اور اسلام کی اخلاقی تعلیم پر عمل کرنے کے نتیجہ میں انجام دیا جائے، اس کے آغاز پر تو میں لکھنؤ کی مصروفیتوں کی وجہ سے پہونچ نہیں سکا، معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم معزّزین ممبران اسمبلی وغیرہ کا بڑا مجمع اس کے افتتاح کو دیکھنے اور خطاب کو سننے کے لئے جمع ہو گیا تھا، راقم ۸ ر دسمبر کو عزیزی عبداللہ حسنی ندوی کی رہنمائی میں رفقاء کی ایک جماعت کے ساتھ لکھنؤ سے چل کر باغ میراں پہونچا جس کا مشہور مقامی نام بھٹوا ہے، معلوم ہوا کہ اس کیمپ میں ۷۰ امریضوں کے بستروں کا انتظام ہے اور بلا تفریق مذہب و ملّت وجنس و سن (مرد و عورت) اور جوان و بوڑھوں کے ۷۰ امریض ہیں، جن میں بڑی تعداد غیر مسلموں کی ہے، ان کا کامیابی کے ساتھ آپریشن ہو چکا ہے، میڈیکل کالج لکھنؤ کے سرجنوں نے بڑی دلچسپی

www.abulhasanalinadwi.org

اور توجہ سے آپریشن کیا، اس کیمپ پر "پیام انسانیت" کا بورڈ لگا ہوا تھا، اور قرب و جوار کے ہندو مسلمان محدود تعداد میں (اعلان و شہرت نہ ہونے کی وجہ سے) موجود تھے، جن میں مشہور یونانی طبیب و معالج مولوی حکیم افہام اللہ صاحب (رکن شوریٰ دار العلوم دیوبند، ومجلس انتظامی ندوۃ العلماء) بھی تشریف رکھتے تھے، راقم نے کچھ دیر مریضوں اور حاضرین سے خطاب کیا، بصارت کی نعمت اور آنکھ کی قدر و منزلت پر روشنی ڈالی، کامیاب آپریشن پر مبارکباد دی اور اس پر پیدا کرنے والے اور اس نعمت کے دینے والے کے شکر اور اس کے صحیح استعمال کی طرف توجہ دلائی، اور اس خدمت کے انجام دینے کو سراہا، جس کی طرف حدیث نبوی "الخلق عیال اللہ وأحب الخلق الی اللہ أنفعھم لعیالہ" (ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اور اس کنبہ کا وہ آدمی اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے جو اس کنبہ کے لئے سب سے زیادہ مفید ہو) میں اشارہ ہے، ظہر کی نماز ادا کرنے اور کھانے کے بعد میں اپنے رفقاء کے ساتھ رائے بریلی اپنے مستقر پر پہونچ گیا، ضرورت ہے کہ خدمتِ خلق کے ایسے نمونے اور آپریشن کے کیمپ جا بجا قائم کئے جائیں، اور ان میں مسلمان جن کو خدمت خلائق، انسان دوستی اور خلقِ خدا کی راحت رسانی اور کاربراری کی خاص طور پر تعلیم دی گئی ہے، اس کی تقلید کریں، خاص طور پر "پیام انسانیت" کی تحریک سے دلچسپی رکھنے والوں کو اس میں سبقت کرنی چاہئے کہ یہ ایک عظیم ثواب کا کام اور منافرت اور بے اعتمادی کی اس فضا کو دور یا کم کرنے کا ایک ذریعہ اور مؤثر علاج ہے۔

موجودہ حالات میں ہندوستانی مسلمانوں کے لئے راہِ عمل

ان شدید فرقہ وارانہ فسادات، خوف و دہشت کی اس فضا میں جس کی نظیر

www.abulhasanalinadwi.org

اس ملک میں نہ حصول آزادی کے بعد ملتی ہے، نہ اس سے پہلے، اس کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اس پریشانی اور سراسیمگی کی حالت میں جو بعض وقت یاس وناامیدی تک پہونچا دیتی ہے، ہندوستان کے مسلمانوں کو کتاب وسنت کی روشنی اور گذشتہ تاریخ اور رحمت ونصرت الٰہی کے واقعات کی رہنمائی میں ایسے مثبت مشورے دیئے جائیں، رجوع الی اللہ، اصلاح حال، وقت کے تقاضوں کی تکمیل اور حقیقت پسندی کا راستہ دکھایا جائے، جس سے یہ خوف وہراس کم ہو، اور رحمت الٰہی متوجہ ہو، اور فضا کی درستی، جان ومال کی حفاظت اور ملّی تشخّص کی بقا میں مدد ملے، عزیز گرامی مولوی معین اللہ صاحب ندوی خاص طور پر اس کا تقاضہ کر رہے تھے، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاد مولانا محمد عتیق بستوی صاحب نے ان کی فرمائش سے ایک مقالہ بھی سپرد قلم کیا جس نے ایک مستقل رسالہ کی شکل اختیار کر لی، راقم سے اس پر پیش لفظ لکھنے کی فرمائش کی گئی، وہ جب پیش لفظ لکھنے بیٹھا تو اس نے ایک مقالہ کی شکل اختیار کر لی، جو پہلے "تعمیر حیات" میں شائع ہوا، پھر ندوۃ العلماء کے شعبۂ دعوت وارشاد کی طرف سے الگ رسالہ کی شکل میں، چونکہ رسائل اور مؤقّت الشیوع مضامین کے باقی اور عام ہونے کا اطمینان نہیں، اور اس لئے بھی کہ اس سے ہندوستان کی اس فضا اور مسلمانوں کے احساسات کا سمجھنا آسان ہے، جو ۹۰ء کے ان آخری مہینوں میں پورے ملک میں پائے جاتے تھے، اس مقالہ کے اہم حصہ کو "کاروانِ زندگی" کی اس جلد کے آخر میں نقل کیا جا رہا ہے، "إن في ذالك لعبرة لأولي الأبصار"

ملک کے غیر معمولی حالات میں ہندوستانی مسلمانوں کو مشورہ

جہاں تک رام جنم بھومی اور بابری مسجد کے قانونی وانتظامی پہلو کا تعلق ہے،

www.abulhasanalinadwi.org

اس کے لئے عدالت اور حکومت کے دائرہ میں مسلمانوں کی مختلف تنظیمیں، خاص طور پر ایکشن کمیٹی، رابطہ کمیٹی کی جدّ وجہد جاری ہے، ۳ر دسمبر ۱۹۸۶ء کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے بھی (جس میں علماء، دینی جماعتوں کے نمائندے، اور قانونی حلقہ کے حضرات معتد بہ تعداد میں شریک ہوئے) ایک مفصل تجویز پاس کی جس کا اجمالاً پچھلے صفحات میں تذکرہ آچکا ہے، فرقہ وارانہ فسادات، تشدّد، وحشیانہ حرکات، اور اس عظیم ترین مذہبی منافرت کے خلاف جس کی نظیر نہ تقسیم ملک کے وقت ملتی ہے، نہ اس سے پہلے، صدائے احتجاج بھی بلند کی جاتی رہی اور اپنے اپنے دائرہ میں کوشش بھی، جس کا بہت کچھ اندازہ پچھلے صفحات سے لگ سکتا ہے۔

یہ سب کام ضروری تھا، اور ہونا چاہئے تھا، لیکن مسلمانوں کو خالص کتاب وسنت کی روشنی میں اُسوہ وسیرت نبویؐ اور داعیان دین اور راسخین فی العلم کی تعلیم وطرز عمل سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے اس صورتِ حال کا مقابلہ کرنے اور اس کو نصرت ورحمت غیبی سے بدلنے کی کوشش اور اس کے طریقوں کی طرف رہنمائی کی بھی ضرورت تھی کہ " وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ "

اس رسالہ میں پہلے اس صورت حال کی سچی تصویر پیش کی گئی جس سے مسلمانوں کے نہ صرف ملّی تشخّص، دین کی دعوت وتبلیغ کے مواقع وامکانات ہی نہیں، ان کی زندگی کا تسلسل، عزّت وآبرو، مساجد ومدارس اور صدیوں کا دینی وعلمی اثاثہ بھی خطرہ میں پڑگیا ہے، پھر اس صورت حال کا بہادرانہ وحقیقت پسندانہ مقابلہ کرنے اللہ کی رحمت ونصرت سے امید رکھنے، اور ان تاریخی واقعات سے اپنے اندر ہمت واعتماد پیدا کرنے کی تلقین کی گئی کہ جب تمام قیاسات ومشاہدات وواقعات کے بالکل برخلاف اللہ کی

www.abulhasanalinadwi.org

طرف سے مدد آئی، اور اسلام اور اس کے پیروؤں کے مفاد میں وہ انقلاب رونما ہوا جس سے دنیا کی عقلیں دنگ ہو کر رہ گئیں اور مؤرخ کا قلم انگشت بدنداں ہے، قرآن کی ان آیات اور بعض واقعات کو نقل کرکے کہا گیا کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونے کی بالکل ضرورت نہیں، لیکن اس کے لئے ان کو خود بھی کچھ اقدامات، تبدیلیاں اور کچھ چیزوں کا اہتمام کرنا ہوگا۔

ان میں سب سے پہلی چیز رجوع الی اللہ، انابت، توبہ و استغفار، اور دعا و ابتہال (گریہ وزاری ہے) اس سلسلہ میں ایسے موقعوں پر خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمول مبارک، اور اُسوہ کا حوالہ دیا گیا کہ آپ معمولی پریشانی کے وقت بھی نماز کی طرف رجوع فرماتے تھے، اور اسی کو اس کا علاج اور پناہ گاہ سمجھتے تھے، دوسری شرط اور ضروری و فوری قدم معاصی سے توبہ گناہوں سے اجتناب اور حقوق و فرائض کی ادائیگی ہے، اس سلسلہ میں خلیفۂ راشد امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ایک تاریخی خط کا اقتباس پیش کیا گیا، جو انھوں نے افواج اسلامی کے ایک قائد کو بھیجا تھا، اس کا ایک مختصر اقتباس پیش ہے:۔

"اپنے ساتھیوں کے لئے دشمن سے زیادہ اللہ کی معصیت سے ڈریں، کیونکہ گناہ دشمن کی تدبیروں سے بھی زیادہ انسان کے لئے خطرناک ہے، ہم اپنے دشمن سے جنگ کرتے ہیں، اور ان کے گناہوں کی وجہ سے ان پر غالب آجاتے ہیں..... اگر ہم اور وہ دونوں معصیت میں برابر ہو جائیں تو وہ قوت اور تعداد میں ہم سے بڑھ کر ثابت ہوں گے۔"[1]

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز (ابن عبدالحکم) پورے خط کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت وعزیمت" حصہ اول ص ۴۵-۴۶

www.abulhasanalinadwi.org

تیسرے نمبر پر کہا گیا کہ غیر مسلموں کو اسلام سے متعارف کرانے کی کوشش کریں اور ایسے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں، اس سلسلہ میں مسلمانوں کی کوتاہیوں اور اپنے ذاتی تجربوں کا بھی حوالہ دیا گیا ہے، اور ان کتابوں اور رسالوں کی نشاندہی بھی جو اس مقصد کے لئے مفید ہو سکتے ہیں۔

چوتھے نمبر پر "پیام انسانیت" کی تحریک کو عام کرنے اور مؤثر بنانے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، جو اس ملک کی فضا کو معتدل پُرسکون بلکہ پُرراحت و باعزّت بنانے کی ایک مؤثر تدبیر اور امکانی کوشش ہے۔

پانچویں نمبر پر ایک اہم بات یہ کہی گئی کہ مسلمانوں میں صلح پسندی، صبر وتحمّل بلکہ ایثار و فیاضی کے ساتھ عزم وہمّت، شجاعت و دلیری کی صفت راہِ خدا میں مصائب برداشت کرنے، اس پر اللہ کے اجر و ثواب کی طمع، جنّت اور لقائے رب کا شوق، اور شہادت فی سبیل اللہ کے فضائل کا استحضار بھی موجود اور زندہ رہنا چاہئے، اس کے لئے ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات اور مجاہدین اسلام کے کارناموں کا مطالعہ جاری رکھنا چاہئے، اور قدیم معمول کے مطابق (جو بہت سے دیندار گھرانوں میں جاری رہا ہے) جہاد وغزوات کے نثر ونظم کی کتابیں اور اسلام کے شاہنامے، پڑھے جانے کا رواج دینا چاہئے، اس سلسلہ میں بھی بعض مؤثر و مستند کتابوں کی نشاندہی کی گئی۔

چھٹے نمبر پر آخری بات یہ کہی گئی کہ اس وقت ہر گھر کے ذمہ داروں، بچوں کے والدین اور موجودہ نسل کے لوگوں کو اپنے بچوں اور آئندہ نسل کو دین کی ضروریات سے اسلامی عقائد، دینی فرائض اور اسلامی اخلاق سے واقف کرانے اور بنیادی تعلیم دینے کی ذمہ داری خود قبول کرنا ہے، ان کو بچوں کی خوراک، غذا و لباس اور پوشاک، اور صحت، بیماری کے

www.abulhasanalinadwi.org

علاج کی ذمہ داری کی طرح بلکہ اس سے زیادہ اس کی ضرورت واہمیت کا احساس کرنا، اور اس فرض کو ادا کرنا ہے، اس لئے کہ اس کی طرف سے غفلت کرنے کے نتائج طبعی جسمانی فرائض وذمہ داریوں سے غفلت کے مقابلہ میں زیادہ خطرناک، وسیع اور طویل المدّت ہیں، اس کے بغیر مسلمانوں کی آئندہ نسل مسلمان نہیں رہ سکتی، اس لئے کہ موجودہ نظام ونصابِ تعلیم، ذرائعِ ابلاغ، پریس، ماحول اور معاشرہ سب ذہنی وتہذیبی ارتداد اور (اگر ان کے متوازی کوئی انتظام نہ کیا گیا تو) دینی واعتقادی ارتداد کی طرف لے جانے والے ہیں۔

روسی ترکستان کے ایک مؤقّر وفد کی آمد، دار العلوم میں قیام اور اس کے تأثرات

راقم کو دسمبر کے پہلے ہفتہ کی کسی تاریخ کو اچانک تبلیغی مرکز نظام الدین کا ٹیلیفون سے یہ پیغام ملا کہ روس کی ایک جماعت جس میں متعدد بڑے علماء بھی ہیں، روس جانے والی ایک تبلیغی جماعت کی دعوت اور کوشش کے نتیجہ میں دہلی آئی ہوئی ہے، یہ حضرات علماء آپ سے ملنے کے مشتاق ہیں، انھوں نے آپ کی کتابیں پڑھی ہیں، راقم نے اس کا خیر مقدم کیا اور اپنے قیام وسفر کا پروگرام بتا دیا، پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے کہ روسی علماء کے ایک وفد کا جدّہ سے ریاض جاتے ہوئے ساتھ ہو گیا تھا، ان سے معلوم ہوا تھا کہ راقم کی کتاب "قصص النّبیّین للأطفال" وہاں کئی جگہ پڑھائی جاتی ہے، اور وہ ہماری بعض دوسری کتابوں اور رسائل سے بھی واقف ہیں، ۱۳ دسمبر ۹۰ء کو روس کی یہ جماعت لکھنؤ پہونچی اور دار العلوم ندوۃ العلماء کی مہمان ہوئی، میں اس وقت رائے بریلی میں تھا، عزیزی محمد رابع سلمہٗ لکھنؤ سے گئے تو انھوں نے بتایا کہ وہ اچھے اہلِ علم ہیں، اور بعض حضرات کو "ماذا خسر العالم" کے صفحہ کے صفحہ یاد ہیں، ۱۴ کو بعد مغرب ہمارا لکھنؤ پہونچنا ہوا، بعد مغرب دار العلوم کی مسجد

میں جلسہ ہو رہا تھا، وہ حضرات مہمان خانہ میں ملنے آگئے، یہ ۹ روسی ترکستانی عالم تھے جن میں تین چند عظیم مسجدوں کے خطیب تھے، ان میں سے کوئی ازبکستان سے، کوئی اندجان سے (جہاں بابر کی پیدائش ہوئی) کوئی مرغینان سے (جو صاحب "ہدایہ" کا وطن ہے) کوئی کرغستان سے، کوئی تاجکستان سے، اور دو تین نوکد سے اور ایک سراوان ایران سے تعلق رکھتے تھے، ان میں سے کئی عربی بولتے تھے، خاص طور پر شیخ عبدالولی ابن محمد علی اندجانی خطیب جامع ازبکستان اچھے وسیع المطالعہ عالم تھے، اور عربی پر قدرت رکھتے تھے۔

مسجد میں میں نے پہلے عربی میں ایک مفصل تقریر کی جس میں اس گوہر گم گشتہ کی بازیابی پر مسرت کا اظہار کیا جس کے اسلام کے خزانہ میں دوبارہ آنے سے امیدیں تقریباً منقطع ہو گئی تھیں، کوئی آج سے چند سال پہلے اس پیش گوئی کا جرءت نہیں کر سکتا تھا کہ روس میں ایسا انقلاب رونما ہوگا، اور اسلام پھر زندہ اور آزاد ہوگا، پھر عرض کیا گیا کہ یہ جہاں ایک بڑی نعمت ہے، وہاں ایک بڑی ذمہ داری اور امتحان بھی ہے، خدا کرے ہمارے یہ علمائے کرام اور مسلمانوں کے رہنما اس سے پورا فائدہ اُٹھا اور پہونچا سکیں اس سلسلہ میں کچھ مشورے بھی پیش کئے گئے، شیخ عبدالولی نے بھی عربی میں اچھی تقریر کی، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ خاکسار راقم کی متعدد کتابیں پڑھ چکے ہیں، جن میں روائع اقبال (نقوش اقبال) اُن کو خاص طور پر عزیز ہے، اور "قصص النبیین للاطفال" تو وہاں بہت سے مدارس میں رائج اور داخل نصاب ہے، اور وہ بچوں اور بچیوں کی بڑی ضرورت پوری کرتی ہے، یہ سب حضرات بڑی گرم جوشی اور دینی محبت اور علمی مناسبت کے ساتھ ملے، وہ یہاں آکر بہت خوش معلوم ہوتے تھے، انھوں نے یہاں کی مختلف مجالس اور شعبوں کو دیکھا اور نصاب سے بھی واقفیت پیدا کی۔

www.abulhasanalinadwi.org

اگلے دن دارالعلوم کے عباسیہ ہال میں ان کے خیر مقدم اور استقبال میں ایک بڑا جلسہ ہوا، ہال طلبہ، اساتذہ، جماعت تبلیغ کے افراد اور شہر کے شائقین اور سامعین سے بھرا ہوا تھا، عزیزی سید سلمان حسینی ندوی استاد دارالعلوم نے تمہیدی اور خیر مقدمی تقریر کی، اور ان کا استقبال کیا، راقم الحروف نے ایک مفصل تقریر کی جس میں اس انقلاب کی اہمیت و نزاکت پر روشنی ڈالی اور کہا کہ یہ ایک نعمت بھی ہے اور امتحان بھی "منحۃ ومحنۃ" نعمت ہونا تو ظاہر ہے کہ اسلام دوبارہ وہاں زندہ ہوا اور وہ کابوس اٹھ گیا جس نے مذہبی زندگی کو آزادانہ طریقہ پر گذارنے اور اسلام کے اجتماعی فرائض واحکام پر عمل کرنے اور اس کے شعائر کے اظہار کو روک رکھا تھا، لیکن یہ اس لحاظ سے ایک نازک امتحان بھی ہے کہ اگر اس (نسبتی) آزادی سے فائدہ اٹھانے، اپنی افادیت وضرورت اور اسلام کی قدر وقیمت کا ثبوت دینے، اور نئی نسل کو اسلامی تعلیمات سے واقف کرنے اور عہد حاضر اور روس کے جیسے ملک میں زندگی گذارنے اور اس کی تعمیر و ترقی بلکہ رہنمائی میں حصہ لینے کے قابل نہ بنایا، اور وہ اسلام کی تعلیمات، اس کے بنیادی اصولوں، اور وقت کے جائز اور صالح تقاضوں اور زمانہ کے مطالبات کے درمیان مطابقت نہ پیدا کر سکے، تو (خدانخواستہ) یہ دولت ہاتھ سے جا سکتی ہے۔

اس سلسلہ میں (اس مختصر وقت میں) دو باتوں پر زور دیا گیا، ایک عوام میں دینداری اور دینی شعور پیدا کرنے کی جد وجہد جو کسی ملک میں اسلام کے محفوظ رہنے کے لئے ایک مضبوط اونچی فصیل کا کام دیتی ہے، اور اسلام کے بقا کی ضامن ہے، اس سلسلہ میں مولانا محمد الیاسؒ کی تحریک اور تبلیغی جماعت کی کارگزاری کا ذکر کیا گیا، دوسرے جدید نسل کا اسلام پر علمی وعقلی طور پر مطمئن ہونا اور یہ عقیدہ کہ اسلام نہ صرف یہ کہ ہر زمانہ کا ساتھ دے سکتا ہے، بلکہ

www.abulhasanalinadwi.org

اس کی قیادت کر سکتا ہے، یہ اعتماد اگر جدید نسل اور نئے طبقہ میں نہ پیدا ہوا تو وہ بہت سے لوگوں کی طرح یہ کہنے لگیں گے کہ اسلام نے اس پسماندہ تاریخی دور میں جس میں علم نے کوئی بڑی ترقی نہیں کی تھی، نئے انکشافات اور طبعی قوتوں کے تسخیر کا کام نہیں ہوا تھا، ایک اچھا کردار ادا کیا، اس نے کئی رسوم قبیحہ کا سدّباب کیا، اور اعتقادی و اخلاقی اصلاح کا فرض انجام دیا، لیکن وہ اس زمانہ میں کام نہیں دے سکتا جس میں سائنس، اقتصادیات، اجتماعیات، سیاسیات، اور علوم و فنون بہت آگے تک پہونچ گئے ہیں، اس لئے اب اس سے کام نہیں چل سکتا، یہ وہ خیال ہے جو مغربی تعلیم حاصل کرنے والے نوجوانوں کو اسلام سے مایوس کرتا ہے، اور ان کو ذہنی ارتداد کے راستہ پر ڈالتا ہے، یہ نقطہ روس جیسے ملک میں جس نے ابھی لادینی اشتمالی نظام (COMMUNISM) کے بوجھ سے نکل کر سر اٹھایا ہے، بہت اہمیت رکھتا ہے۔

شکریہ اور جوابی تقریر میں شیخ عبدالولی اندجانی خطیب جامع ازبکستان نے عربی میں ایک موزوں تقریر کی، اس میں بھی انھوں نے "قصص النبیین للاطفال" کا خصوصی ذکر کیا، اور بتایا کہ وہاں تعلیمی حلقوں میں مروّج اور مقبول ہے، جلسہ دعا پر ختم ہوا، عصر کی نماز کے بعد دارالعلوم کی مسجد میں کتاب سنائی جاتی ہے، اس دن جو کتاب پڑھی گئی، اس میں ایک فتح اندلس اور طارق کی دعا کا مضمون تھا، راقم خود نہیں سمجھ سکا کہ یہ کون سی کتاب ہے، لیکن شیخ عبدالولی نے مسجد سے نکلتے وقت کہا کہ یہ غالباً "روائع اقبال" کا مضمون تھا، پڑھنے والے طالب علم نے کہا کہ کتاب "نقوش اقبال" تھی، جو (روائع اقبال) کا (مولوی شمس تبریز صاحب کے قلم سے) اردو ترجمہ ہے، اس سے ان حضرات کے ذوق مطالعہ اور واقفیت کا اندازہ ہوا، جس کی خود ہندوستان کے بعض دینی و تدریسی حلقوں میں

www.abulhasanalinadwi.org

کمی محسوس ہوتی ہے، ۵ ار دسمبر کو شب میں شہر کے تبلیغی مرکز کے ایک جلسہ میں شرکت کے بعد وہ حضرات دہلی روانہ ہوگئے، جہاں وہ ایک دن گذار کر بمبئی اور بمبئی سے جدّہ عمرہ کے لئے روانہ ہوں گے۔

ایک غلط بیانی کی تصحیح اور وزیر اعظم کے نام خط کے اہم مندرجات

دسمبر ۱۹۹۰ء کے وسط میں راقم رائے بریلی میں تھا کہ ایک عزیز نے جو دہلی سے رائے بریلی آرہے تھے، بتایا کہ آج کے ٹائمز آف انڈیا (THE TIMES OF INDIA) کے پرچہ میں پہلے صفحہ پر بڑے نمایاں طریقہ پر آپ کا ذکر خیر ہے، آپ کی بڑی تعریف و توصیف کے بعد اور بیرونی ممالک میں بھی آپ کی جو شہرت و احترام ہے اس کا حوالہ دیتے ہوئے اور یہ لکھنے کے بعد کہ مولانا ہندوؤں کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے ہیں، اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نے موجودہ وزیر اعظم چندر شیکھر جی کو ایک ذاتی خط لکھا ہے، جس میں رام جنم بھومی بابری مسجد کے بارے میں خاص فارمولہ اور مسئلہ کا حل پیش کیا ہے، میں دیہات میں ہونے کی وجہ سے اس دن کا ٹائمز حاصل نہ کر سکا، لیکن کئی آنے جانے والوں سے اس کی تصدیق ہوئی، اس قضیہ اور اس کے حل کے بارے میں چونکہ فریقین کے احساسات بڑے تیز ہیں، پھر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی دہلی میں طلب کی ہوئی اس میٹنگ میں جو ۳ر دسمبر کو منعقد ہوئی تھی، اور اس میں غیر معمولی طور پر ممتاز علماء مندوبین اور ایکشن کمیٹی اور رابطہ کمیٹی کے ذمہ دار شریک ہوئے تھے، میں اگرچہ (ان اسباب کی بنا پر جن کی تفصیل پچھلے صفحات پر گزر چکی ہے) بذات خود شریک نہیں ہو سکا، لیکن میں اس کل ہند تنظیم کا صدر ہوں، اس کی منظور کی ہوئی تجویز کے بعد میری طرف اگر کوئی بات منسوب کی جاتی ہے، اور وہ

www.abulhasanalinadwi.org

شرعاً قابل قبول نہیں اور ملک کے موجودہ حالات اور آئندہ کے خطرات کو دیکھتے ہوئے مسئلہ کا کوئی معقول حل بھی نہیں ہے تو میرے لئے ضروری ہے کہ میں اس سے اپنے بے تعلقی کا اظہار کردوں، اور اس کی وضاحت کہ میں نے شخصی طور پر حکومت کے سامنے کوئی نیا فارمولہ نہیں پیش کیا کہ اس سے بے ضرورت غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

میرے اس تأثر و فکر کا علم میرے بعض عزیزوں و رفقاء کو ہوا اور انھوں نے اگلے ہی دن کے "قومی آواز" میں یہ مضمون شائع کردا دیا کہ مولانا نے چندر شیکھر جی کو وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر فائز ہونے کے بعد ذاتی خط ضرور لکھا تھا جس میں ان کو ملک کے مفاد میں اور موجودہ بحرانی فضا کو ختم کرنے اور ملک کو تعمیر و ترقی کے راستہ پر لگانے کے سلسلہ میں کچھ مشورے دیئے تھے، جیسا کہ انھوں نے تینوں پچھلے وزراء اعظم شریمتی اندراجی، راجیو جی، اور وی، پی سنگھ جی کو اپنے زمانۂ وزارتِ عظمیٰ میں خطوط لکھے تھے[1]، بعض لوگوں نے بتایا کہ "ٹائمز آف انڈیا" کی کسی اشاعت میں بھی اس کی وضاحت آگئی لیکن اس کی تحقیق نہ ہو سکی، اب چونکہ چندر شیکھر جی کے نام اس خط کا ذکر پریس میں آچکا ہے، اور اس ذاتی خط میں متعدد اہم نکات اور مخلصانہ مشورے آئے ہیں، جن کا حکومت کے ذمہ داروں اور ملک کے بہی خواہوں کا پیش نظر رکھنا مفید ہے، اس لئے اجمالی طور پر ان کا تذکرہ کرنا (ایک تاریخی دستاویز کے طور پر) مفید اور برمحل معلوم ہوتا ہے۔

راقم نے چندر شیکھر جی کو ان کے اس اہم منصب پر فائز ہونے اور ملک کی

---

[1] ان خطوط کا تذکرہ اور ان کے مشتملات "کاروانِ زندگی" کے حصۂ سوم اور اس حصۂ چہارم کے پچھلے صفحات میں ان کا ذکر اور ان کے اہم نکات آچکے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

خدمت اس کی حفاظت و ترقی کے اس مؤثر ذریعہ اور موقع کے حصول پر مبارک باد پیش کی، اور انہی کے لفظوں کو دہرایا کہ "میں ایک ایسے موقعہ پر یہ ذمہ داری سنبھال رہا ہوں جب ملک "قعرِ مذلت" میں گر گیا ہے" میں نے اس صورت حال کی نزاکت اور ملک کی اس تاریخی آزمائش سے عہدہ برآ ہونے اور ملک کو اس خطرہ سے نکالنے کے لئے جو اس کے سر پر منڈلا رہا ہے، ان کے سامنے چار نکات رکھے، جن کی طرف میں پہلے بھی وزرائے اعظم کے نام کے خطوط میں اور "پیامِ انسانیت" کے مقالات اور تقریروں میں اشارہ کرتا رہا ہوں۔

۱۔ انسانی اخلاقی اور سچی حُبّ الوطنی کی بنیاد رابطۂ عوام (MASS CONTACT) کی کوشش ہے، جس میں فرقہ وارانہ رواداری، احترامِ انسانیت اور بقائے باہم (CO-EXISTENCE) کی اپیل کی جائے یہ تحریک اور کوشش شہروں کے ساتھ قصبات، دیہاتوں اور گھر گھر پھیلائی جائے اور پوری سرگرمی اور طاقت کے ساتھ چلائی جائے۔

۲۔ فرقہ وارانہ منافرت کا زہر ایک دوسرے کی طرف سے غلط فہمیاں اور بدگمانیاں غیر ملکی حکمرانوں نے منصوبہ بند طریقہ پر پھیلائیں اور بقول ایک انگریز مؤرخ و مصنّف کے کہ "ہم نے اس تاریخی کتاب میں ایسا مواد جمع کر دیا ہے کہ اب ہندوؤں اور مسلمانوں کے دل کبھی مل نہیں سکتے"[1] پھر تنگ نظر اور غلط اندیش تاریخ نویسوں اور نصابِ تعلیم مرتّب کرنے والے مصنّفین اور محکمۂ تعلیم نے اس کام کو آگے بڑھایا اور اسی روش پر چلے اس کا نتیجہ ہے کہ ہماری نئی نسل اور تعلیم یافتہ طبقہ کا ذہن ہندوستان کے سابق حکمرانوں بلکہ ملک کی سب سے بڑی اقلّیت مسلمانوں کے بارے میں غلط تصوّرات بلکہ معاندانہ جذبہ

---

[1] ELLIOT

رکھنا ہے، اور وہ زہر ان کی پوری زندگی اور کردار میں سرایت کر گیا ہے، ضرورت ہے کہ نصاب تعلیم کی فوراً اصلاح کی جائے، نصابی تاریخی کتابوں اور مضامین سے یہ مواد نکالا جائے، اس کے بغیر صاف ذہن کی نئی نسل تیار نہیں ہو سکتی، جس کی اس ملک کو ضرورت ہے۔

۳۔ ہندوستان کا پریس حتیٰ کہ "ذرائع ابلاغ" (PUBLIC MEDIA) خبریں دینے اور تبصرہ کرنے میں اکثر غیر ذمہ دارانہ روش اختیار کرتے ہیں، اور ان کی وجہ سے پبلک کا ذہن متاثر بلکہ مشتعل ہوتا ہے، اور بجائے قرب و اعتماد حاصل ہونے کے نفرت و حقارت اور انتقامی جذبہ پیدا ہوتا ہے، وہ رائے کا پربت بناتے ہیں، اور واقعہ کی یکطرفہ تصویر دکھاتے ہیں، جب تک پریس اور ذرائع ابلاغ پر قابو نہیں پایا جائے گا اور ان کا صحیح استعمال نہیں ہوگا، ملک کی آبادی کے مختلف عناصر کی یہ دُوری اور ایک دوسرے کے خلاف بداندیشی اور بدگمانی دور نہیں ہوگی۔

۴۔ انگریزوں نے (چونکہ وہ سات سمندر پار سے آکر اس ملک پر حکومت کر رہے تھے، جن کا اُن کو کوئی استحقاق نہ تھا اور وہ اپنی حکومت کو صرف خوف و رُعب کے ذریعہ قائم رکھ سکتے تھے، انھوں نے) پولیس کی شکل میں ایک ایجنسی قائم کی جو لوگوں پر حکومت کا خوف اور رعب قائم کر سکے، اور وہ ہمیشہ اس سے لرزہ براندام رہیں، اور اپنی عزت و عافیت کی خیر منائیں، انھوں نے نہ صرف اس میں کام کرنے والوں کی اخلاقی تربیت سے اعراض کیا بلکہ اس کو اس کے برعکس ایسی تعلیم دی اور اسی کو اس کی کامیابی کا معیار قرار دیا کہ جس سے ہر شریف آدمی اور باعزت انسان ڈرتا ہے۔

جب خود ہندوستانی اور اہلِ ملک، ملک کی حکومت و انتظامیہ پر فائز ہیں تو

www.abulhasanalinadwi.org

اُن کو پولیس کی انسانی اخلاقی تربیت کرنی چاہیئے، ان میں خدمت و اعانت و ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنا چاہیئے، اور پولیس کو ایک ایسے شریفانہ ادارہ اور ہمدرد انسان اور اپنے ہم وطنوں کے خادم کی شکل میں تبدیل کر دینے کی کوشش کرنا چاہیئے کہ لوگوں کا ان کے بارے میں تصور و تأثر بدل لے، اور وہ ان کو اپنا محافظ و معاون سمجھیں، اُن کے دائرۂ اثر میں کوئی فرقہ کسی فرقہ کے ساتھ کوئی فرد کسی فرد کے ساتھ زیادتی نہ کر سکے اور وہ فرقہ وارانہ فسادات اور ظلم و تعدّی کے راستہ میں (خواہ وہ کسی فریق کی طرف سے ہو) سدِّ سکندری بن جائیں۔

۵۔ اس کے ساتھ مسلمانوں کے پرسنل لا میں مداخلت اور کسی ایسے اقدام اور قانون سازی کے خلاف بھی آگاہی دی گئی جس کو مسلمان اپنے دین میں مداخلت اور دستور ہند کی دی ہوئی آزادی کی تنسیخ کے مرادف سمجھیں، اس سلسلہ میں راجیو جی کے زمانہ میں نفقۂ مطلّقہ کے سلسلہ میں سپریم کورٹ کے فیصلہ اور اس کی مخالفت میں مسلمانوں کے ملک گیر احتجاج اور پارلیمنٹ کی طرف سے بل پاس ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا اور یہ مشورہ دیا گیا کہ آئندہ بھی کسی انتہا پسند فریق کے اثر میں آ کر کوئی ایسی غلطی نہ کی جائے جس سے ہندوستان کے مسلمانوں میں جو اپنے مذہب اور اس کے قانون (شریعت) کے بارے میں بہت زیادہ حسّاس اور غیور واقع ہوئے ہیں، کوئی سخت ردِّ عمل پیدا ہو۔

۶۔ اس کے ساتھ پھر وہ بات دُہرائی گئی جو اندرا جی و راجیو جی کے خطوط اور اپنے مضامین اور تقریروں میں بہت طاقت اور صفائی سے کہی گئی تھی کہ تاریخ ایک سویا ہوا شیر ہے اس کو جگانا نہیں چاہیئے، اس کے پاس سے خاموشی سے نکل جانا چاہیئے، تاریخ کو اُلٹا سفر کرانا اور ماضی کے گڑے ہوئے مردوں کو جو صدیوں سے سوئے ہوئے ہیں،

www.abulhasanalinadwi.org

اکھاڑنے کی کوشش کرنا، (عبادت گاہوں کی تبدیلی وغیرہ) کوئی عاقلانہ فعل نہیں ہے، اور اس وقت ملک کو جن حقائق اور مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اس میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، اس سے ملک نئی نئی مشکلات اور غیر ضروری نزاعات میں پڑ جائے گا، اور وہ ترقی پذیر زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکے گا۔

خط کے یہ مشتملات اور نکات (جس میں لفظی ترجمہ کی پابندی نہیں کی گئی ہے) اس لئے بھی کتاب میں شامل کئے جارہے ہیں کہ وہ آئندہ کے ذمہ داروں، ملک کے قائدین اور حکومت و انتظامیہ کے منصب پر فائز ہونے والوں کے لئے ایک مفید یادداشت اور ایک مخلصانہ مشورہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اور ایک شخص جو حکومت و انتظامیہ سے براہ راست کوئی تعلق نہیں رکھتا اور مذہب اور تاریخ کا طالب علم ہے، اور اس کے ساتھ ملک کا خیر خواہ اور اس کی ترقی کا آرزومند بھی، اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔

www.abulhasanalinadwi.org

INDEX

(اشاریہ)

"کاروانِ زندگی حصۂ چہارم"

مرتبہ

محمد غیاث الدین ندوی

www.abulhasanalinadwi.org

شخصیات

(الف)

(حضرت) ابوبکر الصدّیقؓ ۶۸، ۱۶۸
(حضرت) ابوایوب انصاریؓ ۹۰، ۱۰۱
(سید) ابراہیم حسنی ۹۲، ۱۶۵
(سید) ابراہیم ندوی ۹۱
(شیخ) ابراہیم امین قودہ ۱۶۹، ۱۷۰
ابرہہ ۱۹، ۲۸۰
ابلیس = شیطان
(شیخ الاسلام حافظ) ابن تیمیہؒ ۲۲۴
(امام) ابن شہاب زہری ۱۷۳
(استاذ) ابن عبدالحکم ۳۹۷
(مولانا سید) ابوالاعلیٰ مودودی ۳۹۲
ابوبکر جومی ۲۹۸
(مولانا سید) ابوبکر حسنی ۳۳۰
(استاذ) ابوبکر القادری المراکشی ۲۹۸
(شیخ) ابوالجناب نجم الدین کبریٰ ۳۲۷
ابوجہل ۳۰۰
(مولانا سید) ابوالحسن علی ندوی (علی میاں)
۱۶، ۱۹۷ـ۱۹۴، ۳۳۷، ۳۴۳ـ۳۴۰
(مولانا سید) ابوالخیر برق ۳۲۴
(مولانا قاضی) ابوالسعود بنگلوری ۲۲۱
(مولانا) ابوالعرفان خاں ندوی ۳۷، ۳۴۷
(مولانا) ابوالکلام آزاد ۱۷۸ــ۱۷۵
۲۳۷، ۳۶۱
(مولانا) ابواللیث اصلاحی ندوی
۳۸۹، ۳۹۰
(مولانا) ابوالمحاسن محمد سجّاد ۸۵
(مسٹر) اٹل بہاری باجپئی ۳۵۵، ۳۶۴
(مسٹر) اپندرناتھ بنرجی ۲۳۲
(مسٹر) اپیندر باجپئی ۱۹۴، ۱۹۷
(مسٹر) اجیت سنگھ ۳۳۴
(مولوی) احتشام علی ندوی ۲۶۵
(امیر) احمد ۱۶۸
(استاذ) احمد براء الأمیری ۳۸۸، ۳۸۹
(سید) احمد الحسنی ۱۶۶، ۱۶۴
(ڈاکٹر سید) احمد الحسنی ندوی ۳۱۸
۳۲۱، ۳۲۳
(شیخ) احمد خلیفہ السویدی ۴۱، ۴۳، ۴۸
(سید) احمد سعید ۱۶۳
(حضرت سید) احمد شہیدؒ ۱۱۶، ۱۲۸، ۱۶۲
۱۶۵، ۳۰۴، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۳، ۳۳۴
(شیخ) احمد عبدالعزیز المبارک (قاضی القضاۃ)
۴۲
(سید) احمد علی حسنی ۹۲

www.abulhasanalinadwi.org

(شیخ مولانا) احمد علی لاہوری ۲۰۳
(استاذ) احمد محرّم ۲۱
(خواجہ) احمد فاروقی ۳۴، ۳۲۲
(استاذ) احمد محمد جمال ۲۳، ۳۶، ۳۰۵، ۳۲۲
(مولانا سید) احمد ہاشمی ۳۴۷
(مولانا) اخلاق حسین قاسمی ۳۴۷
ادیب لکھنوی (محمد احمد) ۱۹۷، ۲۳۲، ۲۳۴
آرنلڈ (T. W. ARNOLD) ۳۰۲
آرنلڈ ٹائنبی (ARNOLD TOYNBEE) ۹۷
(مسٹر) ارون شوری ۳۳۹
(مسٹر) ارون کمار سنگھ ۲۳۴، ۲۳۵
(سید) اسحاق حسنی ۱۶۵
(مولانا) اسرار الحق قاسمی ۳۷۵
(مولانا سید) اسعد مدنی ۳۴۷، ۳۷۵
(حضرت) اسماعیل بن جعفر الصادق ۳۳۸
(سید) اسماعیل حسنی ۱۶۵
(مسٹر) آس محمد انصاری ۳۴۰، ۳۴۱
(پروفیسر) اسمتھ ۲۰۷
(سید) اشرف الدین ۴۱، ۱۰۵، ۳۱۴
(مولوی) اشرف علی بنگلوری ۲۲۱، ۳۴۷
(ماسٹر) اشفاق احمد ۲۹۳
(انجینیر) اشفاق حسین ۳۸، ۳۱۴
(مسٹر) اشوک سین ۳۷۸
(نواب) آصف جاہ ثالث (سکندر جاہ بہادر) ۱۱۹
(جسٹس) افضل چیمہ ۳۰۳
(مولانا) افضل حسین ۸۲
(حکیم) افہام اللہ ۳۹۴
(علامہ) اقبال ۸۷، ۱۱۲، ۱۱۸، ۱۲۵، ۱۷۰، ۱۷۴، ۲۴۲، ۲۵۲، ۲۶۰، ۲۷۷، ۲۷۹، ۲۸۰، ۳۰۷، ۳۸۹
(مولوی) اقبال احمد اعظمی ۲۶۹
(لسان العصر) اکبر الہ آبادی ۱۱۸
(خواجہ) الطاف حسین حالی ۱۱۸، ۳۰۷
(سیدہ) آمتہ اللہ تسنیم ۳۲۱
(مولوی) امتیاز احمد ندوی ۳۱۸
(شریمتی) اندرا گاندھی ۳۲، ۱۵۹، ۱۹۶، ۳۷۰، ۴۰۴، ۴۰۷
(مولانا) انعام الحسن کاندھلوی ۳۵۰
انیس چشتی ۱۳۵، ۱۸۴، ۱۹۷، ۲۳۲، ۲۳۳
(سلطان) اورنگ زیب عالمگیر ۲۴، ۲۵، ۲۸۵
اوما بھارتی ۳۸۵
(مسٹر) ایڈوانی دیکھئے لال کرشن

(ب)

(شہنشاہ) بابر ۳۴، ۳۳۹، ۳۴۳، ۴۰۰
(مسٹر) باڈن ہیمر (E. BODENHEIMER) ۷۶
(مولوی سید) بدر الحسن قاسمی ۹۲
(جسٹس) برجیش کمار ۳۴۱
(بابا) برسا سنگھ (سکھ سنت) ۱۹۶
(استاد) برہان الدین ربّانی ۲۹۶
بشمبر ناتھ پانڈے دیکھئے وشمبر ناتھ

www.abulhasanalinadwi.org

(مسٹر) بوٹا سنگھ (وزیر) ۱۴۸

(شاہ) بوسلاس ۱۱۰

(ڈاکٹر) بیگ ۱۴۵

(شاہ) بیلا ۱۱۰

(مسٹر) بی۔ این پانڈے ۲۳۴

(گورنر) بی، ستیہ نرائن ریڈی ۱۷۶

پ

(مولانا) پاریکھ دیکھئے عبدالکریم

(شری) پرم اچاریہ جی (شنکراچاریہ) ۲۰۱، ۲۰۳

(شری) پری پورنانند جی ۳۸۴، ۳۸۵

(مسٹر) پینت جی ۲۶۰

(مسٹر) پی۔ این ہکسر ۱۹۶

ت ٹ ث

(جسٹس) تارکنڈے ۱۹۶

(ڈاکٹر) تحسین فراقی ۱۱۵، ۱۱۸

(مولانا) تقی الدین ندوی ۴۱، ۴۳، ۴۷

(شیخ) تقی الدین الہلالی المراکشی ۳۹۰، ۳۹۱

(سلطان) ٹیپو شہید ۱۱۶، ۳۸۵

ثاقب لکھنوی ۳۲۴

ج چ

(شیخ الازہر) جاد الحق علی جاد الحق ۲۹۶
۲۹۷، ۳۰۱

(مسٹر) جارج فرنانڈیز ۳۶۹، ۳۷۰

(پروفیسر) جان ولیم ڈریپر ۱۰۹، ۱۱۰

(مسٹر) جسٹینین (JUSTINIAN) ۱۱۰

(میر) جعفر شریف ۱۹۶، ۲۳۳، ۲۳۵

(مولوی سید) جعفر مسعود حسنی ندوی ۲۹۲

(مسٹر) جگدیش بھلا ۳۴۱

(مسٹر) جگ موہن ۲۰۵، ۲۱۶، ۲۱۷

(سید) جمیل الدین ۵۴

(مسٹر) جناح ۲۳۷

(پنڈت) جواہر لال نہرو ۱۹۰، ۲۳۷

(میجر) جی، ایس ورک ۱۴۴

(شری) جے پرکاش نرائن ۱۸۳

(شری) چندر شیکھر جی ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۶۵،
۳۷۰ ـ ۳۷۲، ۴۰۳، ۴۰۴

چنگیز خان ۱۱۰

(جسٹس) ایچ، آر کھنا ۱۹۶

ح

(حضرت) حسن بن علی رضی اللہ عنہما ۳۲، ۴۶

(حضرت) حسین بن علی رضی اللہ عنہما ۳۲

(سید) حامد ۸۸

(استاذ) حسن الأمرانی المراکشی ۳۸، ۹۲، ۲۷۰، ۲۸۸

(شیخ) حسن حبنکہ ۳۶

(الملک) حسن الثانی ۲۸۸

(خواجہ) حسن نظامی ثانی ۳۴۷

(سید) حسن عسکری طارق ۲۹۵، ۳۴۷، ۳۵۰

(الملک) حسین ۱۶۸

(شیخ الاسلام) حسین احمد مدنی ۲۰۳، ۲۶۱

(مولانا) حسین آزاد ۲۶۷، ۲۶۸

www.abulhasanalinadwi.org

(مسٹر) حسین امین ۱۳۶
(مولانا) حفظ الرحمٰن سیوہاروی ۲۳۸، ۲۵۷، ۲۵۹، ۳۷۴
حفیظ جالندھری (شاعر) ۲۳۸
(مولوی سید) حمزہ حسنی ندوی ۳۱۸
(سید) حمید الدین ۱۶۳
(مولانا) حمید الدین عاقل حسامی ۳۴۷
(ڈاکٹر) حمید اللہ حیدرآبادی ۲۷۰
(استاذ) حیدر غدیرہ ۳۸۸، ۳۸۹

(خ)

(ام المؤمنین حضرت) خدیجۃ الکبریٰ ؓ ۶۸
(شیخ) خالد علی رضا زینل ۱۶۸، ۱۶۹، ۳۰۶، ۳۱۴
خدا بخش ۱۸۸
(پروفیسر) خلیق احمد نظامی ۳۳، ۱۰۵، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۸، ۲۸۹، ۳۱۹، ۳۲۲، ۳۲۳
خلیل احمد پرتاب گڑھی ۱۹۷
(شیخ) خلیل بن محمد عرب ۲۰۴
(شیخ) خواجگی دیکھئے شمس الدین ملتانی
خوارزم شاہ ۳۰۲
(سیدہ) خیر النساء ۳۲۴

(د) (ڈ) (ذ)

(شری) داؤجی گپتا ۲۳۴، ۳۱۶
(مسٹر) دیوان سنگھ رندھاوا ۳۴۱
(مسٹر) ڈلوک ہیتری ۱۱۰
ڈینیسن (J. H. DENSION) ۱۰۸، ۱۰۹
(ڈاکٹر) ذاکر حسین خاں (صدر جمہوریہ ہند) ۳۳، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۴۰

(ر) (ز)

رابرٹ بری فالٹ (ROBEST BRIFALLT) ۱۰۸
(شری) راج گوپال اچاریہ ۲۳۷
راجندر سنگھ (کمانڈنٹ) ۱۴۲، ۱۴۳
(شریمتی) راج ماتا سندھیا ۳۵۵، ۳۶۴
(مسٹر) راجیشور راؤ ۱۹۶
(شری) راجیو گاندھی ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۴۸-۱۵۰، ۱۶۰، ۲۱۰، ۳۶۹، ۳۷۸، ۴۰۴، ۴۰۷
(جسٹس) راما سوامی ۵۳
(شری) رام چندر جی ۱۳۳، ۳۷۳، ۳۷۵
(ڈاکٹر) رام چندر گاندھی ۱۹۶
(مسٹر) رام لعل ۳۸۶
(سید) رشید حسن ۳۳۵
(شیخ) رشید فارسی ۳۰۵
(مولانا) رضوان قاسمی ۳۴۷
(پروفیسر) روپ ریکھا ورما ۳۸۴، ۳۸۵
(شریمتی) رئیسہ (زوجہ گوربا چوف) ۲۴۹
(مولانا) ریاض الدین فاروقی ندوی ۲۱
(شری) ریوتی رمن سنگھ ۱۲۶
(شیخ) زائد آل نہیان ۴۱، ۴۸
(مولوی) زبیر احمد ندوی ۳۵۰
(مسٹر) زیڈ احمد ۲۳۴، ۲۳۵

www.abulhasanalinadwi.org

(س)

(شیخ) سالم عبداللہ علی المحمود ۴۲، ۴۴
(امام) سخاوی ۹۳
(مولوی) سراج الحسن (امیر جماعت اسلامی)
۸۲، ۳۴۷
(مسٹر) سروائی (H. M. SEERVAI) ۱۱۲
(مسٹر) سربیدر موہن ۱۹۶، ۲۲۴
۲۳۲، ۲۳۵
(مولانا) سعید احمد اکبر آبادی ۲۶۲
(مولانا) سعید الاعظمی ندوی ۳۸، ۹۱
۹۴، ۳۹۱
(مسٹر) سعید الحسن (وزیر) ۸۷
(شیخ) سعید لوتاہ ۴۵
(مولانا) سعید مسعودی (کشمیری) ۳۸۶
(شیخ) سلطان بن محمد قاسمی ۴۲، ۴۳، ۴۶
(مولوی) سلطان ذوق ۹۲
(امیر) سلمان ۱۶۸
(مولوی) سلمان حسینی ندوی ۸۸، ۳۸۷
۳۸۹، ۴۰۱
سلمان رشدی ۱۰۶، ۱۱۱، ۱۱۳، ۲۰۲
(علامہ سید) سلیمان ندوی ۲۳، ۲۳۸
۲۶۶
(شاہ) سلیمان (والی چترال) ۳۲۰
(مسٹر) سمپورنانند ۳۸۴
(مولانا) سمیع الحق ۳۰۴
(المشیر) سوار الذہب ۲۹۸
سید قطب شہید ۹۲، ۲۷۰
سیف الدین سوز ۱۹۶
(شیخ) سیف عزیر ۴۲، ۴۵، ۴۷
(مسٹر) سینٹر بلیک اسٹون ۱۱۲

(ش)

شاہد حسین ۳۸۰
شبیر بھائی نور الدین ۲۰۹
(علامہ) شبلی نعمانی ۸۲، ۹۵، ۱۱۸
(امیر) شکیب ارسلان ۹۷
(مسٹر) شکیل احمد انصاری ۳۴۰
(مولوی) شمس تبریز خاں ۴۰۲
شمس لکھنوی ۳۲۴
شمس الہدیٰ ندوی ۳۵۰
(شیخ) شمس الدین خواجگی عریضی ملتانی
۳۲۸، ۳۳۴، ۳۳۵
(مسٹر) شمس الرحمن فاروقی ۳۸۳
(شری) شنکراچاریہ مدراس ۱۹۹، ۲۸۵
۲۸۶، ۳۳۶، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۸
شیطان (ابلیس) ۳۹، ۱۲۵
(شریمتی) شیلا کول ۱۳۶
شیخ الازہر دیکھئے جاد الحق

(ص)

(حضرت) صدیق اکبرؓ دیکھئے ابوبکر الصدیقؓ
(شیخ) صالح اوزجان ترکی ۳۶

www.abulhasanalinadwi.org

(شیخ) صالح الحصیّن ۳۸

(شیخ) صالح المحویتی ۴۳

(مولانا سید) صباح الدین عبدالرحمٰن ۳۴۳، ۳۶۵

(جنرل) صدّام حسین ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۱۶

(مولانا قاری سید) صدیق احمد باندوی ۸۲، ۳۳۰، ۳۴۹

(سید) صدّیق حسن (آئی سی ایس) ۳۳۲، ۳۳۵

(سلطان) صلاح الدین ایوبی ۲۷۶

ض

(پروفیسر) ضیاء الحسن فاروقی ۳۳، ۲۹۳

(جنرل) ضیاء الحق شہید دیکھئے محمد ضیاء الحق

(مولانا) ضیاء الدین اصلاحی ۳۴، ۲۶۵، ۳۱۶، ۳۲۲

(شاعر طیبہ شیخ) ضیاء الدین صابونی ۹۲، ۳۰۵، ۳۲۲

ضیاء الرحمٰن انصاری (وزیر) ۳۳، ۱۷۶، ۳۱۶

ضیاء اللہ شریف ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۶

(سید شاہ) ضیاء النبی ۱۶۲

ط ظ

طارق (فاتح اندلس) ۴۰۲

(ڈاکٹر سید) طفیل احمد مدنی ۱۹۱، ۱۹۴

(سیّدہ) طیب النساء ۱۶۲

(مولانا) ظفر احمد انصاری ۳۰۴

(مولانا) ظفر علی خاں ۲۵

(مولانا مفتی) ظفیر الدین ۳۴۷

ع

(سیدنا حضرت) عیسیٰ علیہ السلام ۲۶۳

(حضرت) علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ۲۹، ۳۲، ۲۸۹

(حضرت) عمرو بن العاصؓ ۹۸، ۲۱۲

(حضرت) عمر بن عبدالعزیزؒ ۳۹۷

عارف محمد خاں ۲۰۸

(استاذ) عبدالباسط بدر ۳۷، ۹۲، ۹۵، ۳۰۸، ۳۰۹

عبدالجبار جلالی ۱۷۵

(ڈاکٹر) عبدالجلیل فریدی ۲۱۱

(ڈاکٹر) عبدالحق (بابائے اردو) ۲۳۸

(استاذ) عبدالحلیم عُوَیس ۳۲۲، ۳۲۳

(قاضی) عبدالحمید اندوری ۱۸۴، ۱۹۷، ۲۳۲، ۲۳۳

(الحاج) عبدالحمید تورولی ۳۰۹

(مولانا حکیم سید) عبدالحی حسنی ۱۶۲، ۲۶۴، ۳۲۳، ۳۲۸، ۳۳۹، ۳۴۲

(سردار) عبدالرب نشتر ۲۳۷

(شیخ) عبدرب الرسول سیّاف (وزیر) ۲۹۶، ۲۹۷

(مسٹر) عبدالرحمٰن انتولے ۱۹۶

(شیخ) عبدالرحمٰن حبنّکہ ۳۶، ۳۰۵

(حکیم) عبدالرحیم اشرف ۳۰۳

www.abulhasanalinadwi.org

عبدالرحیم فرنگلی (ایڈوکیٹ) ۲۰۹
(سید) عبدالرزاق جیلانی ۳۲۷
(حاجی) عبدالرزاق نصیر آبادی ۲۰۱، ۲۱۸
۲۲۱، ۳۴۶، ۳۵۰، ۳۵۵، ۳۸۰
(منشی سید) عبدالرزاق کلامی ۱۶۲
(الحاج) عبدالرشید ۳۰۸
(شیخ) عبدالستار ۲۰۹
(مولانا) عبدالسلام قدوائی ندوی ۲۰۶، ۳۹۰
(شاہ) عبدالعزیز دہلوی ۱۱۶
(شیخ) عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز ۲۹۶، ۲۹۷، ۳۰۱
(شیخ) عبدالعزیز العلی المطوّع ۱۰۵
(شیخ) عبدالعزیز فالح ۳۰۸
(ڈاکٹر سید) عبدالعلی حسنی ۲۶۶
(مولانا) عبدالغفار ندوی ۸۲
(مولوی) عبدالغفور شرر ندوی ۲۶۵، ۲۶۶
(شیخ) عبدالغنی نوروَلی ۲۰۵، ۲۰۶
(سرشیخ) عبدالقادر ۲۳۸
(حکیم الاسلام) عبدالقادر جیلانی ۲۵۵، ۳۲۷
(مولانا شاہ) عبدالقادر رائے پوری ۲۰۳، ۳۵۱
۳۶۱، ۳۹۲
(شیخ) عبدالقدوس ابوصالح ۳۸، ۹۲
(مولانا) عبدالکریم پاریکھ ۵۴، ۶۴، ۱۱۴، ۱۳۵
۱۳۷، ۱۸۴، ۱۹۴، ۱۹۶، ۱۹۷، ۲۰۰، ۲۰۱
۲۰۴، ۲۰۹، ۳۲۶، ۲۲۷، ۲۳۳، ۲۸۵
۲۸۶، ۲۹۳، ۳۰۶، ۳۳۶، ۳۴۴، ۳۴۷
۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۲، ۳۶۰، ۳۸۰

(شیخ) عبداللہ ابراہیم الانصاری ۱۲۶، ۱۲۷
(امام) عبداللہ بخاری ۳۳۸
عبداللہ بن ادریس (شاعر) ۹۲
(مولوی) عبداللہ حسنی ندوی ۳۲۹، ۳۹۳
(مولانا ڈاکٹر) عبداللہ عباس ندوی ۳۲، ۳۶
۳۸، ۶۷، ۱۸۱، ۱۹۷، ۲۹۰، ۲۹۵، ۳۰۴
۳۰۵، ۳۲۲، ۳۴۶
(شیخ) عبداللہ عبدالمحسن ترکی ۱۰۵، ۱۶۸
۲۸۹، ۲۹۱
(شیخ) عبداللہ علی المصقر ۳۹، ۱۷۱
(شیخ) عبداللہ علی المحمود ۴۲
(شیخ) عبداللہ العلی المطوّع ۲۹۸
(شیخ) عبداللہ عمر نصیف ۱۰۵، ۱۶۸، ۱۶۹
۲۸۹، ۲۹۱، ۲۹۷، ۳۰۰
عبداللطیف جونپوری ۳۰۶
(مولانا) عبدالماجد دریابادی ۱۸۰، ۲۷۰
(مولوی) عبدالملک مرادآبادی ۳۰۹
عبدالمنان ۱۹۷
(سید) عبدالمنان حیدرآبادی ۱۱۵
(شیخ) عبدالمنعم النمر ۱۷۶
(مولوی) عبدالنور ندوی (نور عظیم) ۹۱، ۹۵
۳۱۶، ۳۲۵، ۳۹۱
(مولانا) عبدالوحید فتحپوری ۳۳۰
(شیخ) عبدالولی ابن محمد علی اندجانی ۴۰۰، ۴۰۲
(مولانا) عبدالوہاب خلجی ۳۱۶، ۳۲۲، ۳۴۷

www.abulhasanalinadwi.org

(شیخ) عبدالوہاب نجّار ۲۶۳
(مولانا) عبیداللہ بلیاوی ۶۸، ۶۹
(مولانا مفتی) عتیق الرحمٰن عثمانی ۲۶۲، ۳۹۱
(حافظ) عتیق الرحمٰن ۳۱۵
عثمان ذکی (شاعر) ۹۲
(میر) عثمان علی خاں (نظام دکن) ۱۱۸
عزیز الرحمٰن بجنوری ۳۷۵
(راؤ) عطاء الرحمٰن خاں ۳۵۰
(شیخ) علاء الدین حسینی جیبوری ۳۲۸
(سلطان) علاء الدین خلجی ۲۴
(ڈاکٹر) علی رضا عدنان نحوی ۲۱، ۲۳، ۱۱۵
علی سردار جعفری ۳۸۴
(شیخ) علی طنطاوی ۲۵
علی محمد خسرو (سابق وائس چانسلر) ۱۱۹
(مولانا) علی میاں دیکھئے ابوالحسن علی ندوی
(ڈاکٹر) علیم الرحمٰن ۱۴۵
(استاذ) علی نار ترکی ۹۱
(شیخ) عماد الدین خطیب ۲۰۱
(مولوی سید) عمار عبدالعلی حسنی ندوی ۱۶۵
(سلطان) عنبر ۲۴

غ

(مولانا) غلام رسول ۳۰۵
غلام محمد انجینیر حیدرآبادی ۹۱، ۱۰۴، ۱۰۵
غلام محمد ٹبنی (محمد بھائی) ۲۱، ۲۱۷، ۲۲۱، ۲۲۷
(خلیفہ) غلام محمد بھاولپوری ۲۰۳
(سید) غلام محی الدین ۱۷۵

ف

(ڈاکٹر) فاروق عبداللہ ۲۱۶
(حکیم سید) فخر الدین خیالی ۳۲۳
(ڈاکٹر) فرحان احمد نظامی ۱۶۹، ۲۸۹، ۲۹۰
(پروفیسر) ف۔ عبدالرحیم ۳۰۹
(راؤ) فضل الرحمٰن خاں ۳۵۱
فضل عظیم مرادآبادی ۳۰۵
(شیخ) فواد صادق مفتی ۲۹۳، ۳۴۶
(الملک) فہد بن عبدالعزیز ۱۶۷، ۱۶۸
(شیخ) فیصل بن سلطان قاسمی ۴۳
(الملک) فیصل بن عبدالعزیز ۱۶۶

ق

(قاری) قاسم ۲۰۴
قطب شہید دیکھئے سید قطب
(شیخ الاسلام سید) قطب الدین محمد الحسنی مدنی ۳۲۷-۲۹، ۳۳۴
(استاذ) قطب الدین حکمت یار ۲۹۶
(مولانا) قمر الزماں الہ آبادی ۳۳۰

ک گ

(گورنر) کرشن کانت جی ۱۹۹، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۸۵، ۳۴۴، ۳۴۶، ۳۵۴، ۳۵۹، ۳۶۰
(سردار) کرم جیت سنگھ ۳۸۴، ۳۸۶
(سید) کلب صادق ۳۴۷، ۳۶۰

www.abulhasanalinadwi.org

(مسٹر) کھیڑا ۲۰۵، ۲۰۶
(مسٹر) کے۔ این جھا (ضلع مجسٹریٹ) ۱۴۱
(مسٹر) کے ایس دویدی (سپرنٹنڈنٹ) ۱۴۱
(جسٹس) کے سی بھارگوا ۳۴۱
(مہاتما) گاندھی جی ۱۵۷، ۱۸۳، ۱۹۶، ۳۵۸
گورباچوف دیکھئے میخائل گوربا
(میر نواب) گوہر علی خاں (مبارز الدولہ بہادر)
۱۱۶
(پروفیسر) گیان چند جین ۳۸۳، ۳۸۶

ل

(پروفیسر) لاسکی ۷۱
(مسٹر) لال کرشن ایڈوانی ۳۵۵، ۳۶۴
(مولوی سید) لقمان ندوی ۳۰۹
(نواب زادہ) لیاقت علی خاں ۲۳۷

م

(سیدنا ونبینا حضرت) محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم ۲۰، ۲۲، ۲۴، ۳۱، ۵۰، ۶۱
۶۸، ۱۰۱، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۷۱، ۱۷۳، ۲۰۲
۲۶۳، ۲۷۲، ۳۱۴، ۳۲۷، ۳۳۳، ۳۹۷
(حضرت) معاویہ بن ابی سفیانؓ ۴۶
(مولانا) مجاہد الاسلام قاسمی ۱۱۸، ۲۲۰
۲۲۱، ۲۲۵، ۳۴۷
(حضرت) مجدد الف ثانی (احمد سرہندی) ۱۲۸
(استاذ) محب الدین خطیب ۲۱
(شیخ) محسن احمد باروم ۳۶، ۳۰۵

(حافظ) محمد ابراہیم بجنوری ۳۷۴، ۳۷۵
(مولوی) محمد اجمل اصلاحی ندوی ۳۰۹
(مولانا) محمد احمد پرتاپگڑھی ۳۴۹
(سید) محمد احمد کاظمی ۲۶۱
محمد اسحاق کانپوری ۷۴، ۳۷۷
(ڈاکٹر) محمد اسد (سابق لیوپولڈ ویس) ۲۳۸
(ڈاکٹر) محمد اشتیاق حسین قریشی ۶۳، ۷۴،
۸۱، ۸۸، ۳۸۰
(پروفیسر مولانا) محمد اشرف سلیمانی ۲۲، ۲۳
(ڈاکٹر) محمد آصف قدوائی ۶۹، ۷۰
محمد اعظم خاں (وزیر) ۱۷۶، ۱۸۱، ۳۱۶
(مولانا) محمد اعلیٰ تھانوی ۱۷۰
(صوفی) محمد اقبال ۳۰۸، ۳۰۹
(حضرت مولانا) محمد الیاس کاندھلوی ۱۰۴
(مولانا) محمد اویس نگرامی ندوی ۳۲، ۳۹۰
محمد بھائی دیکھئے غلام محمد ٹنٹی
(جسٹس مولانا) محمد تقی عثمانی ۳۴، ۲۲۰، ۲۲۲
۲۹۸، ۳۰۳، ۳۰۴
(مولانا) محمد ثانی حسنی ۳۱۷، ۳۲۴
(استاد) محمد حسن بریغش ۲۱، ۲۳، ۳۸، ۹۵
(مولانا سید) محمد الحسنی ۱۶۵
(مولانا سید) محمد رابع حسنی ندوی ۲۱، ۳۵
۳۸، ۶۷، ۹۱، ۹۵، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۱۳-۱۵
۱۶۷، ۲۰۶، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۳، ۳۰۱، ۳۰۶
۳۱۶، ۳۱۸، ۳۲۳، ۳۲۹، ۳۹۹

www.abulhasanalinadwi.org

(مولانا) محمد رضوان قاسمی ۶۵

(مولانا مفتی) محمد رفیع عثمانی ۲۲۰، ۲۲۵

(مولانا) محمد زکریا سہارنپوری (شیخ الحدیث) ۱۶۳، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۵۱، ۳۹۲

(مولانا) محمد سالم قاسمی ۳۴۷، ۳۵۲

(مولوی سید) محمد سالم ہنسوی ۳۲۹

(شیخ) محمد سرور الصبّان ۶۶، ۱۶۹

(مولانا مفتی) محمد سعید ۱۹۶، ۱۹۸

(استاذ) محمد السیّد الوکیل ۳۰۹

(مولانا) محمد شاہد سہارنپوری ۳۵۱

(مولانا) محمد شمیم رحمت اللہ ۳۰۵

(شیخ) محمد صالح قزّاز ۶۵، ۶۶

(جنرل) محمد ضیاء الحق شہید ۱۷، ۲۵۲، ۳۰۴

(مولانا) محمد طلحہ سہارنپوری ۳۵۱

(مولانا قاری) محمد طیب ۲۳۸

(مولوی) محمد عتیق بستوی ۳۹۵

محمد عثمان حیدرآبادی ۴۷، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۱۳، ۱۱۴، ۲۹۴، ۳۰۶، ۳۱۰

(رئیس الاحرار مولانا) محمد علی ۲۵۹

(مولانا حافظ) محمد عمران خاں ندوی ۳۹۰

محمد الفاتح (مجاہد اسلام) ۹۲

(میرواعظ مولوی) محمد فاروق ۲۱۳-۲۱۵

(استاذ) محمد قطب ۹۲، ۹۳

(ڈاکٹر) محمد محسن عثمانی ندوی ۹۱

(شیخ) محمد المجذوب ۳۰۹

(شیخ) محمد المحروس المدرّس الأعظمی ۲۲۱، ۲۲۵، ۲۳۱

(استاذ) محمد محمود الحافظ الندوی ۲۳، ۳۶، ۳۸، ۳۰۵، ۳۲۲

(استاذ) محمد محمود الصوّاف ۳۶

محمد مسرور لکھنوی ۱۱۳

(مولوی) محمد مسلم (مدیر "دعوت" دہلی) ۱۸۳

(سید) محمد مسلم حسنی ۳۲۹

(مولانا) محمد منظور نعمانی ۷۰، ۷۲، ۱۸۳، ۲۶۲

(مولانا) محمد ناظم ندوی ۳۹۰

(مولوی) محمد نفیس ندوی ۳۲۹

محمد نور عبد الغنی ۳۵، ۲۹۴، ۳۰۹، ۳۱۰

محمد نورولی ۲۹۴

(مولانا سید) محمد واضح رشید ندوی ۳۸، ۲۹۲، ۳۲۹

(ایڈوکیٹ) محمد وسیم ۳۴۱

محمد ولی عبداللہ نورولی ۲۹۴، ۳۰۵

(مفتی) محمد یحییٰ سہارنپوری ۳۵۱

(میرواعظ) محمد یوسف ۲۱۳

محمد یوسف نورولی ۳۰۵

(گورنر) محمد یونس سلیم ۱۱۸، ۱۵۰، ۱۹۶، ۱۹۹، ۲۰۱، ۲۰۳، ۲۸۵، ۳۲۵، ۳۳۶، ۳۴۳-۴۸، ۳۵۹، ۳۶۰

(مولانا) محمد یونس سہارنپوری ۳۵۱

(ڈاکٹر) محمد یونس نگرامی ندوی ۳۲، ۱۸۰، ۲۰۵، ۲۹۵، ۳۱۵، ۳۴۲، ۳۷۹، ۳۸۶

(ڈاکٹر) محمود ابراہیم ۳۸

(مولوی) محمود الأزہار ندوی ۳۲۶

(سید) محمود الحافظ ۱۶۷

(پروفیسر) محمود حسن زینی ۹۲

www.abulhasanalinadwi.org

(شیخ) محمود الدّبیک ۴۵
(ڈاکٹر) محمود قبیسہ الندوی ۴۳
(مولانا) مختار احمد ندوی ۳۴۷
(مسٹر) مختار انیس (وزیر) ۳۱۶
(علامہ سید) مرتضیٰ بلگرامی زبیدی ۱۷۰
(شیخ) مروان الغزیہ ۴۷
(پروفیسر) مسعود حسن رضوی ۲۶۷
(مولانا) مسعود عالم ندوی ۳۹۰
(پروفیسر) مشیر الحق ندوی ۲۰۴، ۲۰۶، ۲۱۶
(سید) مصباح النبی حسنی ۳۱۴
مصحفی (شاعر) ۲۶۸
(نواب) مصطفیٰ خاں شیفتہ ۲۷۱
مصلح الدین حیدرآبادی ۳۱۴
(مولانا) مظفر حسین کچھوچھوی ۳۴۱
(مولوی) مظفر الحق ندوی ۷۴
(ڈاکٹر) معروف الدّوالیبی ۲۹۸
(مسٹر) معید احمد ۷۴
(مولانا شاہ) معین الدین احمد ندوی ۲۶۴
(مولانا قاضی) معین اللہ ندوی ۲۱۸
۳۵۰، ۳۹۵
(پرنس) مفخّم جاہ بہادر ۱۱۸
(میر) مقصود علی خاں ۲۲۷
(شری) ملائم سنگھ یادو (وزیر اعلیٰ یوپی) ۱۸۱
۲۳۳ـ۳۵، ۲۴۳، ۳۱۵ـ۱۷، ۳۴۵
۳۵۵، ۳۵۶، ۳۶۲، ۳۶۵، ۳۷۳، ۳۷۴
(ڈاکٹر) ملک زادہ منظور احمد ۳۸۶
ملکۂ سبا ۲۷۴
(مولانا) منت اللہ رحمانی (امیر شریعت)
۳۳، ۷۳، ۷۴، ۸۲، ۱۳۲، ۱۴۶، ۱۴۹
۱۸۲، ۱۸۳، ۲۰۹، ۲۲۴، ۲۸۲، ۲۸۴
۲۹۳، ۳۱۶، ۳۴۶، ۳۷۹
(ڈاکٹر) منصور حسن خاں ۳۸۴، ۳۸۶
(قاضی) منظور احمد مظاہری ۳۷۷
(استاذ) منیر محمد نجیب ۳۰۰
(الحاج) موسیٰ سیٹھ ۶۹، ۲۲۰، ۲۲۱
(مسٹر) میخائل گورباچوف (صدر سوویت روس)
۲۴۵ـ۴۷، ۲۴۹
میر تقی میر ۲۶۸
میشیل عفلق ۳۰۰

(ن)

(امیر) نائف ۱۶۸
(مولوی) نثار الحق ندوی ۲۱۸
(شیخ) نجم الدین اربکان آفندی ۹۴، ۲۹۸
(شری) نرائن دت تیواری ۸۱
(ڈاکٹر) نعیم حامد ۷۴
(میاں) نواز شریف (وزیر اعظم پاکستان)
۳۶۷، ۳۶۸
(مولوی) نور عظیم ندوی دیکھئے عبد النور
(مولوی) نہال احمد علوی کرڈوی ۳۲۸
(مولانا) نیّر ربّانی ۳۴۷

www.abulhasanalinadwi.org

و

(ڈاکٹر) وحیدالدین ملک ۲۱۵

(مسٹر) ودیا ساگر ۳۸۳، ۳۸۶

(گورنر) وشمبر ناتھ پانڈے (بشمبر ناتھ) ۱۹۴

۱۹۵، ۲۳۲، ۲۳۵

(پروفیسر) وقار احمد رضوی ۳۲۲

(حکیم الاسلام شاہ) ولی اللہ دہلویؒ ۲۲۴

۲۶۳، ۳۱۷

(مولوی) ولی رحمانی ۲۰۹، ۲۹۳

(شری) ونوبا بھاوے ۱۸۳

(راجہ) وی، پی سنگھ (وزیر اعظم) ۱۵۰، ۱۵۱

۱۹۹، ۲۰۹ — ۲۰۵، ۲۱۱، ۲۱۲، ۳۳۸

۳۵۲، ۳۵۷، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۷،

۳۷۳، ۴۰۴

(شری) وجیندرا (شنکراچاریہ) ۲۰۱

ھ

(مسٹر) ہری اوم سنگھ ۳۴۰

(مسٹر) ہکسر (P. N. HAKSAR) ۱۹۶

(راجہ) ہندوراؤ ۳۲۰

(مسٹر) ہیرلڈلیمب (HAROLD LAMB) ۱۱۰

ی

(سیدنا حضرت) یعقوب علیہ السلام ۸۸، ۸۹، ۲، ۱۰

یزید ۳۲

(شیخ) یوسف جاسم الحجیّ ۹۲، ۲۹۸

یوسف حاتم مچھالہ ۲۰۹

(شیخ) یوسف علی رضا زینل ۳۰۶

(ڈاکٹر) یوسف القرضاوی ۱۰۵

(شیخ) یوسف کراجہ ۹۴

کتابیات

قرآن مجید

الف

آب حیات ۲۶۵ — ۲۶۹

الاتّحاد (جریدہ) ۴۸

الاحسان۔ کڑہ (رسالہ) ۳۲۸

آزاد ہند۔ کلکتہ (اخبار) ۳۳۸

اسلام کا اقتصادی نظام ۳۶۳

اسلامی بیداری کی لہر پر ایک نظر (رسالہ) ۴۸

اسمعی یا زہرۃ الصحراء (رسالہ) ۲۷۴

اسمعی یا سوریہ (رسالہ) ۲۷۸

اسمعی یا مصر (رسالہ) ۲۷۸

اسمعوہا منی صرخۃ أیہا العرب (رسالہ) ۲۷۸

إلی الاسلام من جدید ۲۷۸

الإلیاذۃ الاسلامیۃ (مجد الاسلام) ۲۱

انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر

۷۰، ۳۱۳

انسانیت کے محسنِ اعظم (رسالہ) ۱۰۹، ۱۱۲، ۱۱۳،

۲۰۲

www.abulhasanalinadwi.org

اسٹوریز آف دی پرافٹس (STORIES OF THE PROPHETS) ۲۶۹

ایموشن ایز دی بیسیس (EMOTION AS THE BASIS OF CIVILIZATION) ۱۰۹

اسلام اینڈ دی ورلڈ (ISLAM AND THE WORLD) ۷۰، ۳۱۳

اے اسٹیڈی آف ہسٹری (A STUDY OF HISTORY) ۹۸

ب پ

بحث ونظر پٹنہ (رسالہ) ۲۲۲

بحر الأنساب ۳۲۷

البعث الاسلامی (مجلہ) ۲۲۲، ۳۹۱

البلاغ کراچی (رسالہ) ۳۴، ۲۹۸

پنزیکا (اخبار) ۱۳۱

پرانے چراغ ۶۹، ۲، ۷۴، ۱۶۴، ۳۲۴

پندرھویں صدی ہجری۔ ماضی وحال کے آئینہ میں (رسالہ) ۱۰۰

ت ط

تاج العروس فی شرح القاموس ۱۷۰

تاریخ آئینۂ اودھ ۳۲۷

تاریخ دعوت وعزیمت ۱۲۸، ۲۹۷

تحریک آزادی اور اصلاح عوام میں ادب اسلامی کا حصہ (رسالہ) ۱۱۴، ۱۱۵

تحفۂ کشمیر ۲۱۵

تذکرۂ نکات الشعراء ۲۶۸

تذکرۂ مصحفی ۲۶۸

ترشید الصحوۃ الاسلامیہ (رسالہ) ۴۸

تعمیر لکھنؤ (رسالہ) ۲۰۶

تعمیر حیات لکھنؤ (اخبار) ۹۵، ۱۰۶، ۱۶۷، ۱۶۴، ۲۲۷، ۳۱۹، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۷۰، ۳۸۵، ۳۹۵

تفسیر سورۃ الفاتحہ (آزاد) ۱۷۶

تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات ۱۰۹

ٹائمس آف انڈیا (اخبار) ۱۸۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۴۰۴

ج چ ح

جورس پروڈنس (JURISPRUDENCE HARWARD) ۷۶

چنگیز خاں (GENGHIS KHAN) ۱۱۰

حاجۃ العالم إلی مجتمع اسلامی مثالی أفضل ۱۷۰، ۲۷۸، ۳۱۲

حاضر العالم الإسلامی ۹۷

حجۃ اللہ البالغہ ۲۲۴، ۲۶۳

حیات عبدالحی ۲۶۵، ۲۶۶، ۳۲۶

د ذ ر

دربار اکبری ۲۶۸

دعوت دہلی (اخبار) ۱۴۶، ۱۸۳

ذکر وفکر دہلی (رسالہ) ۲۲۲، ۳۱۹

رامائن ۳۸۵

الرائد (صحیفہ) ۲۹۲

www.abulhasanalinadwi.org

روائع اقبال ۴۰۰، ۴۰۲

س ش ص

سالار۔ کرناٹک (اخبار) ۲۲۷

سنڈے آبزرور (اخبار) ۱۹۴

سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری ۲۰۳

سیرت ابن ہشام ۱۷۴

سیرت سید احمد شہید ۱۱۶، ۱۲۸، ۳۲۰، ۳۲۶

سیرت عمر بن عبدالعزیز ۳۹۷

شرق اوسط کی ڈائری ۲۰۶

صمصام الاسلام ۱۶۳

ع

عالم اسلامی کا تازہ المیہ..... (رسالہ) ۱۹۲، ۳۱۷

عزائم۔ لکھنؤ (اخبار) ۳۷۵

العرب والاسلام ۲۷۸

ف ق

فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۲۲۴

فتوح الشام ۱۶۳

القاموس ۱۷۰

قصص القرآن (حفظ الرحمن) ۲۶۳

قصص القرآن (نجار) ۲۶۳

قصص النبیین للأطفال ۹۴، ۲۶۹، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۲

قومی آواز۔ لکھنؤ (اخبار) ۸۶، ۱۳۶، ۱۳۹، ۲۰۵، ۲۱۷، ۲۵۵، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۲، ۳۵۷، ۳۶۴، ۳۷۱۔۷۵، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۶، ۴۰۴

ک گ ل

کاروان ایمان و عزیمت ۱۶۲

کاروان زندگی ۹، ۱۲، ۶۵، ۱۰۴، ۱۲۷، ۱۶۶، ۱۸۳، ۲۱۸، ۲۴۸، ۲۵۲، ۲۸۳، ۳۹۵، ۴۰۴

کشاف اصطلاحات الفنون ۱۷۰

کیف یستعید العرب مکانتہم.. (رسالہ) ۳۱۴

کیف ینظر المسلمون إلی الحجاز وجزیرة العرب ۲۷۸

گل رعنا ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۷، ۲۶۸، ۳۲۳

گلشن بے خار ۷۲۱

لسانی وتہذیبی جاہلیت کا المیہ (رسالہ) ۲۵۱

م ن

ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین ۳۱۳، ۳۹۹

المجتمع الاسلامی المعاصر (رسالہ) ۱۱۳

محرکات القومیة الحدیثة فی میزان الاسلام ۳۰۰

مخزن۔ لاہور (رسالہ) ۲۳۸

مدینہ (اخبار۔ بجنور) ۳۹۰

www.abulhasanalinadwi.org

مراد مرید ۳۲۸

المرتضیٰ ۲۸

المسلمون وقضیۃ فلسطین ۲۷۸

مشکوٰۃ شریف ۵۱

معارف الحدیث ۷۰

المقاصد الحسنۃ ۹۳

مقالاتِ سیرت ۷۱

میکنگ آف ہیومنیوٹی (THE MARKING OF HUMANITY) ۱۰۸

نزہۃ الخواطر ۱۶۲

نقوش اقبال ۴۰۰، ۴۰۲

نقیب۔ پٹنہ (اخبار) ۲۸۴

(ہ)

ہدایہ ۴۰۰

ہندوستان اسلامی عہد میں ۳۴۲

الہند فی العہد الاسلامی ۳۳۹

ہندوستان کا دستوری قانون (۱۹۸۳ء) ۱۱۲

ہسٹری آف دی انٹلکچول (A HISTORY OF THE INTELLECTUAL DEVELOPMENT OF THE EUROPE) ۱۱۰

ہندو (THE HINDU) ۱۴۰

مقامات

(الف)

ابوظبی ۴۱-۴۳، ۴۷، ۴۸

اترپردیش (یوپی) ۲۶، ۲۷، ۳۲، ۷۴، ۸۰، ۱۳۹، ۱۴۷، ۱۷۶، ۱۸۱، ۲۱۱، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۵۶، ۲۶۰، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۴۰، ۳۴۲، ۳۴۵، ۳۵۳، ۳۵۷، ۳۶۲، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۷۲، ۳۷۵، ۳۸۳، ۳۸۴

ایتھوپیا ۲۹۶

اٹلی ۱۰۸

اجراڑہ ۱۹۷

اجودھیا ۱۲۹، ۳۵۶، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۷۴، ۳۸۳

اردن ۳۶، ۹۷، ۱۶۸

اڑیسہ ۳۳، ۷۳، ۷۷، ۸۲، ۱۳۲، ۱۷۶، ۱۸۲، ۱۹۴، ۱۹۵، ۲۲۴، ۲۳۲، ۲۹۳، ۳۱۶، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۷۹

آزاد کشمیر ۲۱۳

ازبکستان ۴۰۰

اسپیکر ہال کانسٹی ٹیوشن کلب دہلی ۱۸۴

استنبول ۹۰، ۹۱، ۹۴، ۹۵، ۱۰۴، ۱۰۵

www.abulhasanalinadwi.org

آسٹریا ۲۹۶

آسٹریلیا ۲۹۶

اسحاق چک (بھاگلپور) ۱۴۱

اعظم گڑھ ۳۴، ۲۶۶، ۳۲۳، ۳۴۳، ۳۹۰

افغانستان ۲۱، ۳۶، ۲۹۶

افریقہ ۹۳، ۹۹، ۱۵۳، ۲۵۴، ۲۸۸، ۲۹۶

آکسفورڈ ۱۰۴، ۱۰۶، ۱۱۳، ۱۶۹، ۲۰۲
۲۸۸، ۲۹۰، ۳۳۴

اکوڑہ خٹک ۳۰۴

البانیہ ۲۴۹

الٰہ آباد ۹۱، ۳۲۲، ۳۴۹

الوارہ ۲۵

امارات ۔ خلیج دیکھئے متحدہ عرب

امریکہ ۹۸، ۱۱۲، ۱۲۵، ۱۹۳، ۲۴۱، ۲۷۷
۲۹۶، ۳۰۰، ۳۲۹

امین آباد (لکھنؤ) ۲۰۶

انجمن نصرۃ الاسلام ہال (کشمیر) ۲۱۵

اندجان (روس) ۴۰۰

اندلس (اسپین) ۲۴، ۹۶، ۹۸
۹۹، ۳۲۹، ۴۰۲

اندور ۵۴، ۱۳۹، ۱۸۴، ۲۳۳

آندھرا بھون ۔ دہلی ۳۵۴، ۳۶۰

آندھرا پردیش ۵۳، ۱۹۹، ۲۸۵، ۳۴۴
۳۴۷، ۳۵۴، ۳۸۳

انڈونیشیا ۲۵۴، ۲۹۶

انگلستان ۔ انگلینڈ ۔ برطانیہ ۹۰، ۱۰۶
۱۱۱، ۱۲۵، ۱۵۳، ۲۴۱، ۲۷۵، ۲۷۷
۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۶، ۳۴۴

اودھ ۲۳۵، ۳۲۲

اورنگ آباد ۱۹، ۲۴، ۵۴، ۳۲۳

اوکھلہ (دہلی) ۱۹۷، ۳۳۶، ۳۴۶، ۳۵۰

آئرلینڈ ۲۹۶

ایٹہ ۳۸۳

ایران ۲۰، ۳۶، ۱۰۶، ۱۱۰، ۲۵۲، ۲۵۵
۲۵۶، ۲۷۴، ۲۷۵، ۴۰۰

ایشیا ۹۳، ۱۵۳، ۲۸۸

(ب)

باب ابراہیم (کعبہ) ۱۶۳

باب النساء (مسجد نبوی) ۳۰۷

باب جبریل (مسجد نبوی) ۳۰۸

بارہ بنکی ۲۳۴، ۳۷۳

باب السلام (مسجد نبوی) ۳۰۸

باغ میراں (پھلوا) ۳۹۳

باس فورس ۹۴

باندہ ۸۲، ۳۵۵

بائی کلا (بمبئی) ۲۱۷

بجنور ۳۷۴، ۳۷۵

بچوں کا گھر (دہلی) ۳۷۹

بحرین ۲۹۵

بدایوں ۱۳۹، ۳۸۲

برازیل ۲۹۶

www.abulhasanalinadwi.org

برّصغیر (ہندوپاک) ۶۹، ۹۵، ۱۲۶، ۱۶۶
۲۲۳، ۳۱۶، ۳۱۹، ۳۶۷

برطانیہ دیکھئے انگلستان

برلن (مشرقی ومغربی) ۲۴۷

بُستان نوروئی (مدینہ) ۳۷، ۳۸، ۳۰۷، ۳۰۹

بغداد ۱۱۱، ۲۲۱، ۲۲۲، ۳۰۲، ۳۲۷

بقیع شریف ۳۰۸

بلادعجم ۲۷۸

بلغاریہ ۲۴۹

بلقان ۹۷

بمبئی ۵۴، ۷۳، ۱۶۷، ۱۶۹، ۲۰۹، ۲۱۶
۲۱۷–۲۲۱، ۳۷۱، ۴۰۳

بنارس ۱۳۹، ۳۲۲

بنگلور ۶۸، ۲۱۷–۲۲۱، ۲۲۶، ۲۲۷
۲۳۲، ۳۰۴

بنگلہ دیش ۹۲، ۲۵۲، ۲۹۶، ۳۶۲

بہار ۳۳، ۷۳، ۷۷، ۸۲، ۸۵، ۸۶، ۱۱۸
۱۳۲، ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۸۲، ۱۸۷، ۱۹۶
۱۹۹، ۲۲۴، ۲۸۵، ۲۹۳، ۳۱۶،
۳۳۶، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۳، ۳۴۶
۳۴۷، ۳۵۵

بہار بھون (دہلی) ۳۴۶

بھاگلپور ۱۳۹–۱۴۱، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۷
۱۴۹، ۱۸۱–۱۸۳، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۹۶، ۲۰۰

بھاولپور ۲۰۳

بیروت ۹۳

(پ)

پاکستان ۹، ۱۷، ۲۳، ۶۹، ۹۶، ۱۱۵
۱۲۶، ۱۶۶، ۲۱۸، ۲۲۳، ۲۵۰–۲۵۲
۲۵۴، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۴، ۲۹۶، ۳۰۳
۳۰۴، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۶۲، ۳۶۷، ۳۹۲

پٹنہ ۱۵، ۲۰۱، ۲۰۹، ۲۸۴، ۳۶۰

پرتگال ۲۹۶

پریذیڈنسی ہال بنگلور ۲۲۷

پریڈویلا (حیدرآباد) ۱۱۴

پشاور ۲۳، ۳۳۳

پولینڈ (پولار) ۱۱۰، ۱۱۱

پونہ ۱۳۵، ۱۸۴، ۲۳۲، ۲۳۳، ۳۲۳
۳۳۹

پیرس ۴۲، ۲۷۰، ۳۱۴

(ت) (ٹ)

تاتارپور ۱۴۱

تاج محل ہوٹل (دہلی) ۲۰۹

تاجکستان ۴۰۰

تاراپور ۱۸۹

تاشقند (شاش) ۲۴۹، ۲۷۰

تبلیغی مرکز نظام الدین دہلی ۳۵۰، ۳۹۲
۳۹۹، ۴۰۳

ترکستان ۹۹، ۱۱۰، ۲۷۰، ۳۹۹

ترکی ۹۰، ۹۲، ۹۴–۹۹، ۲۹۶، ۲۹۸، ۳۱۱

www.abulhasanalinadwi.org

تکیہ کلاں دیکھئے دائرۂ شاہ علم اللہؒ

تونس ۲۹۵

تھائی لینڈ ۲۹۶

ٹرینیڈاڈ ۲۹۶

ٹونک ۱۶۶

(ج)

جاپان ۲۹۶

جاجمئو ۷۴

جدّہ ۳۵، ۳۸، ۴۳، ۴۷، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۶۷–۶۹، ۲۴۹، ۲۷۸، ۲۹۳–۹۵، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۹–۱۴، ۳۳۵، ۳۹۹، ۴۰۳

جرمنی ۹۷، ۱۲۵، ۲۴۷، ۲۹۶

الجزائر ۱۱۳، ۳۲۹

جزیرۃ العرب ۹۸، ۲۷۶–۷۹، ۳۱۱، ۳۱۵

جگدیش پور ۳۹۳

جمشید پور ۱۸۳

جنگل باڑی مٹھا مندر ۳۸۵

جھاجھا ۱۸۸

جھانسی ۸۶

جیلان ۲۵۵

(چ)

چاٹگام ۹۲

چارباغ (لکھنؤ) ۲۸۲

چترال ۳۲۰

چمپانگر ۱۴۱، ۱۴۲

چندیری ۱۴۵

چین ۱۵۴، ۲۴۷، ۲۷۰

(ح)

حائل (نجد) ۳۰۹، ۳۱۰

حجاز مقدس ۳۴، ۶۹، ۱۶۷، ۱۶۹، ۱۸۴، ۲۱۳، ۲۴۹، ۲۵۴، ۲۷۰، ۲۷۶، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۹–۹۲، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۶، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۸، ۳۲۹، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۶۰

حرم شریف (مکّہ) ۳۶، ۱۶۳، ۲۵۴، ۲۹۵، ۳۰۱، ۳۳۶

حرم شریف (مدینہ) ۳۰۸

حرمین شریفین ۲۵۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۹، ۲۹۲، ۲۹۷، ۲۹۹، ۳۱۵–۱۷

حدیبیہ ۱۷۳، ۱۷۴

حیدرآباد ۵۲–۵۴، ۶۳، ۹۱، ۱۰۴، ۱۱۴–۱۱۶، ۱۱۸، ۲۰۹، ۲۲۰، ۳۲۲، ۳۳۹، ۳۴۷، ۳۶۰، ۳۱۳

حیدرآباد (پاکستان) ۲۵۱

(خ)

خان پور ۲۰۳

خانقاہ دین پور ۲۰۳

خانقاہ رائپور ۲۰۳

www.abulhasanalinadwi.org

خرطوم ۶۹
خلد آباد ۲۴، ۲۵
خلیج دیکھئے عرب امارات
خنجر پور ۱۴۳
خوارزم ۱۱۱

(د) (ڈ)

الدار البیضاء (CASABALANCA) ۲۸۸، ۲۹۰
دائرۂ شاہ علم اللہ (تکیہ کلاں) ۱۶، ۱۳۵، ۱۶۴، ۳۲۰، ۳۲۵
دبئی ۴۴، ۴۵، ۴۷
درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی ۳۴۷
دریا گنج (دہلی) ۳۷۹
دکن ۳۲۸
دمشق ۶۹
دوحہ ۱۲۷
دولت آباد ۲۴
دہلی ۳۳ـ۳۵، ۴۶، ۴۷، ۵۴، ۶۸، ۶۹، ۹۱، ۱۱۴، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۴۶، ۱۴۸، ۱۸۰، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۹۴ـ۹۷، ۲۰۱، ۲۰۴، ۲۰۹، ۲۱۴، ۲۲۲، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۷۱، ۲۸۷، ۲۹۴، ۲۹۵، ۳۱۴، ۳۱۸، ۳۲۲، ۳۲۷، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۴۳، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۹ـ۵۱، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۲، ۳۸۸، ۳۹۱، ۳۹۹، ۴۰۳
دین پور ۲۰۳
دیوبند ۲۳۸
ڈنمارک ۲۹۶

(ر) (ڑ)

راجون ۱۴۱
رامپور ۳۹۱، ۳۹۲
رام جنم بھومی (اجودھیا) ۲۶، ۱۲۹، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۳۹، ۱۹۶، ۱۹۹، ۲۳۵، ۲۸۵، ۳۱۸، ۳۳۵، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۴۳، ۳۴۸، ۳۵۲، ۳۶۳، ۳۶۵، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۶، ۳۷۷، ۴۰۳
رام گڑھ ۱۷۹
رانچی ۱۸۳
راوڑکیلہ ۱۸۳
رائے بریلی ۱۶، ۱۱۳، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۸، ۱۶۶، ۱۹۹، ۲۰۵، ۲۰۹، ۲۱۹، ۲۳۳، ۳۱۷ـ۲۰، ۳۲۳، ۳۲۵، ۳۳۶، ۳۲۹ـ۳۱، ۳۳۵، ۳۹۱، ۳۹۴، ۳۹۹، ۴۰۳
رائے پور ۲۰۳، ۳۴۹، ۳۵۰
روس ۱۱۱، ۱۲۵، ۱۵۳، ۲۴۱، ۲۴۵ـ۴۹، ۲۹۶، ۳۹۹، ۴۰۰

www.abulhasanalinadwi.org

روم ۵۸، ۱۵۳

ریاض ۲۱، ۲۳، ۹۲، ۱۰۵، ۱۱۵، ۱۶۸
۱۶۹، ۲۴۹، ۲۸۹، ۲۹۳، ۲۹۴
۲۹۶، ۳۰۶، ۳۰۸، ۳۲۲، ۳۸۸، ۳۹۹

زید ۴۳

(س)

ساپور ۱۴۵

سالبیا ۱۱۰

سراوان ۴۰۰

سرور (SAROVAR – ہوٹل) ۵۳

سری نگر ۲۰۵، ۲۱۴

سعودی عرب ۴۰، ۴۵، ۴۷، ۶۶، ۹۰
۱۰۵، ۱۶۸، ۱۸۴، ۲۵۲-۵۵، ۲۷۶
۲۷۷، ۲۸۸، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۴-۹۷
۲۹۹، ۳۰۰، ۳۱۰، ۳۱۵، ۳۲۲

سلطانپور ۳۹۳

سلطان چفل (استنبول) ۹۵

سلیمانیہ ہال (ندوہ) ۲۸۲

سندھ ۲۰۳، ۲۵۱

سنگاپور ۲۹۶

سینیگال ۲۹۶

سوڈان ۶۹، ۲۹۵، ۲۹۸

سوئیڈن ۲۹۶

سہارنپور ۲۰۳، ۳۴۹، ۳۵۱

سہکارتا بھون (لکھنؤ) ۳۱۵

سیوان ۳۴۰، ۳۴۱

(ش)

شارع أبي ذر (مدینہ) ۳۸

شارع منصور (مکہ) ۲۹۵

شارقہ ۴۲-۴۵

شام - سوریہ ۳۶، ۳۸، ۶۹، ۹۷، ۲۷۸
۲۹۵، ۲۹۸

شانلی ۳۷۴

شاہ جنگی ۱۴۱

شراٹون (ہوٹل) ۴۳

شرق اوسط ۹۱

(ص) (ض)

صابو صدیق مسافر خانہ (بمبئی) ۲۱۸

صاحب گنج ۱۴۱

صومال ۲۹۶

ضلع پریشد ہال رائے بریلی ۳۲۳

(ع) (غ)

عالم اسلام - مسلم ممالک ۱۰، ۱۲، ۱۸، ۲۱
۱۰۶، ۱۲۶، ۲۲۴، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۷۶
۲۷۷، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۱۰، ۳۱۳، ۳۱۴،
۳۲۲

عالم عربی - ممالک عربیہ - عرب ۱۱، ۷۰، ۱۱۰
۱۱۲، ۱۲۷، ۱۷۰، ۲۱۸، ۲۴۸، ۲۷۱
۲۷۳، ۲۷۶-۸۰، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۹
۲۹۲، ۲۹۵، ۲۹۶، ۳۱۰، ۳۱۳، ۳۱۴
۳۲۳، ۳۳۶، ۳۸۸، ۳۸۹

www.abulhasanalinadwi.org

عباسیہ ہال (ندوہ) ۲۳۱، ۳۸۸، ۴۰۱
عراق ۳۶، ۹۷، ۱۱۰، ۲۲۲، ۲۷۴، ۲۷۵
۲۷۷، ۲۷۸، ۲۸۱، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۷
۳۰۰، ۳۱۰، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۹۰
عرب امارات۔ (ریاستہائے خلیج۔ الإمارات
العربیۃ المتحدۃ) ۴۰۔۴۲، ۴۵، ۲۷۷
۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۵
عرفات ۲۵۴
عزیزیہ (جدّہ) ۳۹
علی گڑھ ۳۳، ۱۱۴، ۳۸۲، ۳۸۳
عُمان ۲۹۶
عَمّان ۳۸، ۳۰۰
عیش باغ (لکھنؤ) ۷۲
غار ثور ۶۷، ۶۸
غازی پور ۱۸۹
غرناطہ ۲۴
غزنی ۳۲۷

ف ق

فتحپور ۱۴۵، ۳۲۷، ۳۳۰
فرانس ۱۰۸، ۱۲۵، ۱۵۳
فلپائن ۲۹۶
فلسطین ۲۱، ۶۹، ۹۷، ۲۷۶
فیض آباد ۲۳۵
قسطنطنیہ ۹۰، ۱۰۱
قصر المؤتمرات (ریاض) ۱۶۸
قطر ۱۰۵، ۱۲۶، ۱۲۷

ک

کابل ۲۹۶
کاشغر ۲۸۰
کالی کٹ ۳۲۲
کانپور ۷۲، ۷۴، ۳۷۷، ۳۷۹، ۳۸۳
کانچی پورم ۲۰۱، ۲۸۵، ۲۸۶، ۳۳۶، ۳۴۴
کنٹولی ۳۸۷
کچہ گھر (سہارنپور) ۳۵۱
کراچی ۳۴، ۲۲۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۹۸، ۳۲۲
کڑا مانکپور ۳۱-۳۲۶، ۳۳۴
کرغستان ۴۰۰
کرناٹک ۲۲۱، ۲۲۷، ۳۴۷
کشمیر ۹۶، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۱۲-۱۳، ۳۸۶
کلکتہ ۷۳
کناڈا ۲۰۷، ۲۹۶
کوریا (جنوبی) ۲۹۶
کویت ۹۱، ۹۲، ۱۰۵، ۱۷۴، ۷۸-۲۷۶
۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۵، ۲۹۷-۳۰۰، ۳۱۵
۳۲۵
کینیا ۲۹۶

گ

گرونانک ہال بنگلور ۲۲۶
گلبرگہ ۳۲۸
گلزار پوکھر ۱۹۰

www.abulhasanalinadwi.org

گلی قاسم جان (دہلی) ۲۶۲
گنّاستسھان آڈیٹوریم (لکھنؤ) ۱۷۵
۲۳۲-۳۴
گنج ڈنڈواره ۳۸۲
گنگا (دریا) ۱۴۴، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۳۱
۳۳۴
گنگا پرشاد میموریل ہال (لکھنؤ) ۳۳
۳۷۹، ۳۸۳، ۳۸۸
گوالیار ۳۲۰
گولا گنج (لکھنؤ) ۲۸۲
گوئن روڈ (لکھنؤ) ۲۶۶
گینیا ۲۹۶

(ل)

لاہور ۱۶۵، ۱۶۶، ۲۳۸
لبنان ۹۷، ۲۹۶
لکھن پور ۱۸۹
لکھنؤ ۲۸، ۳۲، ۳۳، ۳۵، ۴۲، ۴۷
۴۸، ۵۴، ۶۸، ۶۹، ۷۲-۷۴، ۸۱
۸۲، ۸۶، ۱۱۳-۱۵، ۱۲۷، ۱۳۵، ۱۶۵
۱۶۶، ۱۶۹، ۱۷۵، ۱۸۰، ۱۹۴، ۱۹۹
۲۰۴-۶، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۷، ۲۸۱، ۲۸۶
۲۸۷، ۲۹۲، ۲۹۳، ۳۰۸، ۳۱۲، ۳۱۴
۳۱۵، ۳۱۶، ۳۲۶، ۳۳۵، ۳۳۷، ۳۳۹
۳۴۰-۴۲، ۳۴۵، ۳۴۷، ۳۴۹،
۳۵۳-۵۵، ۳۶۰، ۳۷۵، ۳۷۷، ۳۷۹
۳۸۲-۸۷، ۳۹۱، ۳۹۳، ۳۹۹
لندن ۷۱، ۱۰۴-۱۰۸، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۳۱،
۲۶۹، ۲۹۰، ۳۴۶
لیگنٹس (LIEGNITS) ۱۱۰

(م)

مالدیپ ۲۹۶
مانٹریال ۲۰۷
مانک پور ۳۲۶، ۳۲۷
متحدہ عرب امارات دیکھئے عرب امارات
محمد علی لین (بازار جھاؤلال) ۲۶۶
مدراس ۱۸۱، ۱۹۹، ۲۰۱، ۳۳۶، ۳۳۷
۳۴۴، ۳۴۷، ۳۶۰
مدینۂ طیبہ ۳۷، ۳۸، ۶۸، ۹۲، ۱۰۷، ۱۶۳
۱۶۷، ۱۶۸، ۲۸۹، ۲۹۵، ۳۰۶-۳۱۱
۳۲۲، ۳۳۶، ۳۵۰، ۳۹۲
مرادآباد ۳۷۴
مراکش ۹۲، ۲۸۸، ۲۹۰، ۲۹۵، ۲۹۸
۳۲۹
مرغینان ۴۰۰
مزار سیدنا ابو ایوب انصاریؓ (قسطنطنیہ)
۹۵
مزار شیخ الاسلام سید قطب الدین مدنی (کڑہ)
۳۳۴
مزار سید شمس الدین خواجگی ملتانی (کڑہ) ۳۳۴
مزدلفہ ۲۵۴

www.abulhasanalinadwi.org

مسلم مسافر خانہ لکھنؤ ۲۸۲
مغرب اقصیٰ ۳۸، ۲۸۸، ۲۹۵، ۳۹۰
مصر ۶۹، ۹۸، ۱۶۷، ۲۱۲، ۲۶۳، ۲۷۰
۲۷۸، ۲۸۳، ۲۹۵
مظفر نگر ۳۷۴
مکہ ہوٹل (استنبول) ۹۲
مکۂ مکرمہ ۲۳، ۳۲، ۳۵، ۳۶، ۶۵-۶۸
۹۲، ۱۱۰، ۱۶۳، ۱۶۷-۱۶۸، ۲۱۳، ۲۹۴
۲۹۵، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۱۱، ۳۱۸، ۳۳۵
ملیانہ ۲۳۴
ملیح آباد ۳۸۷
ملیشیا ۲۹۶
منیٰ ۲۵۲، ۲۵۴
مواجہ شریف (مدینہ) ۳۰۷
مونگیر ۱۸۸-۱۹۰
مہاراشٹر ۱۹۶، ۲۳۵
میرٹھ ۱۹۷، ۲۳۴، ۳۷۴
میر واعظ منزل ۲۱۵

(ن) (و)

ناتھ نگر ۱۴۱، ۱۴۲
ناگپور ۵۴، ۱۱۴، ۱۳۵، ۱۸۳، ۱۸۴
۱۹۹، ۲۰۹، ۲۲۷، ۲۳۳، ۳۶۰
ناندیر ۵۴
نائیجیریا ۲۹۶، ۲۹۸
نجد ۲۹۸، ۳۰۹، ۳۱۰
نظام الدین (دہلی) ۶۸، ۳۵۰، ۳۹۲، ۳۹۹
نفق المعیصم (منیٰ) ۲۵۲
نوکد ۴۰۰
نوگائیں (بھاگلپور) ۱۸۸
نیپال ۲۹۶
نیل (دریا) ۲۸۰
ولبھ بھائی پٹیل بھون (دہلی) ۱۸۴

(ہ)

ہالینڈ ۲۹۶
ہندوستان ۹، ۱۰، ۱۲، ۱۴، ۱۵، ۲۰، ۲۲-۲۴
۳۸، ۴۲، ۵۲، ۵۸، ۶۰، ۶۹، ۷۰، ۷۳
۷۵، ۷۹، ۸۰، ۸۵، ۹۱، ۱۰۵، ۱۱۲-۱۱۳
۱۲۶، ۱۲۹، ۱۳۹، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۵۱، ۱۵۶
۱۵۸، ۱۶۵، ۱۶۷، ۱۷۶، ۱۷۸، ۱۷۹
۱۸۳، ۱۸۵، ۱۸۷، ۱۹۴، ۲۱۲، ۲۱۶، ۲۱۸
۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۸، ۲۳۴، ۲۳۷، ۲۳۸
۲۴۰، ۲۴۲، ۲۴۴، ۲۵۰، ۲۵۴، ۲۵۹
۲۶۴، ۲۷۳، ۲۸۸، ۲۹۲، ۲۹۴، ۲۹۶
۳۰۳، ۳۰۹، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۵، ۳۱۶
۳۱۸-۲۰، ۳۲۲-۲۴، ۳۲۶، ۳۲۷
۳۵۶، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۹، ۳۷۳
۳۷۴، ۳۷۶، ۳۷۸، ۳۸۶، ۳۹۱
۳۹۲، ۳۹۵، ۴۰۲، ۴۰۵، ۴۰۶
۴۰۷
ہنگری ۱۱۰، ۲۹۶

www.abulhasanalinadwi.org

(ی)

یمن ۲۴۸، ۲۴۹

یورپ ۷۵، ۹۳-۹۸، ۱۰۲، ۱۰۸-۱۱۱
۱۲۴، ۱۹۳، ۲۴۱، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۸۸، ۳۲۹

یوگنڈا ۲۹۶

یوگوسلاویا ۲۹۶

متفرقات

مساجد ومعابد

کعبۃ اللہ شریف ۱۹، ۳۰۱

بیت المقدس۔ مسجد اقصیٰ ۶۹، ۲۷۶

مسجد نبوی شریف ۳۷، ۳۸، ۶۶، ۱۶۳
۱۶۷، ۳۰۷، ۳۰۸

بابری مسجد (اجودھیا) ۲۶، ۶۲
۱۲۹-۱۳۴، ۱۳۹، ۱۴۷، ۱۹۶، ۱۹۹
۲۰۴، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۸۵، ۲۸۷، ۳۱۸
۳۲۵، ۳۳۵، ۳۳۷-۳۴۳، ۳۴۸
۳۵۳، ۳۵۶، ۳۵۸، ۳۶۲-۳۶۵
۳۶۹-۳۷۷، ۳۷۹، ۳۸۱، ۳۸۳، ۴۰۳

پریمیٹ مسجد (مدراس) ۲۰۴

جامع مسجد ازبکستان ۴۰۰، ۴۰۲

جامع مسجد اورنگ آباد ۲۴

جامع مسجد بمبئی ۲۱۸

جامع مسجد دہلی ۳۳۸

جامع مسجد سری نگر ۲۱۴

جامع منصور شعیبی۔ جدّہ ۳۹

مسجد الجوہرہ۔ جدّہ ۳۹

مسجد سلام (استنبول) ۹۰

مسجد دار العلوم ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ ۳۹۹
۴۰۰، ۴۰۲

مسجد الرحمۃ (مکہ) ۲۹۵

موتی مسجد۔ بجنور ۳۷۵

تعلیمی ادارے، جامعات ومدارس

آکسفورڈ یونیورسٹی ۱۱۳، ۱۶۹

الٰہ آباد یونیورسٹی ۹۱، ۳۲۲

انسٹی ٹیوٹ آف فارن لنگویجز حیدرآباد ۳۲۲

اودھ یونیورسٹی۔ (فیض آباد) ۳۲۲

بنارس ہندو یونیورسٹی ۳۲۲

بھاگلپور میڈیکل کالج ۱۴۴

بھاگلپور یونیورسٹی ۱۴۵

پشاور یونیورسٹی ۲۳

جامع ازہر۔ قاہرہ ۳۰۰

جامعہ اردنیہ۔ عمّان ۳۸

جامعہ اسلامیہ۔ مدینہ منورہ ۳۷، ۳۸
۹۲، ۲۱۳، ۳۰۸، ۳۰۹

www.abulhasanalinadwi.org

جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ۔ ریاض
۹۲، ۱۰۵، ۲۸۹، ۳۲۲
جامعۃ ام القریٰ۔ مکۂ مکرمہ ۳۲، ۹۲، ۳۲۲
جامعۃ العین ۷۱
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی ۳۳، ۲۰۷، ۲۳۷
۲۴۰، ۲۹۳، ۳۲۲
جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی ۹۱، ۳۲۲، ۳۳۰
حلیم مسلم ڈگری کالج کانپور ۷۴
دارالعلوم حقانیہ (اکوڑہ خٹک) ۳۰۴
دارالعلوم حیدر آباد ۳۴۷
دارالعلوم دیوبند ۲۳۸، ۳۴۷، ۳۹۴
دارالعلوم (وقف) دیوبند ۳۴۷
دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور ۲۱۸، ۲۲۱، ۲۲۵
دارالعلوم سبیل السلام حیدر آباد ۳۴۷
دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۳۲، ۳۷، ۴۲
۴۳، ۴۵، ۸۱، ۸۲، ۱۱۵، ۱۶۶، ۱۷۶
۱۹۴، ۲۰۶، ۲۱۴، ۲۱۸، ۲۲۲، ۲۳۱، ۲۵۵
۲۶۵، ۲۷۱، ۲۸۱ـ۸۳، ۲۸۵، ۲۸۶
۲۹۲، ۳۰۹، ۳۱۶، ۳۲۲، ۳۲۹، ۳۵۰
۳۸۰، ۳۸۸، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۳ـ۳۹۵
۳۹۹، ۴۰۱
دہلی یونیورسٹی ۳۴
عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد ۹۱
فیروز گاندھی ڈگری کالج رائے بریلی ۱۳۵، ۱۳۶
قطر یونیورسٹی ۱۰۵
کابل یونیورسٹی ۲۹۶
کالی کٹ یونیورسٹی ۳۲۲
کراچی یونیورسٹی ۳۲۲
کشمیر یونیورسٹی ۲۰۴، ۲۱۴، ۲۱۵
کلیۃ الدراسات الإسلامیۃ۔ دبئی ۴۴
کلیۃ الشریعۃ۔ قطر ۱۰۵
کلیۃ العربیۃ دارالعلوم ندوۃ العلماء ۳۷
کلیۃ العلوم الإجتماعیۃ۔ ریاض ۳۲۲
لکھنؤ یونیورسٹی ۳۲، ۱۷۶، ۲۶۷، ۳۸۴
۳۸۵
مارواڑی کالج۔ بھاگلپور ۱۴۵
مدرسہ اسلامیہ فتحپور ۳۳۰
مدرسہ تعلیم القرآن سلطانپور ۳۹۳
مدرسہ سید احمد شہید کٹولی ۳۸۷، ۳۸۸
مدرسہ صولتیہ۔ مکۂ مکرمہ ۳۰۵
مدرسہ عربیہ باندہ ۸۲
مدرسہ کاشف العلوم اورنگ آباد ۱۹، ۲۱
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۳۳، ۱۰۵، ۱۱۹
۳۲۲، ۳۸۳
المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی۔
ندوۃ العلماء ۲۸۴
میڈیکل کالج لکھنؤ ۳۹۳
میکگل یونیورسٹی۔ کنیڈا ۲۰۷
نیشنل انٹر کالج رائے بریلی ۳۲۰
وجدہ یونیورسٹی۔ مراکش ۹۲

www.abulhasanalinadwi.org

تحریکات، جماعتیں، سوسائٹیاں اور کمپنیاں :

ایر انڈیا کمپنی۔ کانپور ۳۷۷
ادارات البحوث الإسلامیہ والافتاء والدعوة والإرشاد۔ ریاض ۲۹۶
اسلامک اسٹڈیز سنٹر آکسفورڈ ۱۰۴-۱۰۶، ۱۱۳، ۱۶۹، ۲۸۸، ۲۹۰
اسلامی جمہوری اتحاد پاکستان ۳۶۷
آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ۳۳، ۷۲، ۷۳، ۷۷، ۸۲، ۱۳۲، ۱۴۶، ۱۴۹، ۱۸۲، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۲۴، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۹۳، ۳۷۷، ۳۷۹، ۳۹۶، ۴۰۳
الہ آباد ہائی کورٹ لکھنؤ برانچ ۳۳۹، ۳۴۱
امارت شرعیہ۔ بہار ۸۵، ۲۲۴
انجمن شباب اسلام لکھنؤ ۳۸۷
انجمن نصرۃ الاسلام۔ کشمیر ۲۱۵
بابری مسجد ایکشن کمیٹی ۱۳۴، ۲۰۰، ۲۸۷، ۳۸۱، ۳۹۶، ۴۰۳
بابری مسجد رابطہ کمیٹی ۳۸۱، ۳۹۶، ۴۰۳
بعث پارٹی (البعث العربی) عراق ۲۹۹، ۳۱۶
بمبئی آندھرا ٹرانسپورٹ کمپنی ۲۱۷
بنک اسلامی۔ دبئی ۴۵
بھارتیہ جنتا پارٹی (بی۔جے۔پی) ۱۵۰، ۲۰۸، ۲۵۷، ۳۵۵، ۳۶۵، ۳۷۰، ۳۸۵
بھارتی کمیونسٹ پارٹی ۱۹۶
بین الاقوامی اسلامک سنٹر۔ پارک روڈ (لندن) ۱۱۳
بی بی سی۔ لندن ۳۴۶
تبلیغی جماعت ۹۶، ۳۵۰، ۳۷۵، ۴۰۱
تحریک پیام انسانیت (لکھنؤ) ۵۲، ۵۴، ۵۹، ۱۳۵، ۱۸۱، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۹۴، ۱۹۸، ۲۱۲، ۲۲۶، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۳، ۲۵۱، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۶، ۲۷۹، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۸، ۴۰۵
تحریک جہاد و اصلاح و تبلیغ حضرت سید احمد شہیدؒ رائے بریلوی ۱۱۶، ۳۰۴، ۳۲۰
تحریک جنگ آزادیٔ ہند ۱۸۵۷ء ۱۱۷، ۲۳۸، ۲۵۰، ۲۵۹–۲۵۷، ۲۶۱، ۳۵۸
تحریک خلافت (ہند) ۱۱۷، ۲۵۸
تحریک رام جنم بھومی ۱۴۷، ۳۷۴
جماعت اسلامی پاکستان ۳۹۲
جماعت اسلامی ہند ۸۲، ۳۴۷، ۳۷۵، ۳۹۱، ۳۹۲
جمعیۃ الاصلاح الاجتماعی۔ الکویت ۲۹۸
الجمعیۃ الخیریۃ الاسلامیۃ العالمیہ۔ الکویت ۹۲، ۲۹۸
جمعیۃ اہل حدیث ہند ۳۲۲، ۳۴۷
جمعیۃ العلماء۔ ہند ۸۱، ۲۳۸، ۲۵۹، ۲۶۱، ۳۴۷، ۳۷۵

www.abulhasanalinadwi.org

جنتا دل پارٹی ۱۹۶، ۲۳۲، ۲۳۴، ۲۵۶
۲۵۷، ۳۵۶، ۳۶۵
ایچ، ایم۔ ٹی لمیٹڈ سری نگر (کشمیر) ۲۰۵
دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش ۸۱، ۲۸۱، ۲۸۲
ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ دہلی ۳۳، ۲۹۳
رابطۂ ادب اسلامی (عالمی تحریک) ۱۹، ۲۱
۳۷، ۳۸، ۹۰–۹۵، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۶۸
۲۸۸، ۲۸۹، ۳۰۸، ۳۱۵، ۳۱۷، ۳۲۱
۳۲۳
رابطۂ عالم اسلامی۔ مکۂ مکرمہ ۲۳، ۳۶–۳۷
۶۵–۶۷، ۱۰۵، ۱۶۷، ۱۶۹، ۱۸۴، ۲۱۳
۲۲۲، ۲۸۹، ۲۹۱–۲۹۳، ۲۹۵–۹۷
۳۰۱، ۳۰۶، ۳۱۰، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۲۲
۳۲۹، ۳۳۵
راشٹریہ مورچہ (پارٹی) ۲۵۶
راشٹریہ یکتا پریشد ۳۴۰، ۳۴۱
آر، ایس، ایس (R.S.S.) ۲۷، ۱۴۷
ریسرچ اکیڈمی مکۂ مکرمہ ۹۲
ریاض لٹریری سوسائٹی ۹۲
سپریم کورٹ دہلی ۱۹۶، ۳۵۳، ۳۵۴
۳۷۷، ۴۰۷
سی، پی، آئی ۲۳۴
سنّی وقف بورڈ۔ یو پی ۳۴۰
شیوسینا ۲۷، ۱۴۷
عبدالغنی محمد نوروَلی کمپنی جدّہ ۳۵

کانگریس پارٹی ہند (انڈین نیشنل کانگریس) ۱۴۶
۱۵۰، ۱۵۸، ۱۷۹، ۱۹۵، ۲۳۳، ۲۳۵
۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۹، ۳۵۵، ۳۶۵،
۳۷۰، ۳۷۱
کمیونسٹ پارٹی۔ سوویت روس ۲۴۵
مسلم لیگ (ہند) ۲۵۹
مسلم انٹلیکچول فورم۔ لکھنؤ ۳۲، ۲۹۲، ۳۱۵
مسلم مجلس مشاورت ہند ۲۸۲، ۲۸۴، ۲۸۷
۲۹۱
ملّتِ اسلامیہ آندھرا پردیش ۳۴۷
مولانا محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی
رائے بریلی ۳۱۷، ۳۲۵
النادی العربی (ندوہ) ۲۳۱
ناردرن ٹینری کانپور ۷۴
ندوۃ الشباب العالمی۔ ریاض ۳۸۸
ندوۃ العلماء دیکھئے دارالعلوم ندوۃ العلماء
نیشنل فرنٹ (پارٹی) ۳۷۰
نیو لائٹ ٹینری کانپور ۷۴
وشو ہندو پریشد ۲۷، ۶۲، ۱۴۷، ۳۷۰
ہندو مہاسبھا ۶۲

علمی، تحقیقاتی و نشریاتی ادارے و مطابع

ادارۂ تعلیمات اسلام۔ لکھنؤ ۲۰۶
اردو اکیڈمی۔ اتر پردیش ۳۲، ۱۸۰، ۳۴۲
۳۷۹، ۳۸۳

www.abulhasanalinadwi.org

اسلامک فاؤنڈیشن ۔ لیسسٹر (برطانیہ) ۲۶۹
دار الشروق ۔ جدّہ ۳۰۵
دار القضاء امارت ملّتِ اسلامیہ حیدرآباد
۳۴۷
دار الکتب الحلبیہ ۔ بیروت ۹۳
دار عرفات ۔ رائے بریلی ۱۱۳
دار المصنفین ۔ اعظم گڑھ ۳۴، ۲۶۴،
۲۶۵، ۳۱۶، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۴۳
دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد ۲۳۹
کتب خانہ اسکندریہ ۹۷
کتب خانہ ندوۃ العلماء ۔ ۴۲، ۸۲، ۳۲۸
لجنۃ احیاء التراث الاسلامی ۔ قطر ۱۲۶
مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ ۳۲
۴۸، ۷۰، ۷۱، ۱۱۳، ۳۱۲
مجلس تحفیظ القرآن ۔ مکۂ مکرمہ ۶۶
المجلس العالمی للمساجد (رابطہ ۔ مکہ) ۱۶۷
المجمع الثقافی ۔ ابوظبی ۴۳، ۴۸
المجمع الفقہی الاسلامی ۔ مکۂ مکرمہ ۱۶۷
مجمع الفقہ الاسلامی الہند ۲۱۷، ۲۱۸،
۲۲۱، ۲۲۴
مجمع الامام الأعظم ابی حنیفۃ النعمان ۔
بغداد ۲۲۱
مطبع انوار احمد ۳۲۸
مطبع ندوۃ العلماء العربیہ ۳۱۵
مولانا آزاد میموریل اکیڈمی ۔ لکھنؤ ۱۷۵
ندوۃ المصنفین دہلی ۲۶۲، ۲۶۳
ہندی سنستھان لکھنؤ ۳۸۴

ڈائیلاگ، سیمینار و کانفرنسیں

سیمنار "رابطہ ادب اسلامی" بعنوان:
"اردو ادب میں نعتیہ شاعری"
(منعقدہ ۷ ر۔ ۹ ر اکتوبر ۱۹۸۸ء)
اورنگ آباد ۱۹
عالمی کانفرنس "رابطۂ ادب اسلامی"
(منعقدہ ۱۲ ر۔ ۱۶ ر اگست ۱۹۸۹ء) ترکی
۹۰، ۹۵
مذاکرۂ علمی رابطۂ ادب اسلامی ۔
(منعقدہ ۷ ر۔ ۹ ر اکتوبر ۱۹۸۹ء)۔
حیدرآباد ۱۱۴
سیمنار "رابطۂ ادب اسلامی" بعنوان:
"حمد و مناجات" (۷ ر۔ ۹ ر اکتوبر ۱۹۹۰ء)
رائے بریلی ۳۱۷
کانفرنس "پیام انسانیت" (۲۹ دسمبر ۱۹۸۸ء)
حیدرآباد ۵۲، ۵۳
کانفرنس "پیام انسانیت" (۴ ر نومبر ۱۹۸۹ء)
رائے بریلی ۱۳۵
کنونشن "پیام انسانیت" (۷ ر مارچ ۱۹۹۰ء)
دہلی ۱۸۱، ۱۸۴، ۱۹۴، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۰۱
۲۳۱، ۲۷۱

www.abulhasanalinadwi.org

سیمنار "فرقہ وارانہ مفاہمت وہم آہنگی"
(۲ر جولائی ۱۹۹۰ء) لکھنؤ ۲۳۱
۲۳۲، ۲۷۱
اجلاس نہم آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
(۴ر ۵ر مارچ ۱۹۸۹ء) کانپور ۷۲
اجلاس عام آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
(۶ر-۸ر اپریل ۱۹۸۵ء) کلکتہ ۷۳
اجلاس عام آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
(۱۵ر-۱۶ر دسمبر ۱۹۸۶ء) بمبئی ۷۳
کل ہند دینی تعلیمی کنونشن (۱ر۲ر جون ۱۹۸۹ء)
لکھنؤ ۷۸، ۸۱، ۸۲، ۸۳
تعلیمی کانفرنس۔ بمبئی ۱۹۴۸ء ۲۶۱
الملتقی الفکری۔ الجزائر ۱۱۳
سیمنار مولانا عبد الماجد دریابادی۔
(۹ر مارچ ۱۹۹۰ء) لکھنؤ ۱۸۰
سیمنار مجمع الفقہ الاسلامی۔ الہند
(۸ر-۱۱ر جون ۱۹۹۰ء) بنگلور ۲۱۷،
۲۱۸، ۳۰۴
سیمنار مجاہد ملت مولانا محمد حفظ الرحمٰن
سیوہاروی (۵ر اگست ۱۹۹۰ء) دہلی ۲۵۷،
۲۵۸، ۲۶۴
المؤتمر العالمی رابطۃ العالم الاسلامی۔
(۱۰ر-۱۲ر ستمبر ۱۹۹۰ء) مکۃ المکرمۃ۔
۲۹۱، ۳۰۱، ۳۰۶، ۳۳۵، ۳۳۶

اہم واقعات، حادثات وفسادات

انقلاب روس ۱۹۹۰ء ۲۴۵، ۲۴۹
جنگ عظیم ۱۹۱۴ء و ۱۹۱۸ء ۹۷
حادثۂ منیٰ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ ۲۵۲
رتھ یاترا ۳۵۵، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۷۴
زلزلۂ ایران جون ۱۹۹۰ء ۲۵۲، ۲۵۵
صلح حدیبیہ ۱۷۳، ۱۷۴
عالم عربی کا المیہ۔ ۲ر اگست ۱۹۹۰ء
(عراقی حملہ وقبضۂ کویت) ۲۷۱، ۲۷۳،
۲۷۴، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۹، ۳۱۱، ۳۱۵،
۳۲۵
فتح اندلس ۴۰۲
فساد بھاگلپور (اکتوبر۔ نومبر ۱۹۸۹ء)
۴۷-۱۳۹، ۱۴۹، ۱۸۱
فساد بجنور۔ نومبر ۱۹۹۰ء ۳۷۴، ۳۷۵
فساد علی گڑھ دسمبر ۱۹۹۰ء ۳۸۲، ۳۸۳
واقعۂ شیلانیاس ۹ر نومبر ۱۹۸۹ء (اجودھیا)
۱۴۷، ۱۴۹، ۳۷۰، ۳۸۲
واقعۂ فتنۂ ارتداد ۱۶۸
واقعۂ فیل ۲۸۰
واقعۂ کارسیوا ۳۵۵، ۳۵۷، ۳۶۴،
۳۸۲
واقعۂ کربلا ۳۲

www.abulhasanalinadwi.org

دیگر متفرقات

اشتراکی نظام - مارکسی نظام ۴۹ - ۲۴۶
دیوار چین ۲۴۷
رومن امپائر ۵۸
سلسلۂ جنیدی ۳۲۸
سلسلۂ شہر وردیہ ۳۲۷
سلسلۂ قادریہ راشدیہ ۲۰۳
سلطنتِ عثمانیہ ۲۸۰
گاندھیائی نظریات ۳۷۱، ۳۷۰

www.abulhasanalinadwi.org

www.abulhasanalinadwi.org